# شرح دیوان

# حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

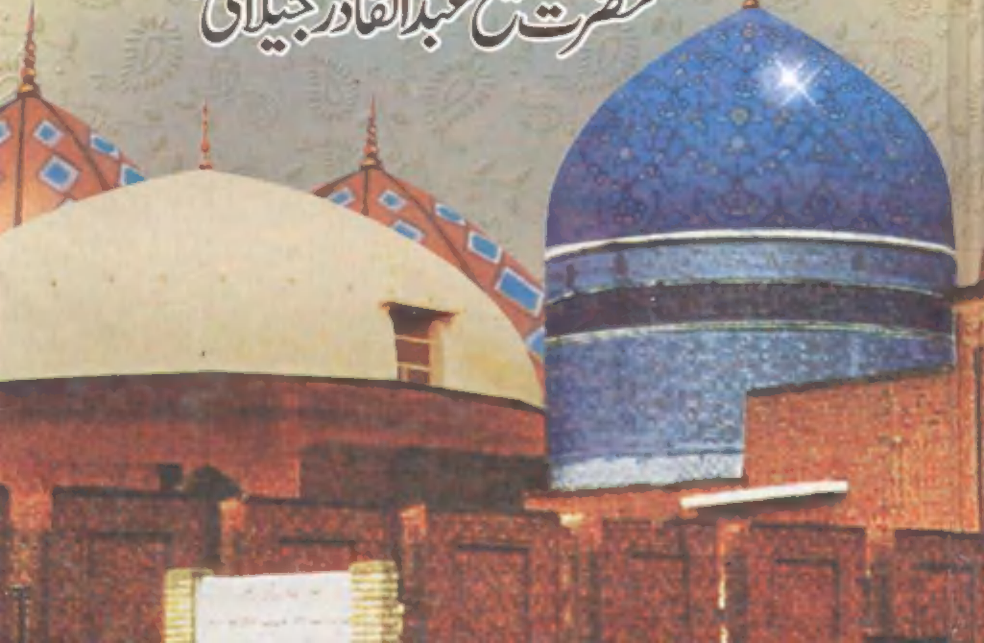

# شرح

# دیوانِ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

محمد علی چراغ

نذیر سنز پبلشرز
40 اے اردو بازار لاہور

بانی ادارہ

نذیر حسین 1941-2005

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

تحسین حسین نے نذیر سنز پبلشرز
لاہور سے شائع کی
نواز پرنٹنگ پریس۔ لاہور

**Nazeer Sons Publishers**

40/A Urdu Bazar Lahore 042-7123219
www.nazeersons.com
info@nazeersons.com

# فہرست


تعارف: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۸

## ردیف۔الف

غزل ۱ بے حجابانہ دراز درکاشانہ ما ۱۵
غزل ۲ اے بلبل شوریدہ دیوانہ توئی یاما؟ ۱۹
غزل ۳ ازغم عشق توزاں بگذشت کاردل مرا ۲۴
غزل ۴ گرنبودے آرزوئے وصل جاناں جاں مرا ۲۸
غزل ۵ باردیگر صبح سعادت دمید ۳۲

## ردیف۔با

غزل ۶ من ہمچوں آزراز بروں بت می تراشم روز وشب ۳۷
غزل ۷ بندہ گر بنگ خوردی ورشراب ۴۳
غزل ۸ از جمال لایزالی برنداری گرنقاب ۵۱

## ردیف۔تا

غزل ۹ گرتماشائے جمال حق نباشد در بہشت ۵۵
غزل ۱۰ سی صدوشصت نظر راتبہ بندہ ماست ۶۱
غزل ۱۱ ناشستہ ترارویت نے آب ترانے دست ۶۷
غزل ۱۲ عمل من ہمہ عمر از چہ خطا افتادست ۷۱
غزل ۱۳ گنہہ کردی بگوکردیم اے دوست ۷۶
غزل ۱۴ پیروی شیطان بہ ریک بارہ کند بس بے رہ ست ۸۰
غزل ۱۵ آہ دردآلودہ من آں جان جانہارا بسوخت ۸۶
غزل ۱۶ باتوائے عاصی مراصلح ست ہرگز جنگ نیست ۸۹
غزل ۱۷ پائے دل درکوئے عشقت تابزانو درگلست ۹۴

| | | |
|---|---|---|
| غزل ۱۸ | گفتا کئی تو باما گفتم کمیں غلامت | ۹۸ |
| غزل ۱۹ | غم تو مخور کہ عاقبت جائے تو صد جنت ست | ۱۰۳ |
| غزل ۲۰ | ے صافی طلب جاناں کہ دردے کش گراں خوارست | ۱۰۸ |
| غزل ۲۱ | ہرچہ از سنگین دلے بر جان ما آید خوش ست | ۱۱۷ |
| غزل ۲۲ | آنکہ آتش افگند در خلق جانان منست | ۱۲۰ |


## ردیف۔دال


| | | |
|---|---|---|
| غزل ۲۳ | یارب آں ساعت کہ خلق از بیار دیچ یاد | ۱۲۴ |
| غزل ۲۴ | تا ابد یارب ز تو من لطف ہا دارم امید | ۱۳۲ |
| غزل ۲۵ | ز سر تا پا تن من گر ہمہ اندوہ وغم باشد | ۱۳۸ |
| غزل ۲۶ | تعالیٰ اللہ چہ حسنت ایں کہ چوں برقع بر اندازد | ۱۴۱ |
| غزل ۲۷ | کسے کو یار خود دارد چرا بر دلبرے بیند | ۱۴۴ |
| غزل ۲۸ | من نمی گویم کہ جور روزگارم می کشد | ۱۴۷ |
| غزل ۲۹ | روزنے جز زخم تیرش در سرائے تن مباد | ۱۵۱ |
| غزل ۳۰ | شاخ گل از ناز گہہ گہہ یار یادم می دہد | ۱۵۵ |
| غزل ۳۱ | نمی دانم کہ او تا کے پئے آزار خواہد شد | ۱۵۸ |
| غزل ۳۲ | مراکشتی و گوئی خاک ایل بر باد باید کرد | ۱۶۲ |
| غزل ۳۳ | دل ناشاد من شاد کہ روزے شادیاں گردد | ۱۶۶ |
| غزل ۳۴ | نویدم می رسد ہر دم کہ ایں سو یار می آید | ۱۷۰ |
| غزل ۳۵ | وقت مستی بلبلاں آمد | ۱۷۴ |


## ردیف۔ر


| | | |
|---|---|---|
| قطعہ: | اے قصر رسالت از تو معمور | ۱۸۱ |
| غزل ۳۶ | در جملہ کائنات گویند | ۱۸۲ |
| غزل ۳۷ | گر نخواہی بود اندر جنت وصل یار | ۱۸۷ |
| غزل ۳۸ | دوست می گوید کہ اے عاشق اگر داری صبور | ۱۹۴ |

غزل ◆ عشق و بدنامی و درد و غم بما شد یار غار ۱۹۹

غزل ◆ طبل قیامت بکوفت آں ملک نفخ صور ۲۰۷

غزل ◆ اے ذکر ترا در دل ہر دم اثرے دیگر ۲۱۴

غزل ◆ اے کہ می نالی ز دوراں جور یار من نگر ۲۱۹

غزل ◆ ہر کہ در پیش تو بر خاک بمالد رخسار ۲۲۱

ردیف۔ز

غزل ◆ شب ہمہ شب با تو می گوئیم راز ۲۲۸

غزل ◆ نومید مشو بندہ از رحمت ما ہرگز ۲۳۱

ردیف۔س

غزل ◆ تو لذت عمل را از کارزار ما پرس ۲۳۷

ردیف۔ش

غزل ◆ در جہاں امروز بے پروا مباش ۲۴۱

غزل ◆ داد مرا جان تو بادہ داد از جان خویش ۲۴۶

غزل ◆ گر مرا جان در بدن نبود بدن گو ہم مباش ۲۵۲

ردیف۔ق

غزل ◆ از خانماں آوارہ ام از دست عشق از دست عشق ۲۵۶

ردیف۔ک

غزل ◆ اے غبار خاک کویت سرمہ چشم فلک ۲۶۱

ردیف۔گ

غزل ◆ مونسم یار است اندر تنگ نائے گور تنگ ۲۶۷

غزل ◆ نامہ دارم سیہ تر از شب تاریک رنگ ۲۷۳

ردیف۔ل

غزل ◆ تیر او پیوستہ می خواہم کہ آید سوئے دل ۲۷۹

غزل ◆ کے بود آیا کہ بنمائی جمال باکمال ۲۸۳

## ردیف ـ م


| | | |
|---|---|---|
| غزل | غلام حلقہ بگوش رسول وسعاداتم | ۲۹۲ |
| غزل | اشک سرخ وروئے زرد من گواہ است اے کریم | ۲۹۸ |
| غزل | چوں تمامی عمر نیکی کرد باتو آں کریم | ۳۰۵ |
| غزل | بے تماشائے جمالت روضہ راہامون کنم | ۳۱۱ |
| غزل | گردل دہی بمادہ عاشق کہ امینم | ۳۱۵ |
| غزل | مابجنت از برائے کار دیگر می روم | ۳۱۹ |
| غزل | باز کشم لشکر وتابہ فلک برروم | ۳۲۵ |
| غزل | زاں بے وفائے سنگ دل جوروجفا می بایدم | ۳۲۸ |
| غزل | خوش آں غوغا کہ من خودرابہ پہلوئے تومی دیدم | ۳۳۲ |
| غزل | ہرگز مبادآنکہ بہشت آرزو کنم | ۳۳۵ |
| غزل | دوچشم از بہرآں خواہم کہ در رخسار او بینم | ۳۳۹ |
| غزل | بخواب مرگ خواہم شد مکن اے بخت بیدارم | ۳۴۱ |
| غزل | بغیر از سایہ درکویت کسے محرم نمی یابم | ۳۴۴ |


## ردیف ـ ن


| | | |
|---|---|---|
| غزل | نچندانی گنہگارم کہ شرح آں تواں دادن | ۳۴۹ |
| غزل | اے کاسہ سرشد سفال ودیدہ گریاں ہماں | ۳۵۵ |
| غزل | مجالے کے بود باتو حدیث خویشتن گفتن | ۳۶۰ |
| غزل | من کہ ہستم زندہ دوراز دلربائے خویشتن | ۳۶۳ |


## ردیف ـ و


| | | |
|---|---|---|
| غزل | گرتو طلبے داری بیداری شبہا کو؟ | ۳۶۶ |
| غزل | ندارم گرچہ آں دیدہ کہ بینم در جمال تو | ۳۷۳ |
| غزل | افسر شاہی نخواہم خاک پائے یار کو؟ | ۳۷۸ |

## ردیف ۔ ء

| | | |
|---|---|---|
| غزل | من کنیم رسوائے شہر و عاشق دیوانہ | ۳۸۱ |

## ردیف ۔ ی

| | | |
|---|---|---|
| غزل | بگوئی ایں دل سنگین کشد جور و جفا تا کے؟ | ۳۸۵ |
| غزل | ایں دل پر درد ما گر غم گسارے داشتے | ۳۸۸ |
| غزل | بے وفا یارے چنیں تا کے جفا کاری کنی | ۳۹۱ |
| غزل | ایں کہ سر بر تن بود بردار بودے کاشکے | ۳۹۴ |
| غزل | بروں آ شہسوار من تعلل پیش ازیں تا کے؟ | ۳۹۷ |

# تعارف

## ۱

دنیائے اسلام میں گیارہویں صدی عیسوی تصوف کے عروج کی صدی قرار دی جاتی ہے۔ اس دور میں اکابر صوفیہ نے اسلامی فن تصوف اور تعلیمات تصوف کو مستقل موضوع بنا کر متعدد اہم کتابیں لکھیں۔ اس دور کے مشائخ میں شیخ ابوالقاسم قشیری، حضرت داتا گنج بخشؒ، خواجہ عبداللہ انصاری اور سلطان ابوسعید ابوالخیر وغیرہ زیادہ اہم اور قابل ذکر ہیں۔

اسی پر مایہ صوفیانہ دور میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا (۱۰۷۷ء - ۱۱۶۶ء) ورود ہوا۔ اس اعتبار سے گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کے کئی دیگر اکابرین امت کو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا ہم عصر اور انھی کی صدیوں کے بزرگان عظام قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان بزرگوں میں امام غزالی، حکیم ثنائی، فرید الدین عطار، شیخ کبیر احمد رفاعی، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور مسعود سعد لاہوری اپنے اپنے طور پر سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی دور میں فرقہ اسماعیلیہ کے پر جوش اور انقلابی قسم کے داعی حسن بن صباح نے بھی ایران اور مصر تک عروج حاصل کر رکھا تھا۔ دیگر نام نہاد مذہبی اور فرقہ وارانہ متعدد تحریکیں بھی اس دور میں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''غنیۃ الطالبین'' میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کئی مذہبی فرقوں کو گمراہ فرقے قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اسلام میں پیدا ہو جانے والے تہتر فرقوں اور گروہوں کا بالتفصیل بیان کیا ہے۔ ان سب گروہوں کی بنیاد اصل میں دس بڑے گروہ ہیں۔ ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ وہی تہتر فرقے ہیں جن کی جناب رسالت مآب ﷺ نے خبر دے رکھی ہے۔ ان گروہوں میں پہلا گروہ اہل سنت کا ہے۔ اس گروہ کے اندر اور کوئی فرقہ موجود نہیں ہے۔ اسی گروہ کو ناجی بھی قرار دیا گیا ہے۔ گویا ان سب فرقوں میں نجات پانے والا فرقہ صرف اہل سنت و جماعت ہے۔

۲

حضرت شیخ عبدالقادرؒ ایران کے قصبہ گیلان میں پیدا ہوئے۔ گیلان' بغداد سے تقریباً تین سو میل دور واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد سید ابو صالح موسیٰ اور والدہ ماجدہ ام الخیر فاطمہ تھیں۔ آپ کے نانا سید عبداللہ صومعی ایک بزرگ کامل تھے۔ جناب ابو صالح موسیٰ ایک پارسا اور صاحب کشف بزرگ شمار ہوتے تھے۔ آپ کی پھوپھی محترمہ ام سیدہ عائشہ بھی پاکباز اور صالح خاتون تھیں۔ اس طرح حضرت جناب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ولادت تصوف کے ایک ستاروں بھرے آسمان پر مثل ماہ منیر ہے۔

۳

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے والد محترم حضرت غوث الاعظمؒ کی زندگی کے اوائل برسوں ہی میں انتقال کر گئے تھے' اس لیے جلد ہی آپ کے نانا سید عبداللہ صومعی نے اپنے نواسے کی سرپرستی سنبھال لی تھی۔ اس دور میں والدہ ماجدہ بھی آپ پر خصوصی توجہ دیتی رہی تھیں۔

یہ وہ دور ہے کہ جب ایران میں سلجوقی سلطان معز الدین ابوالفتح ملک شاہ حکمران تھا۔ ایرانی حکومت بڑی پرشکوہ اور شان و شوکت والی تھی۔ اسی دور میں بغداد کا حاکم المقتدیٰ بامراللہ بدعات کے شدید خلاف تھا' سنت نبوی کو رائج کرنے کے ضمن میں وہ پرخلوص کوششیں کر رہا تھا۔

۴

حضرت شیخ عبدالقادرؒ جن کی کنیت ابو محمد تھی' نے اوائل عمر ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اپنے نانا محترم سے فارسی کی چند اہم درسی کتب پڑھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے دیگر رائج علوم میں بھی خاص دلچسپی لی اور متعدد ضروری کتب کا مطالعہ کیا۔ قصبہ جیلان ایک چھوٹا قصبہ تھا' لیکن قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد حضرت جی نے عربی زبان و ادب میں بھی خاصی دلچسپی بڑھا لی تھی۔ اس دور میں بغداد ایک بڑا علمی مرکز تھا' اس لیے شوق علم اور ذوق آگاہی سے وہیں جانے کا عزم کر لیا تھا۔ جستجوئے حق اور علمی پیاس کی سیرابی کے لیے آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی انھیں بخوشی جیلان سے بغداد جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے

ساتھ ساتھ والدہ ماجدہ نے انھیں راست گوئی پر قائم رہنے کی نصیحت کی تھی۔

۵

جناب عبدالقادر جیلانیؒ ۴۸۸ ہجری میں ایک قافلے کے ساتھ بغداد پہنچے۔ اس وقت بغداد علم دین کے شناوروں اور صالحین کا ایک زندہ مرکز تھا۔ یہاں پر شیخ عبدالقادر نے خوب خوب علم حاصل کیا۔ صلحا کی صحبتوں اور نصائح سے فیض حاصل کیا۔ درس و تدریس سے علوم الٰہی کے اسرار کو جانا۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ نے تحصیل علم فقہ ابوالوفا علی بن عقیل حنبلی، ابوالخطاب محفوظ حنبلی، ابوالحسن محمد بن قاضی، ابو یعلی محمد بن الحسنین بن محمد الفرا الحنبلی اور قاضی ابوسعید مبارک بن علی المخزومی سے مکمل کی۔ ابوالخیر حماد بن مسلم بن ورۃ الدباس اور ابوزکریا بن یحییٰ بن علی التبریزی سے علم و ادب سیکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے محمد بن الحسن باقلانی، ابوسعید محمد بن عبدالکریم، ابوالغنائم محمد بن محمد علی بن میمون الفرسی، ابوبکر احمد بن المظفر، ابوجعفر بن احمد بن الحسین القادری، ابوالقاسم علی بن محمد بن بنان الکرخی، ابو طالب عبدالقادر بن محمد یوسف، عبدالرحمٰن بن احمد ابوالبرکات، ہبۃ اللہ بن المبارک، ابوالنصر بن المختار، ابونصر محمد ابو غالب، ابوالحسن المبارک بن الطیوری اور ابومنصور عبدالرحمٰن التقراز وغیرہ سے سبق حاصل کیا۔

ابوسعید المبارک المخزومی کا بغداد کے ایک محلّہ باب الازج میں ایک مدرسہ تھا، وہی آپ کے استاد محترم بھی تھے۔ انھوں نے اپنے مدرسے کا نظم و نسق شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ نے علامہ ابوزکریا تبریزی کے مدرسہ جامعہ نظامیہ میں بھی آٹھ سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی نے خود بھی وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کا سلسلہ سنبھال لیا تھا۔

۶

فقہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے بزرگ امام احمد بن حنبل (۷۸۰ء۔ ۸۵۵ء) کے مقلد تھے۔ اور اپنے مواعظ میں اکثر انھی کے حوالے دیا کرتے تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے بنیادی طور پر انتہا پسند صوفی منصور حلاج اور معتزلہ کے

درمیانی عہد میں زندگی بسر کی۔ معتزلہ کی سرپرستی پرشکوہ خلافت عباسیہ بھی کرتی رہتی تھی۔

معتزلہ' عقائد وتعلیمات کو عقل کی روشنی میں رہنمائی میں پرکھنے پر زور دیتے تھے۔ معتزلہ عقائد کے خلاف امام احمد بن حنبل ایک بہت بڑی ڈھال بنے رہے تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی بھی اپنی تعلیمات میں امام احمد بن حنبل کے پیروکار اور انھی کے مشن کو آگے بڑھانے والے تھے اس دور پر آشوب میں کہ جب قرامطیوں نے بھی اسلامی مرکز میں ایک باطنی تحریک کے تحت تباہی پھیلا رکھی تھی' مقامات مقدسہ کو بھی نقصان پہنچایا جانے لگا تھا' لہٰذا یہ ساری شورشیں بھی بجا طور پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سامنے تھیں' انھوں نے دینی اور قرآنی بصیرت کی روشنی میں عقلیت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی۔ انھوں نے شریعت اور طریقت (یعنی روحانیت) کے مابین ایک خاص توازن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح سے انھوں نے فرمایا کہ عقل بذات خود ناکافی اور خودغرض ہوتی ہے' اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ عقل کو وحی کے تابع رکھا جائے۔

اس اعتبار سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے چونکہ اجتہادی کام کیا اور یوں انھوں نے دین حق کو ایک تحفظ اور قوت بخشی اور باطل افکار وخیالات کی بیخ کنی کی' اس لیے انھیں محی الدین کا لقب بھی دیا گیا۔

ک

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے غوث الثقلین' قرار دیا۔ آپ بہت بڑے فقیہہ' زاہد اور عابد تھے۔ آپ کے دست حق پر لاتعداد لوگوں نے توبہ کی۔ آپ سب سے بڑے غوث اور پیرانِ پیر کے درجے پر متمکن تھے۔ آپ نے قریباً چالیس سال تک رشد وہدایت اور وعظ ونصیحت اور درس وتدریس کا سلسلہ سنبھالے رکھا۔

آپ اپنے مدرسہ عالیہ میں ہمہ وقت عمل وعلم کی دولت لٹاتے رہے۔ اپنی مجالس میں آپ اکثر قرآن حکیم کا درس دیا کرتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ کی مجالس میں حاضرین کی تعداد ستر اسی ہزار تک ہوا کرتی تھی خاص وعام آپ سے فیوض وبرکات حاصل کرتے تھے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ اس لیے آپ سب لوگوں کے بارے میں دعا فرمایا کرتے تھے۔

۸

حضرت غوث الاعظم، محبوب سبحانی، قطب ربانی اور غوث الثقلین کے القابات سے بھی مشہور ہیں، آپ کو امام الاولیاء کا مقام بھی دیا جاتا ہے۔ آپ کے مواعظ حسنہ نے لوگوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس طرح سے آپ نے احیائے دین کے لیے گراں قدر تصنیفات سے بھی خلق خدا کو نوازا ہے۔ ان تصانیف میں فتوح الغیب، غنیۃ الطالبین اور فتح الربانی آپ کی عربی تصانیف ہیں۔ ان میں سے فتوح الغیب کا فارسی ترجمہ شاہ عبدالحق دہلوی نے کیا۔ جبکہ غنیۃ الطالبین کا فارسی ترجمہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے کیا۔ پھر فتح الربانی کا بھی فارسی ترجمہ ہوا۔

حضرت غوث الاعظم سے فارسی زبان کا ایک دیوان غوث الاعظم (محی الدین) بھی منسوب ہے۔ یہ فارسی کلام کا دیوان ردیف وار ۸۲ غزلیات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کے چند ایک اردو تراجم ہو چکے ہیں۔ ذیل کی کتاب بھی اس دیوان کی شرح کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔

۹

شیخ عبدالقادر جیلانی محی الدین اپنے دور میں اپنی علمی ادبی حیثیت میں بھی بڑے وقیع اور معتبر تھے، آپ کے ان اوصاف ومحاسن کے آپ کے ہم عصر شعرا اور دانشور بھی معترف تھے یہی وجہ ہے کہ جناب محی الدین اپنی زندگی میں بھی ذوالبیانین اور صاحب البرہانین کے القاب سے بھی مشہور تھے۔

محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی بنیادی طور پر عجمی الاصل تھے، اس لیے انھیں عجمی علم و ادب اور لسانیات پر بھی پوری پوری مہارت اور دسترس حاصل تھی۔ آپ علوم صرف ونحو اور پورے فارسی ادبیات پر بھی عبور رکھتے تھے۔ فارسی شاعری اور بالخصوص غزل کی نزاکتوں اور ضروریات کو خوب سمجھتے تھے، فارسی غزل کی جو توانا اور ممتاز روش تھی، اس ادبی دھارے کی جو اساس تھی محی الدین شاعرانہ اور تصوفانہ طور پر اس کے اجزائے ترکیبی کو سمجھتے تھے۔ فارسی غزل میں جو مضامین کی رنگا رنگی اور خیال آفرینی تھی، شیخ عبدالقادر جیلانی (محی الدین) نے اسے خوب خوب ملحوظ رکھا۔ لہٰذا انھوں نے بھی اکثر صوفیا کی طرح اپنے خیالات وافکار کے اظہار

کے لیے شاعری کو بھی ایک ذریعہ ابلاغ بنایا۔ حضرت جی کے کئی قصائد' ایک باضابطہ قصیدہ غوثیہ اور ایک دیوان بھی آپ سے منسوب ہے۔

۱۰

دیوان غوث اعظم المعروف بہ دیوان محی الدین بنیادی طور پر آپ کے مواعظ حسنہ ہی کا منظوم مجموعہ ہے' اس دیوان میں شامل تمام غزلیات گویا ایک طرح سے ''غنیۃ الطالبین'' ہی کے بعض مضامین کی وضاحت کرتی ہیں۔ اس طرح سے حضرت محی الدین غوث الاعظم کی شاعری سراسر تصوف اور تفسیر و حدیث کی شرح پر مشتمل ہے' ان کا کلام اور شعر بڑے ہی پر اثر' پر سوز اور شیریں ہیں' اس فارسی شاعری میں پوری فارسی شاعری کی روایتی توانائیاں اور رعنائیاں بھی بجا طور پر موجود ہیں۔ حضرت محی الدین کا کلام اور پیغام اپنی حلاوت اور اثریت میں روحوں کو بھی پر کیف اور شیریں بنا دیتا ہے۔

اپنی شاعری اور ابیات کے بارے میں خود حضرت غوث الاعظم نے یوں فرمایا ہے کہ:

تا قیامت محی خواہد خواند ایں ابیات را
خلق عالم ہم بہ پائے من روند ہم پائیدار

یعنی میرے ان اشعار کو تا قیامت خلق خدا بھی میرے ہی طرح پڑھتی رہے گی۔ میں نے اپنے اشعار میں جو حق کی راہیں خلق عالم کو سوجھائی ہیں' لوگ ان راہوں پر باآسانی چل سکیں گے۔

۱۱

اپنی شاعری کے بارے میں حضرت غوث الاعظم محی الدین یوں بھی فرماتے ہیں کہ یہ شاعرانہ افکار و خیالات بحوالہ شعور و ادراک الہامی ہیں۔ ان میں وجدانی کیفیات اور الہامی باتیں ہیں۔ اے لوگو! یہ جان لو کہ اگر میری یہ شاعری الہامی نہیں ہے تو مجھے محض قافیہ پیمائی اور سخن طرازی کا ہرگز کوئی شوق نہیں ہے۔

حضرت شیخ محی الدین غوث الاعظم کے شاعرانہ افکار و خیالات دراصل متعدد آیات قرآنی کی شرح ہیں' اور ان کے علاوہ بعض اشعار میں مسلمانوں کے عام عقائد کو بھی اپنے

خاص دل نشین انداز میں شاعرانہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت جی نے اپنے ان الہامی قسم کے افکار میں اپنی بھرپور قرآنی بصیرت اور احادیث نبوی کو بھی سمویا ہے۔

اس دیوان کی شاعری بھی حضرت غوث الاعظمؒ کی دیگر تصانیف کی طرح اپنی روح کے اعتبار سے ایک طرح کی تبلیغی اور توضیحی خدمات بھی انجام دیتی ہے۔ آپ کی شاعری میں بندے اور اللہ کے رشتے کو بحوالہ عشق الٰہی بڑی ہی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس شاعری میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر حوالے سے اپنی رحمتوں کے دامن کو ہر بندہ حق کے لیے پھیلائے ہوئے ہے۔ آپ کی شاعری اور افکار عالیہ میں ایک بڑا ہی واضح رجائی رنگ بھی موجود ہے۔

حضرت غوث الاعظم محی الدینؒ کی شاعری اور ان کے افکار محض بزمی اور مجرد شاعری ہی نہیں بلکہ اس شاعری کی حیثیت اور مقام تشریح دین اور توضیح ارکان دین ہے۔ انھوں نے شاعری کو صرف ایک ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے یوں ان کے سارے افکار تبلیغ و ترویج دین اور مواعظ حسنہ ہی ہیں۔ جناب محی الدین نے خالص دینی افکار کو اپنی شاعری میں سمو کر غزل کو مضامین نو سے معمور اور مرصع کیا ہے۔ یوں انھوں نے صدیوں پیشتر غزلیہ شاعری کو حمد و نعت کی سی تقدیس و تکریم سے ہمکنار کرایا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں اعلیٰ تصوفانہ افکار و واردات کو سمونے کے لیے خوش آئند قرینوں کو اپنایا ہے۔ اسی صورت میں وہ خود فرماتے ہیں کہ صدیوں کے بعد کے پڑھنے والے لوگ بھی ہمارے لیے رحمۃ اللہ علیہ یعنی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے کہیں گے' ایک صوفی اور شاعر کے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز اور خراج عقیدت ہوتا ہے۔

صوفیا عظام کی شاعری کی تشریح و توضیح اور تراجم کا جو سلسلہ جناب نذیر حسین' پبلشرز نذیر سنز لاہور نے شروع کیا ہے۔ اللہ انھیں اس کار خیر کے لیے جزائے خیر سے نوازے اور استقامت بخشے۔

یکم ستمبر ۲۰۰۴ء

محمد علی چراغ

لاہور

❀❀❀

# ردیف۔الف

## غزل ۱

(۱)

بے حجابانہ درآ از در کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

(میرے گھر کے دروازے میں سے آپ بغیر کسی حجاب یا روک ٹوک کے تشریف لائیے کیونکہ ادھر ہمارے گھر میں تمہارے درد کے سوا اور کچھ نہیں ہے)۔

آپ تو جب چاہیں میرے گھر میں بغیر کسی تکلف اور حجاب کے آئیں کیونکہ یہ کاشانہ تو صرف آپ ہی کی طلب اور چاہ کے درد سے بھرا ہوا ہے۔ اے میرے محبوب میں نے اس گھر کو صرف اور صرف تیری ہی محبت اور چاہت سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں صرف تیرا ہی درد موجزن ہے اسے تیرے سوا کسی اور کی نہ امید ہے۔ اور نہ کوئی اور اس میں آ سکتا ہے۔

(۲)

گر بیائی بسر تربت ویرانۂ ما
بنی ازخون جگر آب شدہ خانۂ ما

(اگر آپ ہماری ویران تربت پر آئیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہمارا گھر تو خون جگر سے پانی پانی ہو چکا ہے)۔

آپ ہمارے گھر کہ جو زندگی ہی میں ویران تربت کی مانند ہے تشریف لائیں تو خود دیکھ لیں گے کہ غم واندوہ اور گریہ اور کرب کے باعث ہم کس حال میں ہیں۔ اس گھر کو جو تباہی اور بربادی کی دولت ملی ہوئی ہے وہ تمہارے غم ہی کی مرہون منت ہے۔ لیکن اے میرے

محبوب میں کوئی گلہ شکوہ نہیں کرتا بلکہ اس صورت ہی کو میں پسند کرتا ہوں کیونکہ تجھے بھی یہی صورت پسند ہے۔

(٣)

فتنہ انگیز مشو کاکل مشکیں مکشا
تاب زنجیر ندارد دل دیوانۂ ما

(اپنی خوشبوؤں میں بسی ہوئی زلفوں کو کھول کر کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا کریں۔ ہمارا دیوانہ دل اب کسی زنجیر کی بندش کا متحمل نہیں ہے)۔

آپ اپنی سیاہ کالی اوور مشکبار زلفوں کو کیوں کھولتے ہیں۔ ان کے کھلنے سے نئے ہنگامے اور فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جبکہ ادھر دل دیوانہ اب کسی زنجیر میں جکڑے جانے کی تاب نہیں لاسکتا ہے۔ یوں پھر فتنوں کا سماں پیدا ہو جائے گا۔

اے میرے محبوب تیری زلفیں خوشبوؤں سے معطر اور معنبر ہیں۔ ان سے پوری کائنات میں خوشبوئیں پھیل رہی ہیں۔ ہر شے ان سے معطر ہو رہی ہے۔ میں تو پہلے ہی قید میں ہوں اور جکڑا ہوا ہوں۔ اس سے اب مجھے کسی اور زنجیر یا سلاسل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو ویسے ہی مقید ہیں اور اب ہم خود بھی اس قید سے نہیں نکلنا چاہتے۔

(٤)

مرغ باغ ملکوتیم دریں دیر خراب
می شود نور تجلائے خدا ' دانۂ ما

(ہم اس جہاں خستہ وخراب میں باغ ملکوت کے پرندے ہیں اور ہمارا دانہ دنکا نور خدا کی تجلیاں ہیں)۔

ہم عالم ارواح یا ملائکہ کے باغ کے پرندوں کی طرح ہیں ہمیں اس عالم ناپائیدار اور اس خراب کار دنیا سے کیا سروکار۔ ہمیں تو سدا انوار الٰہی کی تجلیاں حاصل ہیں۔ انہی سے ہماری تمام احتیاجات پوری ہوتی ہیں۔ اب تو ہماری غذا بھی وہی بن چکی ہیں۔ اے لوگو ہم پر پروردگار کا بے حد فضل وکرم ہے ہم تو باغ ملکوت کے رہنے والے ہم۔ ہم فرشتوں کے ساتھ

ہیں۔ وہاں سدا انوار الٰہی کی تجلیاں اور جلوے ہیں۔ اس لیے اس کے بعد ہمیں کسی دوسرے کی پرواہ نہیں ہے۔ ہمارا جو مقام و مرتبہ ہے وہ بہت بلند و بالا ہے۔

۵

با احد درلحد تنگ بگوئیم اے دوست
آشنائیم توئی غیر تو بیگانۂ ما

(ہم تنگ قبر میں محض ذات باری تعالیٰ سے کہیں کہ اے میرے والی' یہاں پر میں صرف آپ ہی کو جانتا ہوں۔ آپ کے علاوہ میرے لیے سب کچھ بیگانہ ہے۔)

تصوف کی دنیا میں احد خالص باری تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور تنگ و تاریک قبر میں اس احد سے بڑھ کر اور کون دوست ہوسکتا ہے' وہ دوست جو بحوالہ احد ہے' وہ گویا سنبھالنے والا اور ہر حال میں مالک اور کارساز ہوتا ہے۔ اس لیے اس اندھیرے سے بھری تنگ اور بھیانک قبر میں اللہ جس کا والی (یعنی دوست) ہوگا۔ اسے کسی اور کو جاننے کی کیا ضرورت اور یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ جس کا والی وہ اللہ بن جاتا ہے وہ دنیا جہاں سے بے نیاز اور لایحتاج ہو جاتا ہے۔ تنگ و تاریک قبر بھی اس کے لیے بُری جگہ نہیں رہتی۔

٦

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست ؟
گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما

(اگر (منکر اور) نکیر قبر میں آکر مجھ سے پوچھیں گے کہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ میرا رب وہی ہے جو میرے دیوانے دل کو لے جاچکا ہے)۔

جب قبر میں منکر اور نکیر سوال جواب کرنے والے فرشتے ''من ربک'' (یعنی تمہارا رب کون ہے) سوال کریں گے۔ تو میں فوری طور پر یہی جواب دوں گا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ میرا رب کون ہے! میرا پروردگار رب وہ ہے جو میرے دل و جان کا مالک ہے' وہ میری ہر حالت اور کیفیت سے واقف ہے۔ بلکہ ہر کیفیت اور حالت اسی نے بنائی ہے۔ وہ میرے ہر

اندرونی و بیرونی حال سے بخوبی واقف ہے۔ میرا رب وہی تو ہے جو مجھ سے میرا دیوانہ دل لے جا چکا ہے۔ تصوف کی دنیا میں ''دل'' سے مراد مرضی منشا اور طلب بھی ہوتی ہے اور یہ انسان کا باطن بھی ہوتا ہے' جو اس باطن پر قابض و قادر ہے وہی میرا رب ہے۔ رب بندے پر ہر حوالے سے قادر و غالب ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

(۷)

منکر نعرۂ ما کو؟ بمن عربدہ کرد

تا بہ محشر شنود نعرۂ مستانۂ ما

(ہمارے نعرے کا انکار کرنے والا کہاں ہے' جس نے بے خوفی اور فتنہ سازی سے کام لے کر یہ صورت پیدا کی۔ اسے بلاؤ تا کہ وہ محشر تک ہمارا نعرۂ مستانہ سنتا رہے)۔

اس شعر میں منکر انکار کرنے والا بھی ہے' سابقہ شعر کی نسبت نکیر کا دوسرا ساتھی منکر فرشتہ بھی ہے جو نکیر کے کیے گئے سوال کو بغور سنتا ہے۔ اس تناظر میں منکر کے معنی اور بھی وسیع ہو جاتے ہیں۔ اسی حوالے سے کہا گیا ہے کہ اگر منکر نے ہمارا جواب نہیں سنا تو اب آئے ہمارا جواب جو نعرۂ مستانہ ہے محشر کا شور و غل برپا ہونے تک بدستور سنتا رہے کہ ہمارا رب کون ہے۔ عاشقوں اور فقراء کا نعرہ مستانہ ان کے لیے بہت بڑی دولت ہوتا ہے اس کا ظاہری اور باطنی مطلب اور اثر ہوتا ہے اس کی گونج سے کفر ٹوٹتا ہے اور فضائیں صداؤں سے بھر جاتی ہیں۔

(۸)

شکر للہ کہ مردیم و رسیدیم بدوست

آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ ما

(اللہ کا شکر ہے کہ ہم جواں مرد ہیں اور اپنے دوست تک پہنچ گئے۔ ہماری ہمت مردانہ پر آفرین)۔

بعض حوالوں سے مجاہدہ نفس کرنے والے کو بھی مرد ہی کہا جاتا ہے' اس اعتبار سے ہم جواں ہمت اور مجاہد مرد ہیں۔ اس لیے ہم بجا طور پر اپنی اس انسانی ہمت پر تحسین و تبریک اور

شاباش کے مستحق ہیں۔ اگرچہ اللہ والے اور اللہ کے عاشق کسی ستائش اور حوصلہ افزائی کے طلب گار نہیں ہوتے وہ تو صرف اسی سے تحسین وتبریک کے متمنی ہوتے۔

﴿۹﴾

محی برشمع تجلائے جمالش می سوخت
دوست می گفت زہے ہمتِ مردانۂ ما

(محی الدین! اس کے جمال کی تجلیوں کی شمع پر جلتا رہا اور دوست احباب ہمت مردانہ پر تحسین کہتے رہے)۔

محی الدین اس کے حسن و جمال اور مہربانی' عنایت اور شفقت کے جلوؤں کی شمع حسن پر سوختہ ہوتا رہا اور دوست میرے جلنے کی اس کیفیت کو دیکھ دیکھ کر داد و تحسین ڈونگرے برساتے رہے۔ لیکن اصل حالت یہ ہے کہ وہ لوگ تو میری اس حالت اور کیفیت سے واقف ہی نہیں جس کی تپش میں میرا دل جلتا ہے۔ لیکن میں اس حالت میں سکون اور راحت محسوس کرتا ہوں۔

# غزل ۲

﴿۱﴾

اے بلبل شوریدہ دیوانہ توئی یا ما ؟
جویائے رخ خوبئ جانانہ توئی یا ما؟

(اے شوریدہ سر اور پریشان حال بلبل' بتا کہ ہم میں سے دیوانہ کون ہے تو یا میں' محبوب کے چہرے کا طلب گار تو ہے یا میں)۔

بلبل ایک خوب صورت اور سدا گانے والی چڑیا ہے۔ وہ ڈالی ڈالی اور گلستان در گلستان چہکتی اور سریلی آواز میں ایک خاص بے تابی کے ساتھ گاتی رہتی ہے۔ تصوف میں اس کی بے تابی کے باعث اسے روح کے مماثل قرار دیا جاتا ہے اور روح جو جسم کی قید میں ہے وہ بھی سدا اپنے خالق سے ہمکنار ہونے کے لیے بے قرار اور بے تاب رہتی ہے۔ خالق سے ہمکنار ہونا

اس کے لیے محبوب کے چہرہ حسین کی طلب وجستجو ہے۔ اس لیے روح کا اس پنجرے کے اندر بے تابی کی حالت میں بلبلانا اور بے حال ہونا ایک فطری امر ہوتا ہے اس کی اصل طلب اور منزل اللہ ہی ہوتا ہے۔

⟨۲⟩

تو عاشقِ گلزاری، من عاشق دیدارم
در درد فراق او مردانہ توئی یا ما؟

(تو گل وگلزار کا طلب گار ہے جبکہ میں تو اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کا عاشق ہوں اس امتیاز کے بعد اب تو بتا کہ محبوب کے اس فراق اور جدائی کو تو مردانہ وار برداشت کر رہا ہے یا ہم)۔

تو صرف مادی باغ و بہار، پھلواری اور پھولوں کا طلب گار ہے جبکہ اس کے برعکس ہم تو اس خالق حقیقی کے دیدار کے فراق میں پڑے ہیں۔ ہمارا مدعا و منشا عاشق کا دیدار ہے۔ جس کے بارے میں خود ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ''جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقی ہوں گے تو ان پر سلام کہا جائے گا اور ان کے اعمال صالحہ کے سبب سے (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے باعزت اجر مہیا کر رکھا ہے''۔ (۳۳ : ۴۴) اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کا باہمی تحفہ تبریک وتہنیت ''سلام'' کوئی معمولی مقام و مرتبہ کا حامل نہیں ہے۔ دیدار الٰہی سے بڑھ کر اور کیا عظیم نعمت اور تحفہ ہو سکتا ہے۔ عشاق تو اسی کی خاطر اس زندگی میں بھی سب سے پہلے جان کی بازی لگا دیتے ہیں اور پھر طلب فراواں میں رہنے لگتے ہی۔

⟨۳⟩

تو در قفسی امّا در خلوتِ خود تنہا
اے گوشہ نشین ! مستے دیوانہ توئی یا ما

(تو پنجرے کے اندر مقید اور گوشۂ تنہائی و کنج افسردگی میں اکیلا اور تنہا ہے۔ اے تنہائی کے رسیا! بتا کہ مست اور دیوانہ تو ہے یا ہم)۔

یہاں پر بھی مجازی طور پر تخاطب بلبل ہی سے ہے۔ لیکن پنجرہ کہہ کر قالب انسانی کی

طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ قالب انسانی روح کے لیے ایک پنجرہ ہے اور جب روح کو اس پنجرے سے آزادی کے بعد لقائے حق اور ہمکناری خالق ہو تو یہ عارضی قید قفس کوئی حیثیت اور معنی نہیں رکھتی۔ اس شعر میں حیوانی زندگی اور حیات انسانی کو بحوالہ روح بھی دیکھا گیا ہے اور اس روح کے مدام ارتقائی سفر کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴)

در فصلِ بہار وے از عشق جمال دے
با نعرہ و فریادے مستانہ توئی یا ما؟

(بہار کے موسم میں اس کے حسن و جمال کے عشق میں مستوں کی طرح مست ہو کر، بلند آواز میں بیتابی کے عالم میں تو فریاد کر رہا ہے یا ہم)۔

بعض حوالوں سے موسم بہار کہ جس میں شادابی، رونق اور سرسبزی ہوتی ہے، اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور سے پہلے کا عہد بھی شمار ہوتا ہے۔ گویا اس سے اس یوم الست یا عہد الست کی جانب اشارہ موجود ہے کہ جب عالم ارواح میں روحوں سے پروردگار کی گفتگو ہوئی اور روحوں سے خالق انسان نے دریافت کیا کہ تمہارا رب کون ہے۔ تو اس پر ان تمام روحوں نے برملا اظہار کیا کہ تو ہی ہمارا پالنے والا ہے۔ روحوں سے مکالمے کا یہ عرصہ کس قدر پر رونق اور شادابی والا ہوگا کہ جس کو عاشقوں کے لیے فصل بہار قرار دیا گیا ہے۔

(۵)

عشق او بما بلبل! اندر رگ و پے رفتہ
آں بادہ کو؟ آں را پیمانہ توئی یا ما؟

(اے بلبل! اس کا عشق ہمارے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ وہ مے وہ شراب ناب کہاں ہے۔ جو سراپا عشق ہے؟ اور اس کے لیے پیمانہ تم ہو یا ہم)۔

اے نادان اور نعرہ زنی کرنے والی بلبل تجھے ہمارے عشق کی کیا خبر۔ اس کا عشق تو ہمارے جسم و جان میں کلی طور پر نس نس اور رووئیں رووئیں میں سمایا ہوا ہے۔ اس صورت حال میں تو ہی بتا کہ اس شراب عشق کے لیے جام یا پیمانہ کی حیثیت کس کی ہو سکتی ہے، تیری یا

میری۔ اے بلبل اس کا عشق ہمارے اندر باہر' ہمارے ظاہر باطن اور رگ و ریشے اور خون اور سانسوں میں بھی سمایا ہوا ہے۔ عشق ہمارے اندر اور ہم عشق کے اندر ہی ہیں۔

(٦)

تو جز گل و ما جز او چیزے چوں نمی بینم
از غیر حبیب خود بیگانہ توئی یا ما؟

(تو پھول کے سوا کسی اور چیز کو اور ہم اس محبوب کے علاوہ کسی اور شے کو نہیں دیکھتے' تو ہی بتا اس دوست حبیب کے سوا سب سے تو بیگانہ ہے یا ہم)۔

گل کے معنی مجازی طور پر معشوق اور حبیب کے بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح تصوف میں اس کے معنی میں عالم امر ملائکہ کی پاکیزگی کی جانب بھی اشارہ ہوتا ہے اور روحوں کے جہان عالم ارواح کی طرف بھی۔ لیکن یہ جو حبیب ہوتا ہے وہ تو سراسر پیارا' محبوب اور معشوق مدام کے درجے پر رہتا ہے اس لیے جس کی نظر حبیب پر ہوتی ہے اسے تو کچھ اور دکھائی ہی نہیں دیتا۔ محبوب پر فریفتہ ہونا عاشق کا اولین شیوہ عاشقی ہے اس سے وہ اپنا فرض نبھاتا ہے اور اسے وہ عین تقاضائے فطرت سمجھتا ہے اور ہمیشہ اس کی تسکین پر لگا رہتا ہے۔

(۷)

تو زخم خوری از خار ما را بکشیند بردار
آیا بزبان خلق ' افسانہ توئی یا ما ؟

(تو تو صرف کانٹے ہی سے زخمی ہو جاتا ہے جبکہ ہمیں تو دار پر کھینچا' لٹکایا اور پھیلایا جاتا ہے' اس اعتبار سے یہ تو بتا کہ خلق کی زبان پر تیرا افسانہ ہے یا ہمارا)۔

یہاں پر بھی تخاطب اور تقابل بلبل ہی سے ہے وہ بلبل جو ایک کانٹے سے زخمی ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں عاشق تو دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔ اس تناظر میں لوگوں کی زبان پر عاشق ہی کی قربانی کے تذکرے ہوتے ہیں نہ کہ بلبل کو کانٹے سے لگنے والے زخموں کے۔ عشاق کی تاریخ ساز قربانیاں کون نہیں جانتا۔ جس قربانی سے عام دنیا دار بچتے اور چھپتے ہیں اس کے وہ متلاشی ہوتے ہیں۔ بڑی سے بڑی قربانی دینا بھی ان کے لیے ادنیٰ کام ہوتا ہے۔

⟨۸⟩

تو عاشق و ما عاشق دم درکش و حاضر باش
ورنہ بخدا امروز، درخانہ توئی یا ما ؟

(اے بلبل! تو بھی عاشق ہے اور ہم بھی عاشق ہیں، خاموش رہ اور موجود رہ اور صبر و سکون سے کام لے۔ ورنہ بخدا آج اس گھر میں یا تو رہے گی یا ہم)۔

اس شعر میں بھی بلبل ہی کے حوالے سے بات کی گئی ہے اور بلبل چونکہ ایک پکار والا اور شور کرنے والا پرندہ ہے اس لیے اسے سمجھایا گیا ہے کہ منازل عشق میں یہ رونا دھونا، واویلا کرنا اور نعرہ زنی کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ان کے بجائے صبر اور حاضر باشی سے کام لیا جائے تو خاموشی صبر سے ہمکنار ہو کر ایک اور ہی صورت پیش کرتی ہے۔ عاشق واویلا اور پکار نہیں کرتا۔ صرف راتوں کو روتا ہے، دل کو جلاتا ہے اور تصور ہی میں اپنے محبوب سے باتیں کرتا ہے اور سکون حاصل کرتا ہے۔

⟨۹⟩

گویند کہ گنجے ہست اندر دلِ ہر سرمست
از بہر چنیں گنج دیوانہ توئی یا ما ؟

(کہا جاتا ہے کہ ہر سرمست مجذوب و مدہوش و بے خود کے دل کے اندر ایک بہت بڑا خزانہ ہوتا ہے تو بتا کہ اس عظیم خزانہ حاصل کرنے کے لیے تو دیوانہ ہے یا ہم)۔

سرمستی اور سرشاری تو بذات خود ایک بہت بڑی کان اور معدن ہوتی ہے اس کے اندر کئی خزائن ہوتے ہیں، لیکن اگر کوئی اپنی آہ و بکا، واویلا اور دیگر اسی طرح کے ناصبری والے اعمال کرتا رہے گا تو وہ اس سرمستی کی وادی میں ہرگز قرار و قیام نہیں رکھ سکے گا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو حقیقی اور سچی بے خودی اور سرمستی ہے اس میں تو محویت کی ایک بے پناہ دولت موجود ہوتی ہے۔ یہ وہ محویت ہوتی ہے کہ جو جام و مینا اور شراب کے بس کا روگ نہیں ہوتی۔ ایسی سرمستی جو محویت بدوش ہوتی ہے، اس کا سلسلہ اس مستی وارد کرنے والے کے ساتھ جڑا ہوتا ہے گویا پھر دیوانگی بھی اور ہی طرح کی ہوتی ہے۔

۱۰

محی بہ گلستان شد بابلبل نالاں گفت
کاے بلبلِ نالندہ جانانہ توئی یا ما ؟

(محی الدین' گلستان میں گیا اور اس نے نالے کرنے والی' شوریدہ سر' واویلا مچانے والی بلبل سے پوچھا' اے رونے دھونے والی بلبل ! یہ تو بتا کہ محبوب و دلبر اور پیارا معشوق تو ہے یا ہم)۔

اس مقطع میں ایک بار پھر بلبل کی بے قراری' اس کی آہ وزاری اور نالے کرنے کی عادت ثانیہ کے حوالے سے بات کر کے اسے سراپا رونے والی اور شور کرنے والی فریاد اور شکایت کرنے والی ایک بے چین مخلوق قرار دینے کے بعد اس سے دریافت کیا ہے کہ سراپا فریاد اور شکایت کے مقابلے میں سراسر صبر و استقلال میں سے محبوبی درجہ کس کا ہو سکتا ہے۔ عاشق کا صبر و استقامت دیدنی ہوتا ہے وہ مہ و سال اور صدیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس کی لگن کی انتہا ہی اس کے لیے باعث سکون وصبر بن جاتی ہے۔ وہ لوگوں کے سامنے واویلا کر کے ناشکر گزاری نہیں کرتا۔

## غزل ۱۴

۱

از غم عشق تو زاں بگذشت کار دل مرا
کز وفایت کم شودیک لحظہ بار دل مرا

(تیرے عشق کے غم کی وجہ سے میرے دل کی حالت اور اس کے معاملات دگرگوں ہو گئے ہیں کہ تیری وفا سے ایک دم میرے دل کا بوجھ بھی ہلکا اور کم ہو گیا ہے)۔

تیرے غم عشق نے اپنے رنج وغم' حزن و ملال سے میرے دل پر اپنے اثر سے جو ہنگامے اور کارہائے خاص کیے ہیں ان کے باعث میرا دل اب پہلے سا نہیں رہا بلکہ اس کے احوال یکسر بدل چکے ہیں' تیری وفا کے سبب میرے دل کے بوجھ فوری طور پر تھوڑے اور کم

ہوگئے ہیں۔ یہ عاشق کی خوش بختی ہوتی ہے کہ وہ غم واندوہ بڑھنے کے باوجود بھی اسی الم و یاس ہی سے سکون حاصل کرتا ہے۔ اور اس میں بھی وہ خوش رہتا ہے۔

﴿۲﴾

فارغم از گشت گلشن کز غم تو ہر زماں
بشگفد صد گونہ گل از خارخار دل مرا

(میں باغ کی سیر اور چہل قدمی سے فارغ ہو چکا ہوں' کیونکہ ہر وقت اور ہر دور میں تیرے غم کی وجہ سے دل کے ایک ایک کانٹے سے سینکڑوں پھول کھلتے رہتے ہیں)۔

مجھے اب گلستان یا باغ اور پھلواڑی کی سیر و سیاحت اور گل گشت کی نہ ضرورت رہی ہے اور نہ حاجت ہی ہے کیونکہ تیرے غم کی بدولت اب تو دل کے ایک ایک ادنیٰ کانٹے سے بھی صدہا قسم کے پھول کھلنے لگے ہیں۔ گویا اس طرح اب تو میرے اندر ہی باغ و بہار پیدا ہو چکے ہیں۔ اس لیے میں سیر چمن میں اپنا وقت ضائع کیوں کروں۔ پھولوں بھرا چمن تو میرے اندر خود موجود ہے۔ تیرے غم عشق نے میرے دل کے ایک ایک کانٹے سے سو سو طرح کے پھول کھلا دیئے ہیں۔ غم عشق عاشق کے دل کو جو باغ و بہار بناتا ہے' اس کی جو رونقیں ہوتی ہیں جو بہاریں اور عروج بہاراں اس سے میسر آتا ہے وہ صرف عاشق ہی جانتے ہیں۔

﴿۳﴾

بر دلم باری حوالت کن غم اندوہ خود
چوں تواں کردن کہ کردی غمگسار دل مرا

اے دوست! اپنے تمام غم و اندوہ کو میرے دل کے حوالے کردو چونکہ تم نے مجھے ہمدرد اور غم گسار بنادیا ہے' اس لیے اس غم خواری کے علاوہ مجھے اور کیا کرنا چاہیئے۔)

میں تو تمہاری عنایات کے باعث مکمل طور پر غم گسار' ہمدرد' مونس اور غم خوار بن چکا ہوں' اس لیے اب ضروری نہیں ہے کہ تم اپنے غم اٹھائے پھرو' بلکہ میری یہ درخواست ہے کہ تم بھی اپنے سارے غم اور اندوہ و ملال سب میرے سپرد کردو۔ تم تو اس حقیقت سے بخوبی واقف ہو کہ غم گسار دل کی دولت غم واندوہ کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ساری متاع میرے پاس

ہی جمع ہونے دو۔

(۴)

ماہیے گو ہر کنار افتدز دریا چوں رود
ہم چناں باشد بلا دور از کنار دل مرا

(جو مچھلی خود ہی کنارے پر جا پڑے اس کی حالت کے کیا کہنے اسی طرح میرے دل سے جب درد و بلا دور ہو جاتی ہے تو پھر جدا ہوکر وہ درد و بلا بھی بے چینی کا شکار ہو جاتے ہیں)۔

وہ جو عاشقان حق ہوتے ہیں' تصوف کی دنیا میں حوادث و آفات' آزمائشیں اور پے بہ پے امتحانات اور محنت و مشقت اور درد و آلام ان کے دل کی بہت بڑی دولت ہوتے ہیں۔ انہیں تو درد و بلا ہی میں خوشی اور راحت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے بلائیں ان کے دل سے دو ہو جائیں وہ اس جدائی کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ درد و الم اور بلا و ابتلا عاشق کی راحت جان کی وادیاں ہوتی ہیں۔ ان وادیوں کی سیاحت عاشق کیلئے نئے سے نیا جہاں پیدا کرتی ہے۔

(۵)

آنکہ روزم شد سیاہ باشد ز بے صبرئ دل
تیرہ تر بادہ ز روزم روزگار دل مرا

(دل کی بے صبری کے باعث میرا دل بھی سیاہ ہی ہوگیا ہے۔ اے کاش اب میرے دل میں بھی سیاہی اور تاریکی کا دور دورہ ہو جائے۔ اس طرح کی بے صبری سے میرا دن بھی روشن رہنے کے بجائے سیاہ ہوگیا ہے)۔

بے صبری تو اضطراب ہے۔ اس میں بے چینی ہوتی ہے۔ اس میں سکون اور آرام کا ہرگز گزر نہیں ہوتا۔ حصول حق اور وادی معرفت میں اس بے صبری کو ایک منفی عمل تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اس بے صبری میں دل کا چین اور بیقراری عروج پر رہتی ہے۔ اس لیے سالکان راہ معرفت بے صبری کو کبھی استحسان کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ وہ سدا صبر ہی کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ صبر کرنے والوں کا اللہ کے نزدیک بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ اور ''اللہ تعالیٰ صبر

کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔(۲۴۹:۲)

(۶)

باز آید روز ہجراں نالہ کن بارے ز دل

چوں نہ بودی تو فراق یار' یارِ دل مرا

(یہ گریہ زاری کرو کہ ہجرو فراق کے دن پھر لوٹ آئیں۔ کیونکہ جب تم نہیں ہوتے اس وقت فراق یار ہی میرے دل کا سہارا بن جاتا ہے)۔

یہاں پر ہجرو فراق کے حوالے سے بات کی گئی ہے وصال کے مقابلے میں ہجرو فراق ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ فراق تو جدائی ہی کے باعث حسین اور طلب کے زور پر باعث حیات بنتا ہے۔ اس لیے ایک یہ دعا کر کہ محبوب سے جدائی کا دور پلٹ آئے۔ ہجر کے اندر جو ایک مسلسل ارتقاء جاری رہتا ہے وہ وصال پر آکر یکسر رک جاتا ہے۔ ہجر اور فراق اس صورت میں دلی کی زندگی کا باعث ہوتے ہیں اور ان کی موجودگی میں یہی دل کا سہارا بنے رہتے ہیں۔ بعض صورتوں میں صوفیاء نے اس ہجر اور فراق کو موت بھی قرار دیا ہے کیونکہ جب جان جسم سے جدا ہوتی ہے تو وہ ایک نیا اور انوکھا ہجر ہوتا ہے اور پھر اس فراق کے بعد وصال حق ہے۔

(۷)

چند چوں محی کشد دل در رہِ تو انتظار

سوخت ہم چوں' سایہ بررہ انتظار دل ما

(کب تک محی الدین کا دل تیری راہ انتظار میں پڑا رہے گا۔ کب تک انتظار کھینچے گا۔ دل کے انتظار نے تو تجھے تیرے راستے میں سایہ کی طرح جلا کر رکھ دیا ہے)۔

کیفیات انتظار کو بڑے ہی پر معنی انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ انتظار کے اس عالم کی طوالت کب ختم ہوگی اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ انتظار ہمیشہ ایک یقین کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے۔ اس انتظار کو منتظر یوں ہی نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی معمولی عمل ہے۔ یقین تو ہوتا ہے لیکن وہ ایقان کب مجسم صورت اختیار کرتا ہے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ اسی لیے یہ انتظار موت سے بھی شدید ہوتا ہے۔ انتظار کا ایک ممتاز وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ منتظر یعنی انتظار

کرنے والے کو جکڑ کر رکھ لیتا ہے' اس کے تمام حواس و احساسات کو ہمہ تن انتظار یہ بنائے رکھتا ہے۔

پھر اس انتظار کا ایک خاص تعلق محبوب کے آنے کے حوالے سے راہ اور راستے سے بھی ہوتا ہے اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا کہ راہ بہر صورت لمبی ضرور ہوتی ہے۔ اس لیے راہ پر سوختہ ہو کر راکھ اور مٹی بن کر بچھ جانا انتظار کی کیفیت کو ایک نیا بعد بخشتا ہے راہ اور راستے میں سوختہ ہونا سراپا انتظار سے افضل تر اور اعلیٰ تر ہے۔

## غزل ۴

(۱)

گر نبودے بے آرزوئے وصل جاناں جاں سرا
زندگی نگذاشتی بے او غمِ ہجراں مرا

(اگر محبوب کے وصل کی آرزو میری زندگی نہ بنتی تو غم ہجراں کے بغیر تو میں ہرگز زندگی بسر ہی نہ کر سکتا۔ اس غم ہی نے تو میری زندگی بنائی ہے۔)

محبوب سے ملاقات اور اس سے ملنے کی اگر طلب اور امید و آرزو نہ ہوتی تو اے میری جان تو میری زندگی' زندگی ہی نہ بن پاتی۔ اس وصل جاناں کی چاہت کے باعث جو جدائی اور ہجر کا غم اور اندوہ ہے۔ اسی نے تو میرے اندر زندہ رہنے کی ترنگ اور حوصلہ پیدا کر رکھا ہے۔ گویا یہ ایک بہت بڑا جینے کا سہارا ہے جس کے ساتھ میں باآسانی جیے جا رہا ہوں۔ وصل چونکہ ہجر کی ضد ہے اور وصل تو منزل پر سکون و قرار کا نام ہوتا ہے جبکہ آرزوئے وصل کہ جو وادیٔ ہجراں ہی میں پروان چڑھتی ہے' اس میں تو مدام ایک ارتقائی عمل جاری رہتا ہے یوں زندگی رواں دواں رہتی ہے۔

(۲)

سروِ من آغشتہ در اشک جگر گون منست
فارغم گر باغباں نگذاشت در بستان مرا

(میرا جسم و جان' جگر رنگ خونی اشکوں سے لت پت ہے۔ وہ خود آلودہ اور سرخی میں لتھرا پڑا ہے۔ میری اس حالت میں اگر باغبان مجھے باغ میں نہ جانے دے تو میں اس طلب سے بے نیاز ہوں)۔

جسم و جان کہ جس کو ''سرو'' کہا گیا ہے۔ سرو ایک سدا بہار قسم کا سیدھا' لمبا اور اونچا درخت ہوتا ہے۔ ہر موسم میں وہ یکساں ایک ہی سا رہتا ہے۔ اب اس سرو جسم و جان کی حالت یہ ہے کہ وہ کثرت گریہ سے خون کے آنسو رو رو کر لہو رنگ سرخ ہو چکا ہے۔ وہی اب میرے لیے گل گوں گلاب بن چکا ہے۔ اس لیے اس گلاب کی موجودگی میں مجھے پھولوں کی طلب میں کسی باغ میں جانے کی کوئی ضرورت اور آرزو نہیں ہے۔

(۳)

حالِ من چوں پیر کنعاں شد کنوں چوں بینمت
بسکہ آمد سیل آشک از دیدۂ گریاں مرا

(میری حالت پیر کنعاں (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی سی ہو چکی ہے کہ اب میں تجھے کس طرح سے دیکھ سکوں۔ میری رونے والی آنکھوں کی بینائی تو اشکوں کے سیلاب میں بہہ چکی ہے)۔

پیر کنعاں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے پیارے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں گریہ کرتے رہتے تھے۔ اس طویل گریہ زاری کے باعث ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ قرآن میں ان کی اس حالت کے لیے لفظ ''شیخ کبیر'' آیا ہے۔ اب میری حالت بھی ایسی ہی ہو چکی ہے کہ آنسوؤں کی روانی میں میری ساری بینائی بہہ چکی ہے اور اب تو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔

(۴)

جامۂ جاں چاک شد رو وادیٔ عشق و ہنوز
ہر طرف شد خار غم بگرفت در داماں مرا

(وادیٔ عشق میں آنے کے بعد میری جان کا جامہ مکمل طور پر چاک ہو چکا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک سینکڑوں کانٹے ہر طرف میرے دامن میں پیوست ہیں)۔

وادیِ عشق نے اپنے دستور کے مطابق میری جان کا لباس تار تار کر دیا ہے۔ تار تار گریبان میں دھاگوں کے سوا اب کچھ بھی نہیں بچا ہوا۔ جامہ کی کوئی دھجی بھی تو صحیح سلامت نہیں ہے۔ اس بریدہ اور تار تار صورت حال کے باوجود بھی میرے دامان یعنی پیرہن کے سامنے والے دامن میں سینکڑوں ہزاروں غم کے کانٹے چبھے ہوئے ہیں۔

غم کے ان کانٹوں میں رنج و ملال کی ٹیسیں ہیں۔ ہزن کے ہلکورے سے ہیں۔ گویا ان کانٹوں کے درد اور تکلیف کو جامہ جاں چاک ہونے کے بعد ایک اور ہی جان سوز قسم کی تکلیف دامن جان پر وارد ہو رہی ہے۔

⑤

ہم چوں من یارب کہ کردی بے نصیب از وصل یار

اے کہ در انداختی از صحبتِ جاناں مرا

(اے میرے پروردگار! کیا تو نے میرے علاوہ بھی کسی عاشق کو وصال یار سے محروم رکھا ہوا ہے اور اپنے محبوب کی صحبت سے الگ رکھا ہوا ہے)۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ کا اسم ''رب'' استعمال کیا گیا ہے۔ رب ربوبیت کرنے والا ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بنیادی صفت ہے جس میں اس نے سب کی ربوبیت کرنا اپنے اوپر فرض کر رکھا ہے۔ وصال یار سے بے نصیبی کا دور چونکہ طلب و آرزو اور ہجر و فراق کی لذتوں سے معمور ہوتا ہے اس لیے اس دور کی خاص سوغاتیں انتظار کرنے والے کو ایک اور ہی طرح کی زندگی عطا کرتی ہیں۔ اس صورت میں عاشق حق یہ استفسار کرتا ہے کہ کیا ان نعمتوں سے اس کے علاوہ بھی کوئی اور اس جہاں میں فیض یاب ہیں کہ نہیں۔ یا کہ یہ نعمتیں صرف مجھے ہی ملی ہوئی ہیں۔

⑥

اینکہ با مردم مدارامی کنم از بہر تست

ورنہ کے پرواہ بود از قول بدگویاں مرا

(یہ جو میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مدارات کے ساتھ پیش آتا ہوں یہ تو صرف تیرے

لیے ہی ایسا کرتا ہوں۔ تو نے مجھے مہذب اور مؤدب بنایا ہوا ہے۔ ورنہ ان بدزباں لوگوں کی باتوں کی میں کوئی پرواہ نہیں کرتا)۔

لوگوں کا اور عام خلق کا وتیرہ یہی ہے کہ وہ عمومی طور پر بدگو اور بدزبان ہوتے ہیں۔ ان کا صرف باتیں کرنا ہی ایک طرح سے چلن ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ چاہے نیکی کی جائے وہ اس کی قدر نہیں کرتے۔ لیکن لوگوں کی اس روش کے باوجود میں تو صرف تیری چاہ میں سب لوگوں کے ساتھ تواضع اور مدارات کے ساتھ پیش آتا ہوں۔ مجھے ان لوگوں کے برے رویے کی کوئی پرواہ نہیں۔ تو نے تو میری یہ عادت ہی بنا دی ہے۔

(۷)

نیست فرق درمیان شخص من باسایہ ام
بسکہ در آتش فگندہ ایں دلِ سوزاں مرا

(میں سایہ کی طرح ہوں اور اب صورت یہ ہو چکی ہے کہ سائے میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رہا ہے۔ اس پر مستزاد میرے جلے ہوئے دل نے تو مجھے آگ ہی میں ڈال رکھا ہے)۔

انسان کا اپنے وجود کے بجائے سایہ ہو جانا ایک نہایت عمدہ کیفیت اور حالت ہوتی ہے۔ اس صورت میں انسان اپنے وجود کی کثافتوں سے پاک ہو کر گویا ایک وجودِ لطیف بن جاتا ہے اور پھر اس وجودِ لطیف پر الطاف ہوتے ہیں ان کا کوئی شمار نہیں ہوتا۔ جب وجود اور سایہ ایک ہو جائیں تو اس میں انسان ایک اور نئی منزل میں ہوتا ہے۔ سایہ کو ایک اعتبار سے تعاقب کرنے والا محتسب بھی کہا جاسکتا ہے جب محتسب کو کسی قسم کی خرابی یا بدنظمی دکھائی نہیں دیتی تو وہ تعاقب کرنے کے بجائے ہم آہنگ اور یک جان و یک قالب بن جاتا ہے۔ اس کیفیت کو کہ احتساب کی تلوار اوپر نہ رہے تو صاحبِ دل لوگوں کے لیے یہ کیفیت اور بھی سوہانِ روح بن جاتی ہے یوں اس سے ان کا دلِ سوختہ سارے وجود کو آگ میں لیے رکھتا ہے۔

⟨۸⟩

صحن و گلشن، گلخن و فرش من از خاکستر است

تا کہ چوں محی نخوانی بے سرو سامان مرا

(میرا صحن، گلشن، تنور یا چولہا اور فرش وغیرہ سب کچھ جل کر راکھ بن چکے ہیں، یہ اس لیے خاکستر ہوئے ہیں تا کہ تم محی الدین کو بے سرو سامان کہہ کر نہ پکارو۔ دیکھو تو سہی کتنا سازو سامان سوختہ ہے۔)

تصوف میں عاشقانِ حق کی اور ہی شان ہوتی ہے اور اسی طرح وہ دنیا کی آسائشوں اور اسبابِ زیست کو اپنے معیاروں پر شمار کرتے ہیں۔ صحن، گلشن اور فرش مکانی رہائشی انسانی ضرورتیں ہوتی ہیں اور پھر پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے چولہا اور تنور مطبخ کا نمائندہ ہے۔ یہ سب جسم اور پیٹ کی احتیاجات ہیں۔ یہ سب جل کر راکھ ہو چکی ہیں اور اصل میں یہ بے سرو سامانی ہی تو عاشقوں کی پونجی ہوتی ہے۔ بے سرو سامانی کی یہ کائنات اس لیے ہمیں حاصل ہوئی ہے تا کہ دیکھنے والے ہمیں تہی داماں اور بے سرو سامان نہ پکاریں۔

## غزل ۵

⟨۱⟩

بار دیگر صبح سعادت دمید

زانکہ صباح ست اکنوں شامِ ما

(لو ایک بار پھر، ہم پر سعادت مندی کی صبح آگئی ہے۔ ہم کتنے خوش نصیب ہیں اس وجہ سے اب تو ہماری شام بھی سویرا بن چکی ہے)۔

رات ختم ہونے پر صبح کا نور ظہور ہوتا ہے، نیک بختی اور سعادت مندی کی بات ہے کہ ہم پر ہمارے پروردگار نے رات کے اندھیروں کے بعد صبح کا نور اجالا سا پھیلا دیا ہے۔ رات کی حالت وداع ہو چکی ہے۔ اب تو یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ ہماری شام بھی گویا صبح بن چکی ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اچھا اور بہتر زمانہ آچکا ہے۔ صبح و شام کے حوالے سے آغاز،

عروج اور زوال کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے۔ تصوف کے حوالے سے کسی شے کا پیدا ہونا بھی گویا اس شے کے فانی اور زوال پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہماری صبح بھی شام ہی ہے کیونکہ صبح کو بھی بہرصورت شام میں بدلنا ہوتا ہے۔

﴿۲﴾

زاں مئے قتال کہ دارد خدا

از دل شب ریختہ در جام ما

(خدا کے پاس جو قتل و غارت کرنے والی شراب تھی' رات کے دل یعنی رات کی صراحی میں سے ہمارے جام میں ڈال دی ہے۔ اب اس سے کسی کی ہلاکت نہیں ہوگی)۔

اللہ کی شراب اور بحوالہ رات انسان کے جام میں انڈیلنا ایک یوں ہی سا عمل نہیں ہے۔ یہاں پر شراب حق سے مراد عنایات اور انعامات الٰہی ہیں' جو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ارزاں فرماتا ہے کہ جو راتوں کو اپنے پروردگار کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ بندے کی اسی صورت اور حالت کو علامہ اقبال نے آہ صبح گاہی اور آہ سحر گاہی بھی کہا ہے اور جو کچھ میسر آتا ہے اسی کی بدولت ملتا ہے۔

﴿۳﴾

ما مئے عشقے بے چوں خوردہ ایم

چہ شود خواجہ سر انجام ما

(ہم نے عشق کی شراب بہت زیادہ پی لی ہے۔ ہمیں اس کی پرواہ ہی نہیں ہے کہ اب اس بسیار نوشی کا نتیجہ اے خواجہ! ہمیں معلوم نہیں کیا نکلتا ہے)۔

ذوق شراب نوشی میں ہم نے تو شراب عشق بے حد و حساب نوش جاں کر لی ہے۔ ظاہر ہے اس کا اثر اور نتیجہ مستی بے اختیاری اور وارفتگی ہے اس سرمستی کی کیا حد ہوگی اور یہ مستی کیا صورت اختیار کرے اے خواجہ اس کی ہمیں خبر نہیں ہے۔ پھر اس شعر میں اس ساری کیفیت کے بارے میں خواجہ سے استفسار کیا جا رہا ہے۔ خواجہ کہ جو نمائندہ ہے ملکیت کا' اس کو اقتدار و اختیار بھی حاصل ہوتا ہے' اور اس کی سرداری بھی مسلمہ ہوتی ہے' وہ گویا ایک طرح کا محتسب بھی

ہوتا ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرمستی کا کیا عالم اور کیفیت ہے کہ انجام کے خوف سے بے نیاز ہو کر یہ عمل اس سے ہو رہا ہے ایک اور حوالے سے خواجہ خود مالک اور آقا ہے اور اسی کی یہ شراب حق ہے اور اسی کا سارا رنگ ہے۔

(۴)

ہر بلائے نامزد بر خلق نیست

تا سرِ دفتر بنوده نام ما

(خلق پر نازل ہونے والی ہر مصیبت اور بلا اس وقت تک وارد نہیں ہوتی کہ جب تک سرفہرست ہمارا نام نہ لکھا جائے۔ ہر بلا اور مصیبت ہمی سے شروع ہوتی ہے۔)

مخلوقات میں سے کسی بھی فرد یا شخص کے نام کوئی بلا' ابتلا' مصیبت' مشکل' تنگی ترشی اس وقت تک نہیں لکھی جاتی کہ جب تک اس کا شکار ہونے والوں میں اس میں گرفتار اور ابتلاء میں مبتلا ہونے والوں میں سب سے پہلے اور سرفہرست ہمارا نام نہ لکھا جائے۔ یوں بھی ہے کہ خلق کو جان لینا چاہئے کہ ہر بلا' آزمائش' امتحان' ابتلاء' کٹھن گھڑی اور آفات و حوادث کی ہر مشکل سب سے پہلے ہم پر آتی ہے اور پھر اس کا رجوع مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔

(۵)

از دل سی پارهٔ ما بشنود

زمزمهٔ عشق' دل آرام ما

(ہمارا دل جو تیس ٹکڑوں میں بٹ چکا ہے' اس میں سے ہمارا محبوب جو ہمارے قلب و جان کے لیے راحت اور سکون ہے وہ نغمہ عشق سنتا ہے۔)

ہمارا دل تو ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے' لیکن ہمارے راحت دل و جان محبوب کی ادا اور شان منفرد دیکھو کہ وہ ان ٹکڑوں میں سے عشق کے ترانے اور محبت کے نغمے سن رہا ہے' گویا دل شکستہ ہونے کے بعد اور بھی محبوب بن گیا ہے۔ اس جانب علامہ اقبال نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ مزید یہ کہ تیس ٹکڑوں سے مراد قرآن مجید کے تیس پارے بھی ہیں اور یہ صورت اسی وقت ہوتی ہے کہ جب مومن خود قرآن کے مصداق ہوتا ہے۔

(۶)

تا ابد اے دوست ! حلاوت دید

چاشنیئے درد تو در کام ما

(اے دوست! تیرے درد کی لذت مٹھاس سے ہمارا حلق اور کام و دہن ابد تک شیریں ہو چکے ہیں)۔

درد کو اس شعر میں بحوالہ دکھ، تکلیف، غم و اندوہ ایک نئے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس درد کو کہ جو محبوب کا دیا ہوا ہے اسے حلاوت بخش قرار دے کر درد کو بڑا ہی عزیز جان او زندگی کے لیے پسندیدہ کہا گیا ہے۔ یہ اس لیے پسندیدہ اور مرغوب ہے کہ یہ درد تو قربت جان فزا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کا دیا ہوا درد بھی حیات افروز ہے۔ اس درد نے صرف زندگی ہی نہیں دے رکھی بلکہ اس درد بھری زندگی کو اپنی شیرینی اور چاشنی سے معمور کر رکھا ہے اس کی مٹھاس سدا حلق میں محسوس ہوتی رہتی ہے۔

(۷)

عاشق دیوانہ و مستیم ازاں

درد پے در پے رسدِ انعام ما

(ہم دیوانہ اور مست قسم کے عاشق ہیں، اس وجہ سے ہمیں ہمہ وقت درد کے انعام و اکرام ملتے رہتے ہیں کہ ہم انہی کے لائق ہیں۔)

ہم تو اپنے عشق میں وارفتہ ہیں ہم بے خود اور محو مستغرق ہیں اور ہماری یہ کیفیت ابد سے مدام یہی چلی آرہی ہے۔ اس وارفتگی نے ہمیں مست الست بنا رکھا ہے۔ ہماری مستی اور بے خودی نے ہمیں مدہوش کر رکھا ہے۔ اس مستی کے ہاتھوں میں ہم کھلونا بنے ہوئے ہیں اور اسی لیے ہمیں دم بہ دم اور پے در پے درد کے انعامات ملتے رہتے ہیں۔

(۸)

از شرار مشغلۂ عشق دوست

سوختہ شد ظاہر اسلام ما

(دوست کے عشق کے شغل میں پڑنے کے شعلوں نے تو ہمارے ظاہری اسلام کو بھی جلا کر رکھ دیا ہے۔ اب اس حالت میں نہ جانے ہم پر کیا گزرے؟)۔

دوست سے مراد یہاں پر ذات باری بھی ہے اور اس ذات باری کے عشق نے عاشق کی حالت ایسی بنادی ہے کہ وہ ظاہری اور دنیاوی اظہار کے اسلامی شعائر کو بھی بھول چکا ہے بلکہ عشق کی تپش میں اسلام کی ساری ظاہر داری بھی جل بھن کر راکھ ہو چکی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک یہ فنا فی اللہ کا درجہ ہے۔ یہ وہ مقام و مرتبہ ہوتا ہے کہ جس پر پہنچ کر عاشق صادق کا دھیان، توجہ اور مدعا و منشا صرف ذات الٰہی ہوتا ہے اسے اس استغراق کی حالت میں ظاہر داری کی نہ تو خبر ہوتی ہے اور نہ وہ ظاہر داری کو نبھانے کے قابل ہی رہتا ہے۔

(۹)

خوارئ خلق جہاں من می کشم

تا کرم مولا کند اکرام ما

(مخلوق جہاں کی جانب سے ملنے والی خواری اور طعنوں کی بارش اور ذلت و رسوائی کو میں اس لیے قبول کر لیتا ہوں تا کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ مجھے اکرام سے نوازے)۔

عشق الٰہی میں میری جو ظاہری صورت اور میرے ظاہری اعمال و افعال کی جو کیفیت بن چکی ہے، اس پر ظاہر پرست مخلوق مجھے کوستی رہتی ہے۔ مجھے طعنہ زنی کے نشتروں سے کچوکے لگاتی رہتی ہے۔ وہ مجھے ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ لیکن میں یہ سب کچھ بخوشی برداشت کر لیتا ہوں، تا کہ میری اس حالت پر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی معرفت کے اور انعامات سے نوازتا رہے۔

اسی حوالے سے قرآن مجید میں موجود ہے کہ اہل ایمان میں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اپنے اس "طریق زندگی پر ملامت کرنے والوں کی کوئی پرواہ نہیں

کریں گے"۔(۵:۵۴)

۱۰

محی محبوب نظر کرد و بگفت
باز برآمد قمر از بام ما

(محی الدین۔ میرے محبوب نے میری جانب نظر کرم سے دیکھا ہے۔ دیکھو تو سہی گویا پھر ہمارے کوٹھے پر چاند نکل آیا ہے)۔

محبوب کی اک نگاہ کو اس قدر مبارک اور اہم بیان کیا گیا ہے جس طرح کسی کی چھت پر چاند نکل آیا ہو۔ چھت پر چاند کا نکل آنا گویا خوشیوں اور مسرتوں کی نوید ہوتا ہے یہی چاند عید کی بے پناہ خوشیوں کی نوید لاتا ہے۔ نگاہ محبوب اور ہلال کی ظاہری نسبت بھی قابل توجہ ہے۔ نیم باز آنکھ اور پہلے دن کا ہلالی چاند بہر صورت خاص معنی اور صوری حسن جمال کا بھی حامل ہے۔

## ردیف۔ب

## غزل ۲

۱

من ہمچوں آزر از بروں بت می تراشم روز و شب
وز اندروں ہمچوں خلیل اللہ گویم ایں عجب

(بیرونی طور پر میں تو آزر کی طرح رات دن بت تراشی ہی میں لگا رہتا ہوں لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ اندرونی طور پر میں حضرت خلیل اللہ کی طرح بولتا ہوں)۔

یہاں پر ظاہر اور باطن کے حوالے سے بات کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے میں ظاہری طور پر تو اگر چہ آزر کی طرح ہمہ وقت بت تراشنے میں لگا رہتا ہوں۔ لیکن اس کے برخلاف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بت تراشی کے خلاف بات کرتا ہوں۔ یہ گویا مجاز کا رنگ کا جس

میں اصل مقصد حقیقت کا بیان کرنا ہے۔ اس شعر میں آزر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بت تراشی اور بت شکنی کا تضاد اور فلسفہ بیان کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ دراصل ظاہر کے بجائے زیادہ اہم وہ باطن ہی ہوتا ہے جو ظاہر کے اندر زندہ و تابندہ رہتا ہے۔

۲

در بتکدہ با ایں بتاں با آنکہ ہستم ہم عناں
نورِ خدا بینم عیاں حیران اویم روز و شب

(باوجودیکہ میں بت کدہ کے اندر بتوں کے ساتھ ہم رکاب اور ہم سفر ہوں' لیکن اس کے باوجود میں اللہ کے نور کو واضح اور عیاں دیکھتا ہوں' اس بات پر میں دن رات حیران بھی رہتا ہوں)۔

بہ ظاہر میں بتوں کے ساتھ ہوں اور بت خانے کے اندر میں ان کے ساتھ ہی زندگی کے سفر پر گامزن ہوں یوں میں بتوں ہی کا ہم رکاب اور ہم عیاں ہوں۔ لیکن اس ظاہری صورت کے باوجود مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں اس کے نور حق کو ہر طرف واضح اور کھلم کھلا دیکھتا ہوں۔ اس ساری صورت حال پر میں خود بھی اللہ تعالیٰ کی ان نوازشات اور مہربانیوں پر حیران ہوتا رہتا ہوں اور شکر بجالاتا ہوں۔

۳

بشنو تو ہاؤ ہوئے من بنگر تو رنگ و بوئے من
بشگاف یک یک موئے من می بیں ورے روز شب

(اے میرے خدا! اگر میری ہاؤ ہو کو سُنے اور میرے رنگ و بو کو دیکھے اور میرے ایک ایک بال کو چیر کر اس کا ملاحظہ کرے تو اس میں تو ہی سمایا ہوا ہے اور میں دن رات اسی میں بستا ہوں)۔

اب میری یہ صورت ہو چکی ہے کہ میری بات چیت' میرے کلام' میری آہ و بکا اور میرے جسم و جان میں اللہ ہی اللہ سمایا ہوا ہے۔ میرے جسم و جان کے رنگ بو میں اور میری سانسوں میں بھی وہی رچا بسا ہے۔ میرے ایک ایک بال ایک ایک روئیں کو بھی اگر چیر کر دیکھا

جائے تو اس میں بھی وہی ذات حق سمائی ہوئی ہے۔ اب اس حال میں میرا اپنا کچھ بھی اس سے خالی یا اس سے جدا نہیں ہے۔ وہ میرے جسم و جان میں خوب سمایا اور رچا بسا ہوا ہے اور یوں میں اس کے اندر ہی بس رہا ہوں۔ اور وہ میرے اندر بسا ہوا ہے۔

(۴)

آں سروبالا کیست چوں از وصف اولال ست زباں

در عشق او دیوانہ شد ہم ترک و تاجیک و عرب

(وہ سرو قد و قامت والا محبوب کون ہے کہ جس کی تعریف و توصیف کرنے سے زبان عاجز ہے اور اس کے عشق میں ترک' تاجک اور عرب سب کے سب دیوانے ہیں)۔

جان لینا چاہیے کہ عشق حقیقی ہی سب سے طاقت ور جذبہ ہے اور یوں محبوب حقیقی ہی سب پر فوق اور فائق ہے۔ وہی تو ایسا محبوب ہے کہ کوئی زبان اس کی حمد و مدح نہیں کر سکتی' کوئی اس کی تعریف و توصیف نہیں کر سکتا ہے اور اس کی تعریف و توصیف کا حق ہی ادا نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن کمال ہے کہ سب مغرب و مشرق اور جنوب و شمال والے اس کے گرویدہ او ر دیوانے ہیں۔ یقیناً وہ جس کے سب عاشق ہیں وہی تو مالک حقیقی ہے۔

(۵)

ہر گہ کہ سلطان جہاں خواہد کہ بیند روئے خود

از لولیانِ مملکت آئینہ می دارد طلب

(جب سلطان جہاں خود اپنا حسن دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے تو وہ اپنی مملکت کے معشوقوں ہی کا آئینہ طلب کرتا ہے)۔

خالق کائنات اور جہاں کے مالک اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں جب اپنا حسن یعنی اس دنیا میں اپنی حسین تر فیاضیوں اور پر جمال رعنائیوں کو دیکھنے کی بھی طلب ہوتی ہے تو وہ ان حسن کاریوں اور جمال پاشیوں کو کسی اپنے ذریعے سے نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو اس دنیا کے حسن والوں ہی کی نظر سے سب کچھ دیکھتا ہے۔ یوں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی انہی ذریعوں سے اپنی کائنات پر حسن کی نظر فرماتا ہے کہ جن ذریعوں سے اس کی مملکت کے چیندہ لوگ دینا جہاں کو دیکھتے

ہیں۔

(۶)

وقتِ تجلی خدا در رقص آمدہ کوہ طور
اندر دلِ سنگین سنگ ازبسکہ پیدا شد طرب

(تجلی خدا کے وقت کوہ طور پر رقص کی کیفیت طاری ہوگئی اور یوں سخت دل پتھر کے اندر بھی طرب اور مستی پیدا ہوگئی۔ یہ اثر تھا جلوہ حق کی کیفیت کا)۔

اللہ تعالیٰ کا جلوہ جو سراپا نور اور روشنی ہوتا ہے۔ اس میں پروردگار کی جھلک ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا نور نظر آیا۔ اس وقت اللہ نے سب پردے اور حجابات ہٹا کر اپنا جلوہ ایک روشن چمک اور نورانی جھلک کی صورت میں دکھایا۔ گویا جب خدا کا نور آشکار ہوا اس کے اثر سے تو کوہ طور بھی وجد سے رقص کرنے لگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلی وہ ہے کہ جو پتھر کے سنگین دل میں طرب اور خوشی' شادمانی اور انبساط کا وہ بے روک جذبہ پیدا کر دیتی ہے جس سے وہ جھوم اٹھتا ہے۔ کوہ طور کی لرزش کو رقص کہہ کر خوب حسن پیدا کیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جلوہ حق کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے کہ اس تجلی الٰہی کا جمادات تک بھی برابر اثر ہوتا ہے۔

(۷)

در محفلِ جنت بتو حق می دہد جام طہور
نئے بادہ دارد رنگ و بوٗ نئے جام دارد کیف لب

(جنت کی اس محفل میں جب حق تعالیٰ تجھے شراب طہور کا جام دیں گے تو اس شراب کا نہ تو کوئی رنگ ہوگا' نہ بو ہوگی اور نہ جام کو لبوں کا لمس اور کیفیت ہی محسوس ہوگی)۔

قرآن مجید نے بھی اپنے خاص انداز میں اہل جنت کے مشروب کا ذکر فرمایا ہے۔ ''وہ ایک دوسرے کی جانب اس شراب کا جام بڑھا رہے ہوں گے جس میں نہ تو لغویت ہوگی اور نہ خمار کا اضمحلال'' (۵۲:۲۳)۔ ''اور نہ اس میں نشہ ہوگا نہ درد سر'' (۵۶:۱۹)۔ ''اور انہیں اعتراف خدمت کے صلے کے طور پروردگار پاک شراب پلائے گا۔'' (۷۶:۲۱) یعنی یہی وہ

شراب طہور ہوگی۔ محفل جنت میں مشروبات کے حوالے سے قرآن مجید نے پاکیزہ پیالوں یعنی جام کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

⑧

من عاشق خود خواند مت' نزدیک خوبنشاندمت

جز فضل بے پایان من ایں راندانی تو سبب

(اے عاشق زار! میں نے تو تجھے خود اپنا عاشق کہا ہے اور تجھے اپنے پہلو میں بٹھایا ہے۔ اس راز کو تم اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل کے بغیر ہرگز معلوم نہیں کر سکتے)۔

اللہ کا بندہ جب احکام خداوندی کی صحیح معنوں میں پیروی کرتا ہے یعنی بندہ جب احسان کرتا ہے۔ طہارت اختیار کرتا' صبر شکر سے کام لیتا ہے' تقویٰ کی زندگی بسر کرتا ہے' اللہ پر توکل کرتا ہے اور معاشرے میں انصاف سے کام لیتا ہے تو وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ گویا خدا ان اوصاف والے نیکو کار بندوں کو پسند فرماتا ہے اور پھر ان پر اپنی نعمتوں اور عنایات و نوازشات کی ارزانی فرماتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان انعامات و اکرامات کی بارش کا کیا باعث ہے۔ اس کی اصل غایت تو اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ اس قدر بے پایاں الطاف و اکرام کیوں فرماتا رہتا ہے۔

⑨

اشتر کہ بینی مست شد بر دارد از جسم خود

وز غایت مستی برد سر بر سوئے کوہ ہے حطب

(اونٹ کو ملاحظہ کرو کہ وہ اپنے جسم کو کس مست انداز میں اٹھاتا ہے اور پھر اسی وارفتگی اور مستی کے ساتھ ایندھن لانے کے لئے پہاڑ طرف چلتا رہتا ہے)۔

اونٹ ہی پر کیا موقوف ہے بلکہ مخلوقات کی ہر ایک شے عجوبہ روزگار ہے۔ اس کے اندر ایسے ایسے اسرار و رموز ہیں کہ ان پر عقل انسان دنگ رہ جاتی ہے۔ اونٹ ہی کو دیکھیے اس کے جسم کے اندرونی اور بیرونی نظام اس قدر عجیب و غریب اور مصالح اور عجائبات بدوش ہیں کہ جدید ترین سائنس بھی عش عش کر اٹھی ہے۔ اونٹ کے بیرونی نظام میں اس کا جسم' اس کی کھال'

بال، گردن اس کے نتھنے اس کی آنکھیں، اس کی ٹانگیں اور اس کے گدی نما پاؤں سب مجموعہ عجائبات ہی تو ہیں۔ پھر اس اونٹ کے اندر جذبہ خدمت موجود ہے کہ وہ منوں بوجھ اٹھا کر اونچی نیچی راہوں پر بھی ایک مستی کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ بغاوت نہیں کرتا۔

۱۰

او معصیت راازکرم طاعت کند در روز حشر
رحمت کند بر عاصیئے کوشد سزا وار غضب

(رحمتوں اور بخششوں والا رب اپنے کرم وعنایت سے حشر کے دن گناہ اور عصیاں کو بھی بدل دے گا اور اس طرح عاصیوں کو بھی اپنی رحمت سے نواز دے گا کہ جو غضب الٰہی کے حق دار ہوں گے)۔

اس شعر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں، اس کی بخششوں، اس کی رحیمی کی وسعتوں اور اس کی غفرانی عظمتوں اور وسعتوں کا بھرپور انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدم قدم پر دنیا جہاں میں رحمتوں اور انعامات کے بعد یوم حشر کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اس ہنگامہ بھرے، انسانوں کے نشور کے دن کہ جب کسی انسان کا کوئی رشتہ ناتہ کسی کے کام نہیں آئے گا اور ہر شخص کو صرف اور صرف اپنی ہی فکر دامن گیر ہوگی۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ہی گنہگاروں پر اپنی رحمتیں فرمائے گا۔ وہ بہت بڑا صاحب غفران ہے۔ اس دن وہ ایسے ایسے گناہگاروں اور عاصیوں کو بھی بخش دے گا کہ جو اصولاً تو سزاوار غیظ وغضب ٹھہرے ہوئے ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ غفور اور رحیم بھی ہے اس لیے وہ سب پر رحمت ہی فرمائے گا۔ اور سب گناہگاروں کو بھی اپنے دامن رحمت اور دامان غفران میں لے لے گا۔

۱۱

آں یوسف کنعاں عجب گرنیست در بازار مصر
کیں جملہ بازاریاں دارند فریاد و شغب

(اگر وہ یوسف کنعاں، مصر کے بازار میں موجود نہیں ہے تو بازار کے لوگوں میں یہ اضطراب اور شور شغب کیوں پایا جاتا ہے)۔

یوسف کنعاں اور بازار مصر کے حوالے سے احسن القصص میں سے قصہ یوسف علیہ السلام کی جانب تلمیحی اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بازار مصر میں فروخت کیا جارہا تھا تو اس وقت لوگوں کا ایک انبوہ کثیر خریداروں کی صورت میں موجود تھا اور شہر میں ایک ہنگامہ خیز اور پر شور ماحول تھا۔ اس از دحام کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ بازار مصر میں یوسف تو ہے نہیں لیکن لوگوں کا انبوہ اور شور وشغب کس لیے ہے۔ یہاں پر حسن یوسف علیہ السلام کو نمائندہ اظہار حق بھی سمجھا گیا ہے۔

﴿۱۲﴾

محی چراغ روشن است اندر دلت از نور خدا

نئے کوکب دریست چوں در دل نہ قندیل حلب

(اے محی الدین نور خدا کے باعث تیرے دل کے اندر چراغ روشن ہے' حالانکہ دل کے اندر نہ تو نورافشاں ستارہ یعنی ''کوکب دری'' ہے اور نہ حلب کی وہ بے مثال قندیل ہے کہ جس کی روشنی مثالی ہوتی ہے) اس حوالے سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر طرح کے نور اور روشنی کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے اور اسی کا ہر طرف نور ظہور ہے اور سب کو وہی نور اور روشنی عطا فرماتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں بھی ارشاد موجود ہے کہ'' اللہ تعالیٰ ہی کائنات کو نور عطا کرنے والا ہے۔'' (35:24)۔ اور یہ بھی ہے کہ اللہ کا نور کوئی مادی نور نہیں بلکہ وہ فکر و بصیرت اور علم و دانش اور فہم وفراست کی روشنی کا حامل ہے اور اسی کا چاروں طرف ظہور ہے۔ اس طرح روشنی چاہے مادی ہو چاہے فکر و بصیرت کی روشنی' سب اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔

## غزل ۲

﴿۱﴾

بندۂ گر بنگ خوردی در شراب

توبہ کن آمر زمت بے پیچ و تاب

(اے میرے بندے! اگر تو نے بھنگ پی ہے یا شراب پی ہے یہ کوئی بڑے گناہ نہیں

ہیں۔ میری رحمت بہت بڑی ہے۔ اگر تو توبہ کرلے تو میں تجھے کسی تردد اور تامل کے بغیر بخش دوں گا)۔

اس شعر میں دو انتہاؤں کی بات ہے ایک طرف بندۂ اور بندے کے اعمال بد اور دوسری طرف اللہ اور اللہ کی رحیمی اور رحمت غفران کی وسعت و بے کرانی۔ یہ منطقی انتہا یعنی ایک جانب عبد ہے اور دوسری جانب معبود یا ایک طرف خالق ہے اور دوسری طرف اس کا بندۂ۔ بندۂ کے ساتھ اللہ کی طرف سے بندہ نوازیاں موجود ہیں۔ بندے کی انسانی سہو کے بعد توبہ کی راہ سے اللہ تعالیٰ بخشش اور رحمت ہے۔ لیکن شرط صرف یہ ہے کہ بندۂ اپنی راہ کو بدل کر اللہ کی راہ پر تو آجائے پھر اللہ اسے سب کچھ معاف فرما دیتا ہے۔

(۲)

گر خطا کردی بگو بد کردہ ام

تا کنم جملہ خطا رامن ثواب

(اگر تو کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کے بارے میں میرے سامنے کہہ دے کہ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اس پر میں تیرے تمام گناہ ختم کر کے ثواب میں بدل دوں گا۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے کہ اگر تجھ سے کبھی کوئی خطا یا گناہ سرزد ہو جائے تو میرے سامنے اپنی زبان سے اس کا اقرار کرلے کہ مجھ سے یہ گناہ ہو گیا ہے۔ یہ تیرا اقرار کرنا ہی گویا ایک طرح کی تیری جانب سے توبہ ہے۔ لہٰذا اس پر میں ایک تو تمہارے ان گناہوں کو بخش دوں گا اور یہی نہیں بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا تاکہ تمہیں ان کا ثواب ملے۔ اس پس منظر میں توبہ کر کے اللہ کی جانب مراجعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ "انسان کی توبہ اور اصلاح کے بعد اللہ تعالیٰ کی توابیت کارفرما ہوتی ہے۔" (۲:۱۶۰)۔ اسی طرح یوں بھی ہے کہ اگر کوئی شخص "اپنی سیئات کو حسنات سے بدل دے تو اسے بھی توبہ کہا جاتا ہے۔" (۲۵:۷۰)

(۳)

کئے حساب آں گداگر دست شاہ

کہ خورد در مطبخ شاہ نان و آب

(بادشاہ اس گداگر سے کبھی باز پرس نہیں کرتا کہ جو گداگر شاہی باورچی خانہ سے روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا ہو)۔

یہاں پر شاہ اور شاہی باورچی خانہ سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کا نعمت خانہ کائنات ہے اور گداگر سے مراد انسان ہے۔ ظاہر ہے انسان سدا اپنے پروردگار اور رب جلیل ہی کے باورچی خانے میں سے کھاتا پیتا ہے۔ اس لیے اگر اس بندہ سے کبھی کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اسے اپنے باورچی سے تو دور نہیں ہٹاتا۔ اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی شان بھی بیان کی گئی ہے۔

(۴)

بندۂ مائی و اندر شرع ما

بندہ ہرچہ کرد من ہستم توّاب

(اے میرے عبد ناداں! تم ہمارے بندے ہو اور یہ امر ہماری شریعت میں ہے کہ ہر چند جو بندہ گناہوں پر توبہ کرلے تو اس کے لیے ہم ہر صورت تواب ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے جو غیر متبدل اصول مستقبل اقدار ہیں وہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی شریعت ہے۔ جیسے انسانوں پر رحم کرنا' انسانوں کو بلا امتیاز رزق بہم پہنچانا' انسانوں کی دعاؤں کو سننا اور انسانوں پر اپنے انعامات نچھاور کرنا' یہ سب اللہ کی شریعت ہیں۔ اسی طرح انسانوں کی توبہ کو بھی قبول کرنا بھی شرع الٰہی میں سے ہے۔ اس لیے جو اللہ کا بندۂ ہے اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے بلکہ قرآن مجید میں تین مقامات پر یوں بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کی طرف لوٹتا ہے ''جو شخص توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ بے شک اسے معاف کر دیتا ہے۔'' (۳۹:۵)

⑤

خصم دامن گیر را راضی کنم
روز حشر از تو دہم بر او ثواب

(اے بندے!) (میں تیرے خصم جو تیرے مقابل دامن گیر ہوگا اسے روز حشر تیرے ثواب والے اعمال دے کر خوش کردوں گا)۔

یہ بھی گویا اللہ تعالیٰ کا قانون اور قاعدہ کہ وہ مظلوم مدعی کی بھی فریاد کو بھی ضرور سنتا ہے۔ قیامت کے دن بندے کے دشمن اس کا دامن تھامے ہوئے ہوں گے کہ جن کے ساتھ وہ ظلم اور زیادتیاں کرتا رہا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ اس روز ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے کر اسے خوش کر دے گا۔ اس حوالے سے کئی احادیث میں بھی مفصل ذکر ملتا ہے۔ مظلوم کو خصم قرار دے کر اس کے مقام اور اہمیت کو زیادہ واضح کیا گیا ہے۔

⑥

در دل شب تاکہ گوئی اے خدا
من ترا بیدار می سازم ز خواب

(ارشاد باری ہوتا ہے کہ اے بندے! میں تمہیں عین رات کے وقت خواب سے بیدار کرتا ہوں تاکہ تو ''اے خدا'' کہہ کر مجھے پکارے)۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ہر شخص کو رات کے وقت گہری نیند میں سے بیدار کرتا ہے تاکہ وہ اگر چاہے تو اپنے پروردگار کو یاد کرے اور اس سے دعا کرے اسی طرح اللہ اپنے ہر بندے کو اس کی گمراہی اور غفلت میں اسے ضرور ایک بار احساس دلا دیتا ہے تاکہ اگر وہ شخص اپنی خوئے بد سے باز آ کر راہ راست پر آنا چاہے تو بخوبی وہ راہ راست پر آجائے۔ اور جو اللہ کی طرف بڑھتا ہے اللہ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ بھی اس پروردگار کا قانون اور قاعدہ ہے۔

(۷)

چوں ترا سلطان گرفت اندر پناہ
غم مخور از ہیچ ملک و انقلاب

(جب سلطان نے تمہیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو پھر تمہیں کسی ملک و انقلاب کا کوئی غم نہیں ہونا چاہیے)۔

وہ کہ جو ملک کا بادشاہ ہے۔ اگر تو اس کی منشا اور مرضی کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہے اور اس نے تجھے اپنی پناہ اور تحفظ میں لے رکھا ہے تو پھر تو گویا اس کی نگاہ میں ہے۔ اسے تمہاری فکر اور پرواہ ہے۔ اس حالت میں تجھے پھر ملک اور اس میں رونما ہونے والے کسی ردو بدل یا کسی انقلاب کا ہرگز غم و اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔ اول تو اس صورت میں کوئی انقلاب نہیں آئے گا اور بفرض محال کوئی انقلابی صورت پیدا ہوئی تو وہ ضرور سنبھال لے گا۔ یہ بندہ اور خالق کی وہ دوستی ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد موجود ہے کہ ''اس دوستی میں ان لوگوں کے لیے (اولیاء کے لیے) کوئی خوف و حزن نہیں ہوتا''۔ (۱۰: ۶۲-۶۴)

(۸)

ما ترا از بسکہ می داریم دوست
دارمت از عشق خود دائم خراب

(ہم نے تمہیں اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ یہ اسی دوستی کا ثمر ہے ہم نے تمہیں اپنے عشق میں دائم تباہ و برباد کر رکھا ہے)۔

دوست بننا یا دوست بنانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ لیکن اس دوستی کی بنیاد عشق ہے اور عشق سدا تقاضا کرتا ہے قربانی کا۔ یہ ایک وادئ پر خار ہے۔ عشق کی گویا اساس ہی یہی ہے کہ اس میں اپنا آپ گنوانا پڑتا ہے۔ مدام ذبح ہونے کے لیے قربان گاہ پر منتظر ذبح رہنا پڑتا ہے۔ عشق کا آئین ہی دوستی کی لازوال بنیاد بنتا ہے۔

⟨۹⟩

از عذابم چند ترسی تو بگو
دوست ہرگز دوست را کردہ عذاب

(بولو تو سہی، تم میرے عذاب سے کب تک ڈرتے رہو گے! کیا دوست اپنے دوست کو بھلا مبتلائے عذاب رکھتا ہے؟)۔

جان لینا چاہیے کہ سچے عاشقوں کے لیے دوست کی دوستی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ انہیں اس دوستی کی کتنی بڑی بھی قربانی یا قیمت دینی پڑے وہ اس کی کبھی پرواہ نہیں کرتے۔ جو سچا عاشق ہوتا ہے اسے تو بڑی سے بڑی قربانی دینے کے بعد بھی یہ احساس رہتا ہے کہ ''حق تو یہ ہے حق ادا نہ ہوا''۔ اسی میں اس کے لیے سکون اور راحت ہوتی ہے۔ لیکن اصل حالت تو یہ ہے کوئی دوست تو اپنے دوست کے لیے عذاب پیدا نہیں کرتا۔

⟨۱۰⟩

تا کہ حسن و ناز باما کم کنی
گاہے گاہے می کنم بر تو عتاب

(تیرے حسن و ناز کے زعم کو کم کرنے کی خاطر اور غرور توڑنے کے لیے ہم کبھی کبھی تم پر اپنا عذاب نازل کرتے رہتے ہیں)۔

حسن و جمال پر ناز، غرور اور تفاخر کرنا بجا سہی لیکن یہ سب جذبے باعث تباہی اور موجب بربادی ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اس طرح کے جذبے کا شکار ہو جائے تو ■ نیست و نابود ہو کر رہ جاتا ہے۔ غرور اور تکبر میں سرکشی مضمر ہوتی ہے اور نظام کائنات میں یہ جذبہ کسی بھی حوالے سے مستحسن نہیں قرار پاتا۔ یہ ایک غیر انسانی روش ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ انسانوں میں اس جذبے کو کم کرنے کی خاطر کبھی کبھار اپنے عتاب کا اظہار بھی فرماتا رہتا ہے۔

۱۱

وقف روئے تست ایں دیدار من
وقف زدہ کردہ ام ایں آفتاب

(میرا دیدار تیرے لیے وقف ہے وہ صرف تیرے ہی لیے ہے گویا میں نے اپنے اس آفتاب کو تجھ ذرّے کے لیے مخصوص کر رکھا ہے)۔

اس شعر میں بھی دو انتہاؤں کا ذکر ہے ایک انتہا نہایت ادنیٰ سا ذرّہ ہے اور دوسری انتہا ایک عظیم الجثہ ستارہ یعنی آفتاب ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ بلحاظ مقام و مرتبہ اور حیثیت کے اعتبار سے بندے اور اس کے پروردگار خدا کی کوئی نسبت ہی نہیں بنتی۔ بندہ اور اس کا خالق اللہ کسی بھی اعتبار سے کسی نسبت میں نہیں آتے۔ لیکن از راہ کرم اور فضل بے پایاں سے اللہ تعالیٰ بندے سے فرمارہا ہے کہ میرا دیدار تمہارے لیے وقف ہے۔ اس ضمن میں قرآن میں ارشاد موجود ہے کہ ''مومنین کو اللہ کا لقاء نصیب ہوگا''۔ (44:33)۔ بندے کو اللہ کا لقاء نصیب ہونا بھی ذرے کی خاطر آفتاب کا وقف ہونا ہے۔ اس میں ظاہری طو پر بھی انسانی حیثیت اور مقام خداوندی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ بہرصورت یہ ساری صورت حال انسان کے لیے ایک نہایت عظیم الشان مقام ہے۔

۱۲

تو ز دوزخ ترسی و دوزخ ز من
بس مکن از ترس دوزخ اضطراب

(تو دوزخ سے ڈرتا ہے اور دوزخ مجھ سے ڈرتا ہے۔ اس لیے تم اس دوزخ سے مضطرب ہو کر ہرگز نہ ڈرا کرو)

پروردگار کی بنائی ہوئی ہر شے اس کے قانون اور قاعدے کے تابع ہے اور وہ ذرہ بھر سرکشی اور بغاوت کی مرتکب نہیں ہوتی۔ اسی طرح جنت اور جہنم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان کے تابع ہیں بلکہ دوزخ تو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے' شاید اسی لیے وہ بھوکا بھی ہے۔ بندہ جو اللہ تعالیٰ سے سدا دوزخ سے پناہ مانگتا رہتا ہے وہ دوزخ اللہ سے ڈرتا ہے۔ اس لیے بندہ کو

چاہیے کہ وہ دوزخ سے نہ ڈرے بلکہ اپنے اللہ سے ڈرے کہ جس سے سب ڈرتے ہیں۔

(۱۳)

در جہنم گر گر روی' من گویمش
تاز تو نے سیخ سوزد نے کباب

(اگر تو بفرض محال دوزخ میں چلا بھی گیا' تو میں اس جہنم کو حکم دوں گا کہ وہ تجھے نہ جلائے۔ نہ وہ تجھے اندر سے جلائے اور نہ کباب کی طرح باہر سے جلائے)۔

اس شعر میں بھی وہی فلسفہ بیان کیا گیا ہے کہ جہنم اپنی تمام تر تپش اور دردناک آگ کی لپٹوں سمیت اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ جہنم چاہے کتنا بھی بڑا اور کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو لیکن وہ خود بخود کسی کو نہیں جلائے گا اور نہ وہ اپنی ہی مرضی سے لوگوں کو اپنا ایندھن بناتا رہے گا۔ وہ اللہ کے حکم کے تابع ہوگا۔ جس طرح نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ اللہ کے تابع تھی ۔ قرآن مجید میں ارشاد موجود ہے کہ "کافروں نے (حضرت) ابراہیم u کو آگ میں ڈال دیا۔ ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر بے حرارت (بارد) ہو جا اور اس کے لیے سلامتی بن جا۔" (۶۹:۲۱)

(۱۴)

من کنم آمین' دعاہائے ترا
من دعا ہائے تو سازم مستجاب

(اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے کہ میں خود تیری دعاؤں پر آمین کہتا ہوں تاکہ میں تیری دعاؤں کو قبولیت بخشوں)۔

بندے کی اپنے پروردگار سے التجا' استدعا' درخواست اور طلب کرنے کی ادا کو دعا کہا جاتا ہے۔ بندہ یہ مانگتا ہی اس سے ہے کہ جو دعاؤں کو قبول کرنے کا مجاز اور سزاوار ہے۔ بعض حوالوں سے بندے کا دعا مانگنا بھی عبادت ہے۔ اس پس منظر میں بندہ حق جب اللہ سے دعا مانگتا ہے تو اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ خود آمین کہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا آمین کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ بندے کی دعاؤں کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی بندے پر بے

انتہا شفقت اور رحیمی ہے اور دعا کرنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں ارشاد باری ہے کہ ''اے رسول! ان سے کہہ دیجئے کہ اپنے اللہ سے دعا کرو۔ اس سے اللہ کہہ کر دعا کرو یا رحمٰن کہہ کر یا کسی بھی نام سے''۔ (۱۷:۱۱۰)

(۱۵)

محی را اندم کہ آمرزیدہ ام

ہیچ موجودے نبود از ہیچ باب

(محی الدین کو میں نے اس وقت سے بخش رکھا ہے کہ جب ابھی کائنات کی کوئی چیز بھی موجود نہیں تھی)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو اس وقت سے بخش رکھا ہے کہ جب ابھی انسان پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ غالباً یوم الست کی جانب اشارہ ہے کہ جب سب ارواح نے اللہ تعالیٰ کے اس سوال پر کہ ''الست بربکم'' (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو اس وقت روحوں نے برملا اور بعجز و انکسار اقرار کیا تھا ''بلیٰ'' (یعنی کیوں نہیں' تو ہی ہمارا رب ہے)۔ وہی دن روز میثاق یعنی پروردگار کی الوہیت پر قول وقرار کا دن بھی ہے۔ اسی روز اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو ان کی روحوں ہی کے حوالے سے بخش دیا تھا۔

## غزل ۸

(۱)

از جمال لایزالی برنداری گر نقاب

عاشقان لاابالی را بماند دل کباب

(اے پروردگا! اگر تو نے اپنے لایزالی حسن و جمال پر سے نقاب نہ ہٹایا تو لاابالی قسم کے تیرے عاشقوں کے دل جل جل کر کباب ہو جائیں گے)۔

جمال حق کے بارے میں یہ عاشقان حق کی سدا آرزو اور طلب رہی ہے کہ وہ ظاہر ہو کر رہے۔ ایک عاشق حق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کی جب شدت کے ساتھ طلب کی تو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ لیکن جب اپنی قوم کی ضد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طلب عروج پر پہنچی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک تجلی دکھائی جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے اور پہاڑ کا کچھ حصہ جل گیا اور قوم موسیٰ علیہ السلام کے کئی افراد بھی اس آگ سے جل گئے۔ اس شعر میں جمال لایزالی اور عاشقان لا ابالی کی غنائی مدت فال بھی بڑی حسین ہے۔

(۲)

صدر جنت گر بود ' بے دست در قعر جحیم
خیمہ ہائے عاشقاں بینی طناب اندر طناب

(اگر جنت کا صدر یا میر بے دست ہو کر جحیم کے گہرے ترین طبقے میں بھی چلا جائے تو جو سچے اور صادق عاشق ہیں وہ وہاں پر بھی طناب اندر طناب اپنے خیمے گاڑ دیں گے)۔

جنت کا جو مالک ہے' یا وہ جو جنت کا صدر اور میر ہے یہ تہیہ کر لے کہ اس نے اپنا ٹھکانا جہنم کا وہ طبقہ کہ جو بہت گہرا ہے اور جس میں نہایت شدید جلانے والی آگ تہہ بہ تہہ چڑھی ہوئی ہے اسے بنانا ہے تو جو صادق اور صحیح معنوں میں عاشق ہیں' وہ آگ سے خائف نہیں ہوں گے۔ بلکہ وہ سارے عاشق خوشی خوشی اور کشاں کشاں اس جہنم میں بھی خیمے گاڑ کر ان کی طنابیں کس دیں گے۔ انہیں اس سے سروکار نہیں ہوگا کہ عاشق کی خاطر انہیں کس آگ یا جہنم میں ٹھکانا کرنا پڑ رہا ہے۔

(۳)

قاصرات الطرف عین باشد حوران بہشت
ہر کہ شد کوتہ نظر گو سوئے ایشاں می شتاب

(حشر میں وہ لوگ جو کوتاہ نظر یعنی کم ظرف ہوں گے وہ تو سب کچھ چھوڑ کر امن وسکون کی خاطر محفوظ نگاہوں والی حوروں کی جانب جانے کے لیے جلدی کریں گے)۔

اکثر دیکھا یہ گیا ہے انسان کی ساری عبادت ایک جانب دوزخ سے پناہ کی خاطر اور دوسری جانب حصول جنت ہی کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کے عمومی رویے اور رجحان

یہی ہیں جن کی جانب اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ''قاصرات الطرف'' جنت کی حسین ترین حوروں کی نمائندگی کرنے والی وہ پاکیزہ عورتیں ہیں جو باحیا اور محفوظ نگاہوں والی ہوں گی جن کے بارے میں سورہ الرحمٰن میں بتایا گیا ہے' عام لوگ انہیں کے لیے بے تاب ہوں گے۔ لیکن یہ مرد لوگوں کا شیوہ نہیں ہوگا یہ تو کوتاہ نظر کم ظرف لوگوں کی روش ہوگی۔

(۴)

عاشقاں نے حور خواہند نے بہشت از بہر آن

فارغ اند از کتخدائی خانماں کردہ خراب

(وہ جو دراصل اللہ کے چاہنے والے ہیں انہیں نہ جنت کی خواہش ہوگی اور نہ حوروں کی طلب۔ وہ شادی بیاہ سے بے نیاز ہو کر خانہ خراب قسم کے رہیں گے)۔

جنت اور جنت کے اندر کی گوناں گوں نعمتوں جن میں انسان کی موانست کے لیے حوریں بھی ہوں گی۔ ان کی طلب و آرزو صرف مادی دنیا کے مادہ پرست لوگ ہی کریں گے۔

لیکن ان کے برخلاف وہ لوگ جو اللہ کے عاشق ہوں گے ان کی نظر میں جنت اور اس کے اندر کی ساری خوب صورتیاں' رعنائیاں اور حوروں کی دلربائیاں کوئی معنی اور حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ عاشقان صدق و صفا صرف اللہ ہی کی طلب کرنے والے ہوں گے۔ ان سچے عاشقوں کی یہ حالت عامی لوگوں کے سامنے خانماں خراب لوگوں کی سی ہوگی۔

(۵)

پردہ محشر بدرند عاشقاں چوں از لحد

سر برآرند بادل پر آتش و چشم پر آب

(اپنے پروردگار کے عاشق جب پردہ محشر میں اپنی قبروں سے باہر آئیں گے تو ان کے دل آگ سے بھرے ہوئے ہوں گے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوں گی)۔

اللہ کے عاشقوں کی محشر کے دن یہ کیفیت ہوگی کہ وہ جب اپنی قبروں میں سے باہر نکلیں گے تو انہیں کوئی کسی طرح کا خوف اور خطرہ نہیں ہوگا۔ انہیں دوزخ کی بھی فکر نہیں ہوگی اور نہ وہ نار جہنم سے پریشان ہوں گے۔ وہ تو چونکہ پہلے ہی دیدار حق کی طلب میں سوختہ جاں

ہو چکے ہوں گے۔ ان کے دلوں کے اندر آگ ہی آگ ہوگی اور ان کی آنکھیں بھی گویا آگ سے اُبل رہی ہوں گی۔

(۶)

بادل مجروح می گریند و می گویند کو ؟

آنکہ کردہ وعدۂ دیدار خود روز حساب

(اے ہم نفسو! ہم اپنے دل مجروح کے ساتھ روئیں گے اور یہ پکاریں گے کہ کہاں ہے وہ کہ جس نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ قیامت میں ہمیں اپنا دیدار دے گا)۔

عاشقانِ حق حساب کتاب کے دن لقائے ربی کی تڑپ اور طلب میں زخمی دل کے ساتھ رو رہے ہوں گے اور پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارے قلب ونظر کا سکون اور ہماری آرزوؤں اور طلب کا وہ مطمع نظر کہاں ہے کہ جس نے ہمارے ساتھ اپنے دیدار کا وعدہ کر رکھا تھا' ہم نے جس کے انتظار میں بے پناہ کٹھن زمانے گزارے ہیں اب وہ ہم سے ابھی تک پوشیدہ کیوں ہے؟

(۷)

بے تماشائے جمالت محی گوید روز حشر

در صف بیگانگاں "یالیتنی کنت تراب"

(محی الدین! حشر کے روز ناواقف اور بیگانوں کی صف میں ہم تیرے جمال کا دیدار کرنے میں ناکام رہنے کی صورت میں پکاریں گے کہ "یالیتنی کنت تراب" اے کاش آج میں مٹی کا ہوتا")۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ انسان اس دنیائے فانی میں مصروف سفر ہے۔ ماں کی کوکھ سے لے کر موت کی آغوش تک مسلسل سفر' سفر در سفر' اصل منزل کی طرف سفر' اسی منزل کی طرف سب نے پہنچنا ہے اور سب کی خواہش اور طلب حق تعالیٰ کا دیدار ہے۔ لیکن اگر روز قیامت عاشقانِ حق اپنے پروردگار کے جمال سے محروم رہے تو وہ پکاریں گے کہ اے کاش ہم مٹی کے ہوتے۔

قرآن مجید میں ''یالیتنی کنت تراب'' بحوالہ کفار آیا ہے کہ ''کافر اپنی بدعملیوں کے شدید احساس میں ڈوب کر کہے گا کہ) اے کاش میں (اس روز عذاب دیکھنے سے پہلے ہی) مٹی ہو جاتا۔'' (۷۸:۴۰)۔

## ردیف۔تا

### غزل

(۱)

گر تماشائے جمال حق نباشد در بہشت
برکنند ستان حضرت قصرہا را خشت خشت

(اگر جنت میں عاشقان مست کو جمال حق نہ دکھائی دیا تو وہ بہشت کے قصور اور محلات کے در و دیوار کو اینٹ اینٹ کر دیں گے)۔

اس دنیا جہاں میں اللہ تعالیٰ کے جو سچے عاشق ہیں وہ ہر طرح کے مصائب' مشکلات اور محبوب سے جدائی کے صدمے اور ہجر و فراق کے مہ و سال گزارتے ہیں۔ انہیں دنیاوی لذات اور آسائشوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ دنیا کے کسی عہدے یا منصب کی بھی کوئی آرزو اور طلب نہیں کرتے۔ وہ ان سب سے ماورئی ہو کر آخرت کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور اس دنیا اور دنیاوی زندگی کو وہ پرکار کی حیثیت بھی نہیں دیتے۔ ان کی مدام آخرت پر نظر ہوتی ہے کہ کب قیامت ہو اور لقائے الٰہی کا وعدہ پورا ہو وہ عاشقان حق چونکہ پہلے تو قیامت کا انتظار کرتے تھے۔ قیامت آئی اور انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بہشت عطا فرما دیا اور بہشت میں لقائے حق کا وعدہ ہے۔ اس لیے اب وہ مزید انتظار اور توقف کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر انہیں اور انتظار کرنا پڑا تو وہ جنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ یہ ان لوگوں کی عدم یقینی کی صورت نہیں ہے بلکہ یہ تو سراسر ان کی بے تابی کی کیفیت ہے۔

﴿۲﴾

حق تعالیٰ چوں دہد بر بندگاں جام طہور
کاسہ بستانیم وبا آں کاسہ دہ خوانیم ہشت

(جب حق تعالیٰ اپنے بندگان حق کو جام طہور سے نوازیں گے تو اس وقت ہم جام پر جام چڑھا رہے ہوں گے۔ مستی میں ہم دس جاموں کو آٹھ جام کہیں گے)۔

اہل جنت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب طہور عطا فرمانے کا وعدہ فرما رکھا ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو مشروبات جنت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملیں گے وہ خوش ذائقہ' خوش رنگ' خوش باس اور لذیذ بھی ہوں گے۔ ان سے انسان میں تکدر یا تلون پیدا نہیں ہوگا۔ مومنوں کو بلوریں جاموں میں اور دستے والے کاسوں میں شراب طور ملے گی۔ گویا ان سے انسان کی ہر طرح کی پیاس بجھے گی اور جمالیاتی تسکین بھی ہوگی وہ پاک شراب کے جام ہوں گے ان سے انسان کو بے بس کر دینے والا خمار نہیں پیدا ہوگا' بلکہ ایک خاص قسم کی باہوش مستی اور سرمستی ہوگی یہ اس سرمستی ہی کا نتیجہ ہوگا کہ عاشقان حق زیادہ سے زیادہ جام نوش کرنے کی خاطر سرمستی میں بھی اس قدر انہیں ہوش اور ادراک ہوگا کہ وہ گنتی میں دس کو آٹھ کہیں گے تاکہ انہیں اس غلط گنتی کے باعث زیادہ جام میسر آسکیں۔

﴿۳﴾

بر درخت دل امید وصل تو کردیم نقش
در دو عالم غیر ازیں مارا نباشد ہیچ کشت

(ہم نے اپنے دل کے درخت پر تیرے وصال کی آس امید کو نقش کر رکھا ہے۔ ہمارا نخل جاں تیرے ہی ذکر سے ہے۔ دونوں جہاں میں اس کے سوا ہماری امید اور کوئی کھیتی نہیں ہے)۔

عام طور پر نقش کالشجر یعنی وہ نقش جو کسی درخت کے تنے پر اس کی چھال کاٹ اور کرید کر لکھا جاتا۔ وہ مدت تک برقرار رہتا ہے اسی لیے اللہ کا سچا عاشق کہتا ہے کہ اس نے اپنے دل

کے درخت پر امید وصل حق کو پختہ تر انداز میں نقش کر رکھا ہے اب وہ ایک مستقل تحریر بن چکی ہے۔ اس طرح بندہ اس امید سے ایک لحظہ کے لیے بھی غافل اور نا امید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ نقش دل کے درخت میں گہرائی تک منقش ہو چکے ہیں اور پھر دل کا درخت اور کھیتی سب نباتاتی اور زرعی سی علامتیں ہیں اور انہیں امید کی نظر اور آس کی قدر سے دیکھا گیا ہے۔ اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ دل کے درخت میں گہرائی پر جو امید کے نقش بوئے گئے ہیں وہی پھوٹیں گے اور اس کے بعد اس سے کھیتی بنے گی۔ دونوں عالم میں اس کے بغیر ہماری اور کوئی کھیتی نہیں ہے۔ یعنی امید کے بیج بوئے ہوئے ہیں وہ کھیتی پروان چڑھے گی۔

(۴)

یک سر موئے نباشد خالی از سودائے دوست

در سر ایں سوداست مارا تانباسد سرنوشت

(دوست کے عشق اور سودا سے ہمارے جسم کا ایک بال بھی خالی نہیں ہے۔ گویا ہماری سرنوشت ہی میں ازل سے ہی عشق اور سودا لکھا ہوا ہے۔)

دوست کے عشق میں ہم سرتاپا جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے جسم کا ایک ایک بال اور ایک ایک رواں عشق دوست سے معمور ہے، عشق کے سودا اور دیوانگی سے بھرا ہوا ہے۔ عشق اور سودا ہماری قسمت میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے ہم بے بس ہیں۔ عشق الٰہی ہمارے بال بال اور روئیں روئیں میں سمایا ہوا ہے۔ اب تو عشق ہی ہمارا اوڑھنا اور بچھونا بنا ہوا ہے۔ عشق کے باعث ہمارا رواں رواں اور بال بال سودا سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ساری دیوانگی اور وارفتگی اس عشق ہی کی بدولت ہے۔ یہ کوئی آج کی اور نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو شروع دن ہی سے کاتب تقدیر نے لکھ دیا تھا جس کے باعث ہم سدا سدا کے اور ازل ہی سے عشق کے سودائی ہیں۔

(۵)

آنکہ شد سر رشتۂ بخت ہمہ در قبل ہست

تاگلیم بخت مارا از کدامی نیک و زشت

(ہر ایک کے بخت کے بارے میں پہلے ہی دن سے لکھا جا چکا ہے۔ میں پھر اس

صورت میں حیران ہوں کہ ہمارے بخت کے کمبل میں نیکی یا برائی کہاں سے آئی)۔

دینی حوالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر شخص کے مقدر اور تقدیر کو شروع دن ہی سے مقرر فرما رکھا ہے اور اللہ کے ایسے قوانین اس کائنات میں کارفرما ہیں کہ اشیائے کائنات ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ان قوانین قدرت کے اندر ہی زندگی کسی طرح کی خلاف ورزی کے بغیر گزار رہی ہیں۔ گویا انسان بھی انھی قوانین کے اندر ہی زندگی بسر کرتا ہے اور یوں ہر شخص کو اس کا مقدر ملتا رہتا ہے۔ اس شعر میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان اپنے ارادے اور خواہش سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ جو کچھ اس انسان کے ذریعے سرزد ہوتا رہتا ہے " عین تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ پھر ایسی صورت میں ہمارے نصیب کے کمبل کی سیاہی یا سفیدی، اچھائی یا برائی ہماری مرضی سے نہیں ہے۔ یہ سب ازنوشتہ تقدیر ہے۔

(۶)

تا نہ بینم دوست را ایں حُلّہ پوشم سیاہ

از میان حُلہ ہائے رنگ رنگ اندر بہشت

(جب تک جنت میں میں اپنے محبوب دوست کو نہیں دیکھوں گا۔ جنت کے رنگا رنگ ملبوسات میں سے صرف سیاہ رنگ ہی کو پہنے رکھوں گا کہ یہی میرے حسب حال ہوگا)۔

جنت کی رنگینیاں رنگوں اور خوشبوؤں سے معمور ہوں گی۔ کسی دنیاوی رنگت کو جنت کی رنگینی کے مماثل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ جنت کا ہر رنگ اور رنگینی اپنی مثال آپ ہی ہوگی۔ اگرچہ جنت میں ہر طرف جنت کی رنگینیوں کی فراوانی اور ہر طرح کا رنگ نیارا اور خاص طور پر ممتاز ہوگا۔ لیکن اللہ کے سچے عاشقوں کو جنت کی رنگینیوں اور رنگ پاشیوں سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اس لیے حق کے طلب گاروں کو جب تک ان کے محبوب کی جھلک نہیں دکھائی دے گی۔ وہ سیاہ ماتمی اور افسردگی ہی کا رنگ اختیار کیے رکھیں گے۔ ویسے بھی سیاہ رنگ بدنصیبی، محرومی، ہجر وفراق، اندوہ غم اور ناخوشی کی غمازی کرتا ہے۔ اس لیے جب تک عاشقوں کو ان کا سچا محبوب حقیقی دکھائی نہیں دے گا۔ وہ اپنے آپ کو کسی خوشی کے لائق نہیں سمجھیں گے بلکہ غمی ہی کو اختیار کیے رکھیں گے۔

(۷)

از سجودیت مرا کافر مگو دیوانہ ام
سجدہ می کردم ندانستم کہ کعبہ ست یا کنشت

(میں اپنے محبوب کو سجدہ کرتا ہوں' مجھے کافر نہ کہو' میں تو دیوانہ ہوں۔ میں تو اسی دیوانگی' وارفتگی اور نادانستگی کی حالت میں کعبہ اور بت خانے کی تمیز سے بھی عاری ہو چکا ہوں)۔

جس کو سجدہ کیا جاتا ہے وہی سب سے اعلیٰ' بڑا اور لائق عبادت ہوتا ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ عشق کی وارفتگی میں' میں اپنے پیارے محبوب ہی کو سجدہ کررہا ہوں۔ اگرچہ یہ ایک شرکانہ اور کافرانہ عمل ہے۔ لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ عشق کی مستی میں' میں سب کچھ بھول چکا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ مجھے کعبہ اور بت خانے کی بھی تمیز باقی نہیں رہی۔ یعنی ایک مرکز تجلیات الٰہی ہے اور دوسرا مقام سراسر کفر و شرک کا منبع ہے۔

(۸)

چوں رود از پیش چشم عاشقاں مجنوں دوست
زانکہ از لاعقلی مجنوں نداند خوب و زشت

(اے لوگو! ذرا بتاؤ تو سہی! وہ جو محبوب حقیقی کا دیوانہ ہے وہ دوسرے عاشقوں کی نظر کے سامنے سے کیسے گزرے گا' جبکہ اسے تو اپنے جنون کے باعث اچھے یا برے کی تمیز ہی نہیں ہے)۔

جو اپنے خالق حقیقی یعنی اپنے اصل اور سچے مالک کا دیوانہ اور عاشق ہو جاتا ہے ■ پھر دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اسے دنیاوی عشاق کے آداب و قربانیوں کی نہ تو خبر رہتی ہے اور نہ ہی وہ کسی تعظیمی آئین کا پابند رہتا ہے۔ اسے ہرگز اس امر کا لحاظ نہیں رہتا کہ کیا درست ہے اور کیا درست نہیں۔ بات چیت کس طرح کرنی ہے۔ دنیا میں زندگی کس طرح سے بسر کرنی ہے۔ اس پر جنوں کا رنگ اور غلبہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ جنوں کی حالت میں کسی آئین' کسی دستور' کسی ادب آداب کا پابند نہیں رہتا ہے۔ اسے تو اپنی اور اپنی راہ کی بھی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

(۹)

کے مشامِ جانِ مشتاقان معطر می شود
گر نباشد بوئے او در جنت عنبر سرشت

(اگر خوشبوؤں بھری جنت میں میرے محبوب کی دلربا خوشبو نہ ہوئی' تو پھر ہم عاشقوں کا دل ودماغ کس طرح سے معطر ومعنبر ہوگا)۔

جنت کے بوقلموں رنگوں اور بے پناہ خوشبوؤں کا ذکر جنت کے ساتھ ساتھ بہت رہتا ہے۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ انسان رنگوں اور خوشبوؤں کا گرویدہ رہتا ہے۔ اس حوالے سے بتایا گیا ہے کہ جنت میں درختوں' پتوں' ٹہنیوں' پھولوں اور پھلوں کی ہر طرح کی خوشبوئیں ہوں گی۔ یہ خوشبوئیں ہزاروں میلوں تک پھیلی ہوں گی۔ عاشق حق کہتا ہے کہ اگر ان خوشبوؤں میں محبوب حقیقی کی خوشبو نہ ہوئی تو عاشقان حق اور مشتاقان دیدار کے دل و دماغ کس طرح خوشبوؤں سے معطرومعنبر ہوسکیں گے۔

(۱۰)

محیؔ می گفت آہ من چارہ چہ سازم' چہ کنم
دل برفتہ در بلائے عشق او' جاں را بہشت

(محی الدین کہتا ہے کہ آہ! میں کیا علاج کروں کیا چارہ کروں' کیا کروں۔ میرا دل تو اس کے عشق کی بلا میں جاچکا ہے۔ لیکن جان کو بہشت کی طلب ہے)۔

اگرچہ خرد والوں کی دنیا میں دل اور جان میں بڑا رابطہ اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پر جسم و جان' دل کے تابع نہیں ہیں اور دونوں میں ہم آہنگی اور رابطہ بھی نہیں ہے۔ دل تو وادیٔ عشق میں پرواز کناں ہے اور اسے اسی وادی میں صبر' سکون اور قرار ہے۔ لیکن جسم و جان جو مادی طلب کے پروردہ ہیں وہ جنت کی مادی خوشیوں کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا دل کس اور طلب میں ہے اور جان کسی اور طلب کی متلاشی ہے۔ اس میں شک وشبہ نہیں کہ روحانی سکون کے لیے روحانی غذا ہوتی ہے اور مادی اطمینان کی مادی غذا ہوتی ہے۔ مادے کو روح اور روح کو مادہ سکون نہیں دے سکتا۔ مادے کے لیے مادہ ہے اور روح کے لیے روحانی

دنیا ہے۔

## غزل ۱۰

(۱)

سی صد و شصت نظر راتبۂ بندہ راست
بندہ را مرتبہ بنگر ز کجا تا بہ کجا ست

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے پر ہر روز تین سو ساٹھ بار نظر ڈالتا ہوں۔ اس بات سے اندازہ لگاؤ کہ میرا بندہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس پر اپنی بے پناہ نوازشات اور عنایات نچھاور کی ہیں۔ اسی انسان پر ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرمایا ہے جو اس ساری کائنات کا آئین حق ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ نے وحی حق کا اتباع کرنا ضروری قرار دیا تاکہ وہ اپنے حیوانی جذبات کا وحی کے مطابق استعمال کر سکے۔ اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت بھی بخشی کہ اسے ایک خدا کا محکوم بنا کر ساری دنیا کا حاکم بنا دیا۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں یوں ارشاد موجود ہے کہ" ہم نے انسان کو اس کائنات ہستی میں بے انتہا عزت و منزلت عطا کر دی"۔ (۱۷:۷۰)' اور پھر" سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہوگا جو قوانین خداوندی کا پابند ہوگا"۔ (۴۹:۱۳)۔ یہ وہی شان بندگی ہے جس کی جانب شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نظر کرم فرماتا رہتا ہے۔

(۲)

بے وفائی مکن و از در ما دور مشو
زانکہ مارا ز ازل تا بہ ابد با تو صفات

(فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندے تو ہم سے بے وفائی نہ کر اور ہمارے در سے دور نہ ہو کیونکہ ہمیں تو تمہارے ساتھ ازل سے لے کر ابد تک کا تعلق خاطر ہے)۔

پروردگار فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! میں نے اس پوری کائنات کو تیرے تابع بنا

کر رکھا ہے۔ تجھے بہت بڑا مقام و مرتبہ دے دیا ہے۔ اس صورت میں تجھے یہ زیبا نہیں ہے کہ تو ہم سے بے وفائی کرے اور ہمارے در سے دور رہے۔ اللہ تعالیٰ تو بندے کو اپنی راہ پر آنے اور اپنی اتباع کی دعوت دیتا ہے۔ کیونکہ بندے کے لیے اللہ کی راہ آسان بھی ہے اور مفید بھی۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "جو اللہ کی طرف سے دی ہوئی راہنمائی کا اتباع کرے گا وہ گمراہ ہوگا نہ مشقتوں میں پڑے گا۔" (122:20) اللہ اور بندے کا یہ تعلق اور رشتہ ازل سے ابد تک کا ہے۔ بندہ اس دور جا سکتا ہی نہیں ہے۔

(۳)

روئے ناشستہ چرکیں شدہ از چرک گناہ
آب گرمے کہ ازو شستہ شود رحمت ماست

(چونکہ تیرا نہ دھلا ہوا چہرہ گناہوں کے میل سے اور بھی میلا ہو چکا ہے۔ اسی لیے اسے گرم پانی سے دھویا جاتا ہے۔ یہی دراصل ہماری رحمت اور حکمت ہے)۔

اس میں شک نہیں کہ گناہوں کا میل انسانی چہروں کے اس حسن و جمال اور اس نور کو دبا لیتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ چہرہ ہی تو انسانی باطن کا آئینہ دار ہوتا ہے چونکہ یہ عصیاں اور گناہوں کی تاریکی اور میل کچیل سے بھرا ہوا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کو گرم پانی سے دھو دھو کر صاف اور اجلا کیا جائے تاکہ نورانی چہرہ واضح ہو اور وہ نور حق کی کشش کا موجب بن سکے۔

(۴)

ہم بدست تو دہم نامہ تو روز حساب
تانداند کسے دیگر کہ دریں نامہ چہاست

(ہم روز حساب تیرا نامہ اعمال صرف تیرے ہی ہاتھ ہی میں دیں گے تاکہ کسی دوسرے کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ تیرے نامہ اعمال میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال اس ہی کے ہاتھ میں دے گا۔ اس ضمن میں یوں بھی ارشاد موجود ہے کہ "ہر ایک کا اعمال نامہ اس کی گردن میں

لٹک رہا ہے۔ قیامت میں وہ کھل کر سامنے آجائے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھ اور فیصلہ خود آپ ہی کر۔" (۱۷:۱۳۔۱۴)' (۷۵:۱۳۔۱۵) اس شعر میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے اپنے ہی ہاتھ میں دے گا۔ اس کو وہ خود بخوبی اور باآسانی پڑھ سکے گا۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوائی سے بچا رہا ہے۔ اس کے اعمال صرف اس پر ہی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صورت میں ستار بھی ہے اور پردہ داری کو ملحوظ رکھتا ہے۔

⑤

یک نکوئی ترا دہ بدھم در دنیا

باز در آخرت آں ہفصدو ہفتاد تراست

(فرمان الٰہی ہے کہ ہم تیری ایک نیکی کے بدلے میں دنیا میں دس نیکیاں دیں گے اور پھر آخرت میں ان نیکیوں کے بدلے میں تجھے سات سو ستر نیکیاں دیں گے)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انسان کو اس کی نیکیوں یعنی اعمال کا صلہ اور بدلہ اس دنیا میں بھی کئی گنا یعنی دس گنا دیتا ہے۔ یہ اللہ کا نظام اور دستور ہے کہ وہ حسنات میں برکت پیدا کر کے انہیں بہت بڑھاتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حسنات کا بہت بہتر بدلہ دیتا ہے بلکہ بحوالہ قرآن مجید بھی "اللہ کے نزدیک ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہے"۔ (۶:۱۶۱) اور پھر اس دنیاوی بدلے کے علاوہ آخرت میں دنیا کی ایک نیکی کے بدلے میں سات سو ستر نیکیاں ملیں گی۔ گویا نیکی کی مثال ایک بیج بونے کی سی ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک بڑا درخت بن جاتا ہے۔

⑥

گر بدی از تو برآید بہ کرم عفو کنم

ایں چنیں لطف و کرم غیر من اے بندہ کراست

(اگر تم سے کوئی برائی یا گناہ سرزد ہو جائے گا تو میں اسے اپنے عفو و کرم سے معاف کر دوں گا۔ اے میرے بندے! ایسا لطف و کرم کسی دوسرے سے کیا تجھے مل سکتا ہے)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ عفو و کرم کرنے والا ہے اور اس میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں

ہے کہ اللہ سب سے زیادہ عفو وکریم سے کام لیتا ہے۔ اسی حوالے سے قرآن مجید میں بھی آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ بہت سی باتوں پر عفو سے کام لیتا ہے" (۲۶:۹) یوں اللہ عفو قدیر اپنے بندے کے کئی گناہوں سے درگزر کرتا رہتا ہے اور اسے قدرت عفو غفور سے معاف کرتا رہتا ہے۔ کیا اس دنیا میں کوئی اور اس طرح کے لطف و کرم کر سکتا ہے۔

⟨۷⟩

نار دوزخ چہ کند باتو چرا ترسی آزو

ظاہر و باطن تو چوں ہمہ از نور خداست

(اے میرے بندے! نار جہنم تم سے کیا سلوک کرے گی۔ اس سے تم کیوں ڈرتے ہو! تیرا ظاہر اور باطن تو دونوں خدا کے نور کے مرہون منت ہیں)۔

اے میرے بندے تجھے دوزخ کی آگ اور اس کی الم ناکیوں سے ڈرنے اور گھبرانے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں اس کی بھی فکر اور اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ آگ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے۔ وہ ٹھنڈی ہو جائے گی یا اپنی تپش کے ساتھ برقرار رہے گی۔ سچے عاشق جو اپنا سب کچھ ظاہر اور باطن اپنے پروردگار کے سپرد کر دیتے ہیں تو ان سب پر نور حق ہی چمکتا ہے اور یہ جان لینا چاہیے کہ نار جہنم کی نور الٰہی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ کی وابستگی سے نار بھی نور میں بدل جاتی ہے۔

⟨۸⟩

ہرچہ خواہی بطلب تو زمن و شرم مدار

برمن اے بندہ اجابت بود و برتو دعاست

(اے میرے بندے! تجھے جو کچھ بھی چاہیے وہ مجھ سے طلب کرو' اس طلب میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ اے میرے بندے! تیرا کام تو صرف بس دعا مانگنا ہے اور پھر اسے قبول کرنا میرا کام ہے)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی خاص مہربانی اور توجہ کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ مدام اس کی احتیاجات کماحقہٗ پورا فرماتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا' روشنی' پانی' گرمی

سردی اور روزی سب بندے کے لیے اپنے اوپر فرض کر رکھی ہیں اور وہ ان کی بہم رسانی سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں اگر کوئی بندہ اپنے پروردگار کو نہ پکارے۔ اس سے دعا نہ کرے تو یہ بھی کفرانِ نعمت ہے۔ اس حوالے سے پروردگار کو ہر معاملے میں یاد رکھنے اور اس سے دعا کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ جب بندہ پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہے۔ اس لیے بندے پر واجب ہے کہ خدا سے دعا کرتا رہے۔ اسے قبول فرمانا اللہ کا کام ہے۔

﴿۹﴾

تو زمن ہیزم و شیر و نمک و دیگ بخواہ

من وکیل توام از من بطلب ہرچہ سزاست

(اے میرے بندے! تو مجھ سے ایندھن' دودھ' نمک اور پکانے کا ظرف دیگ وغیرہ اور جس شے کی طلب ہے مانگ۔ میں تو تیرے رزق و روزی کا ضامن ہوں۔ تجھے جو چاہے مجھی سے طلب کر)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام چھوٹی بڑی ضروریات کو پورا فرماتا ہے' اگرچہ وہ پروردگار اور رب کائنات سب کو بہت بے طلب بھی بڑی فراوانی کے ساتھ دیتا چلا جاتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اللہ تعالیٰ کے دینے اور ودیعت کرنے کے اس نظام میں اپنا دستِ طلب دراز کرتا رہے تاکہ وہ بندۂ غیر اللہ کی جانب مائل ہونے سے بچا رہے اور کفر و جحود کا شکار نہ ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومن تو اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ حاجت اور طلب کے لیے اپنے پروردگار کو پکارتا رہتا ہے اور یہ بھی ہے کہ بندے کا اللہ سے دعا کرنا بھی عبادت کرنا ہی ہوتا ہے گویا وہ مدام عبادت میں مصروف رہتا ہے۔

﴿۱۰﴾

من عطا کردہ ام ایمان' عطا کردۂ خویش

کئے ستانم زگدائے کہ برو صدقہ رواست

(میں نے تمہیں ایمان عطا کیا ہے۔ کیا یہ کوئی معمولی دولت ہے! اور یہ ایک حقیقت

ہے کہ کوئی بھی گداگر کو دیا ہوا صدقہ واپس نہیں لیا کرتا۔ جو صدقہ دیتا ہے وہ صدقہ لیتا نہیں)۔
اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندے کو ایمان کی عظیم نعمت اور دولت عطا کر رکھی ہے۔ ایمان میں سراسر اطمینان قلب' یقین اور اعتماد کی فراوانی ہوتی ہے' اس میں انسان اعتماد اور اطاعت کی دولت سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا قانون و قاعدہ ہے کہ وہ خود بخود کسی کو دی ہوئی نعمت یا دولت واپس نہیں لیتا۔ انسان تو ویسے بھی محتاج اور فقیر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ وہ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں' اسے کسی سے کوئی حاجت یا غرض نہیں ہوتی۔ اسی سے سب اپنی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ وہ بے پرواہ اور بے نیاز ہے۔ وہ سب کو عطا کرتا ہے اور یہ اس کی شان عطا ہے کہ وہ کوئی نعمت دے کر اسے واپس نہیں لیتا۔ بندے کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت بے بہا سے نواز رکھا ہے۔ اس طرح وہ عطا کرنے والا ہے وہ محتاج سے کچھ نہیں لیتا بلکہ وہ سب کو دیتا چلا جاتا ہے۔

⟨١١⟩

با تو ام من ہمہ جا ترس تو از شیطان چیست؟
چوں پناہت منم ابلیس بیاگو کہ صداست

(میں تیرے ساتھ ہوں اے میرے بندے جو میرا ہے میں اس کے ساتھ ہوں۔ اس لیے تمہیں شیطان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو تمہیں اپنی پناہ میں لے رکھا ہے۔ اس لیے تم شیطان کو للکار کر کہہ دو کہ وہ تمہارے ساتھ مقابلہ کر لے)۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بے شمار لوگ شیطان کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ وہ شیطان کی غلامی میں آ کر ظلمات میں بھٹکتے پھرتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلمہ اور اٹل ہے کہ وہ لوگ صرف اور صرف اپنے اللہ ہی کے ہو رہتے ہیں تو انہیں ان کا پروردگار اپنی پناہ اور حفاظت میں لیے رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں پر کوئی طاغوتی طاقت کبھی قابو نہیں پا سکتی۔ اس صورت حال ہی میں کہا گیا ہے تو شیطان سے ڈرنے کے بجائے اس کو مقابلے کی بھی چاہے دعوت دے دے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

﴿۱۲﴾

بے وفائی ہمہ از جانب تست اے

ورنہ ازما کہ خدائیم ہمہ مہروو فاست

(اے محی الدین! بے وفائی تو صرف تیری ہی جانب سے ہوتی ہے۔ ورنہ ہم تو خدا ہیں۔ ہماری جانب سے تو سدا مہرووفا ہی رہے گی)۔

یہ انسانی فطرت میں ہے کہ وہ اپنی انسانی کمزوریوں کے باوصف بے وفائی سے بھی کام لیتا ہے اور ناشکرگزاری کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اللہ تبارک و تعالیٰ سرتاسر بے پناہ مہرووفا کرنے والا رہتا ہے۔ اگر اللہ پروردگار بھی بندے ہی کی طرح سے ہو جائے تو بندووں کی یہ دنیا ایک ثانیہ کے لیے بھی چل نہ سکے اور سب تہہ و بالا ہو کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ لازم و ملزوم ہے کہ وہ بے وفائی کرنے والوں کے ساتھ بھی مہرومحبت اور الطاف و اکرام ہی سے پیش آتا ہے۔ یوں انسان خود ہی اپنی بے وفائی پر نادم اور نالاں ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مہرووفا کے سائے اس پر مدام سایہ فگن رہتے ہیں۔

## غزل ۱۱

﴿۱﴾

ناشستہ ترا رویت نے آب ترا نے دست

نے ہیچ کسے جزحق شوئندہ رویت ہست

(تیرا منہ صاف نہیں ہے لیکن اس کے لیے تو بے سروساماں ہے۔ تیرے پاس پانی بھی نہیں ہے اور تیرے پاس ہاتھ بھی نہیں جو تیرا منہ دھوسکیں۔ اللہ کے سوا تیرے پاس کوئی اور نہیں ہے جو تیرا منہ دھو سکے)۔

اے انسان' تیرا منہ صاف نہیں ہے' اس پر کئی آلائشیں لگی ہوئی ہیں۔ ان غلاظتوں اور آلائشوں کو دھونے اور صاف کرنے کے لیے تو تو پانی سے بھی محروم ہے اور تو اور منہ کو صاف کرنے کے لیے ہاتھوں کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے لیکن تیرے پاس تو ہاتھ بھی نہیں ہیں۔ اس

پر مستزاد کوئی دوسرا بھی یہ کام سرانجام دینے کے لیے نہیں ہے۔ یہ حالت ہے تو اب تیرے لیے تیرے خدا کے علاوہ کون ہے جو تیرا منہ دھلا کر صاف کر دے۔

﴿۲﴾

جام مے عشق حق درکش تو اگر مردی

تامست خدا میری درگور روی سرمست

(اگر تم مرد ہو تو عشق حق کی شراب کا جام پیو۔ مردانگی دکھاؤ تا کہ تم خدا کے مست بن کر مر سکو اور اس مستی کی حالت میں قبر میں بھی جا سکو)۔

اے دوست! اگر تمہیں نام وری اور بہادری کے میدان میں آنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ تم اپنے پروردگار کے عشق کی شراب کا جام پیو۔ یہ عشق الٰہی کی شراب کا جام تو صرف وہی پیتے ہیں جو بہادر اور مرد ہوتے ہیں اس عشق الٰہی کی شراب کا نشہ اور خمار اور ہی قسم کا ہوتا ہے۔ اس سے انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر مستی اور سرشاری کی وادیوں میں چلا جاتا ہے ایسے عاشق سرمست کو یہی بے خودی اور سرشاری قبروں تک لے جاتی ہے اور پھر وہ عاشق جواں مرد قبر کے اندر بھی مستی ہی میں رہتا ہے یہ مستی اور بے خودی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔

﴿۳﴾

ہر صوفی و صافی کو بوداست ریاضت کش

اور زلہ مردانہ از خوان جہاں بربست

(سچا اور اصل صوفی صافی وہی ہوتا ہے جو ریاضت کرتا ہے زہد اور نفس کشی اور محنت و مشقت سے کام لیتا ہے۔ اور اس دنیا کے دستر خوان سے صرف توشہ آخرت ہی تیار کرتا ہے)۔

صوفی وہ ہوتا ہے جو غیر اللہ سے اپنے دل کو پاک صاف کر لیتا ہے اور اس کے علاوہ وہ وجد و مراقبہ میں بھی محو رہتا ہے۔ دنیا کی آلائشوں اور احتیاجات سے دل کو پاک کرنے ہی سے وہ صوفی ''صافی'' بنتا ہے۔ ریاضت اور پرہیز گاری سے وہ کام لیتا ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے نفس کشی کی منزل آتی ہے۔ صوفیوں کی ریاضت کا یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا

کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوئے یہاں سے صرف توشہ آخرت ہی حاصل کرتے ہیں' دنیا کے دستر خوان کی طلب وحصول میں وہ اپنی آخرت سے کبھی بے خبر نہیں ہوتے۔

۴

یوسف کہ برادر را بدنامی دزردی داد
در خلوت خاص خود او چہ سبب بنشست

(کیوں اور کس مصلحت کے تحت جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی پر چوری کا جو الزام لگایا تھا اور پھر خلوت خاص میں اسے اعزاز کے ساتھ کیوں بٹھایا تھا)۔

یہ ایک تاریخی واقع کی جانب اشارہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین پر چوری کا الزام لگا کر اسے اپنے پاس روک لیا تھا۔ پھر جب وہ خاص اپنی خلوت میں گئے تو انہوں نے اپنے اسی بھائی کو عزت اور وقار کے ساتھ اپنے ساتھ نشست دے دی تھی۔ انہوں نے یہ سارا کھیل اپنے پروردگار کی تائید ہی کے ساتھ کیا تھا۔

۵

بربستہ دگر باشد وابستہ دگر اے دوست
بربستہ کسے باشد کو دوست بدو پیوست

(اے دوست! اچھی طرح سے جان لے کہ "بربستہ" اور چیز ہے اور "وابستہ" ہونا دوسری بات ہے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ وابستہ اللہ کے ساتھ وابستگی ہے اور بربستہ اپنے دوست کے ساتھ بندھنا ہے)۔

اے میرے دوست! "بربستہ" ہونا اور "وابستہ" ہونا دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ بربستہ اور مقام ہے جبکہ وابستہ ایک دوسرا مقام و مرتبہ ہے۔ بربستہ ہونا یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ جماعتی انداز میں بندھا ہوا ہو یا اپنے دوست کے ساتھ بندھا ہوا ہو۔ اس کے برعکس "وابستہ" ایک بڑا اور اہم مقام و مرتبہ ہے۔ انسان جب اپنے پروردگار کے ساتھ لو لگاتا ہے تو گویا وہ اپنے اللہ سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس وابستگی میں بندے کے لیے عظمت اور رفعت ہوتی ہے اور اسی سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

۶

تا عقل مصاحب شد بادل غم و محنت دید

ہم صحبت عشقش شد از جملہ غمہارست

(جب تک دل کا مشیر اور مصاحب ''عقل'' ہو اس وقت تک غم' تکالیف اور الم کا سامنا کرنا پڑتا ہے' لیکن جب دل کا مشیر اور ساتھی ''عشق'' ہو تو اس کے جملہ غم ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ ان دونوں کا امتیازی مقام اور مرتبہ ہے)۔

اس شعر میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر دل کو مشورہ اور رہنمائی فراہم کرنے کے لیے عقل سے کام لیا جائے تو اس کا نتیجہ کچھ اور ہی برآمد ہوتا ہے۔ عقل کی استعداد اور پرواز بڑی محدود ہوتی ہے اور عقل صرف ہوشیاری دکھاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عقل بڑی عیار ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ انسانی افعال کے لیے جواز تلاش کر دیتی ہے۔ اسی لیے جب جذبات اور ایثار و قربانی کی سطح پر عقل اور عشق کا مقابلہ ہوتا ہے تو عشق کو ہمیشہ عقل سے بالا اور اعلیٰ ہی قرار دیا جاتا ہے۔ عقل تو ہر بات کا نفع نقصان سوچتی ہے جبکہ عشق ہر طرح کے نفع و نقصان سے بالا اور ماورا ہوتا ہے۔ اسی لیے جب دل کا مشیر عشق ہوتا ہے تو وہ بندے کو آلام و مصائب سے بچائے رکھتا ہے۔

۷

سرتا بقدم محی پیوستہ جراحت است

چوں در ہمہ عمرے اویک روز نہ بندد دست

(اے محی الدین! اگرچہ اس کے عشق میں میں سر سے پاؤں تک زخمی ہوں۔ اس کے باوجود اللہ نے ساری عمر میں ایک دن کے لیے بھی میرے ہاتھ نہیں باندھے)۔

اے محی الدین! میرا سارا جسم سر سے پاؤں تک عشق الٰہی سے سرشار اور وارفتہ ہے۔ اس عشق میں میں نے صرف زخم' دکھ' الم اور غم ہی پائے ہیں۔ سدا آہ و زاری اور اشکوں کی مالائیں ہی پروئی ہیں۔ عشق الٰہی میں میرا سارا جسم بلکہ میرا رواں رواں اور بال بال زخمی اور جراحت زدہ ہے۔ اس اپنی صورت حال اور کیفیت میں نہ معلوم ہم کہاں کہاں اور کہاں سے

کہاں تک جاتے رہے۔ ہمیں تو خود بھی اپنی حالت کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ گویا ہمارا اپنے اوپر بھی اختیار نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود بھی اسی پروردگار نے کبھی بھی ایک دن کے لیے بھی میرے ہاتھ نہیں باندھے یعنی میں شرعی احکام ادا کرنے سے بھی غافل نہ رہا۔

## غزل ۱۲

(۱)

عمل من ہمہ عمرازچہ خطا افتا دست
چہ غمست چوں سروکارم نہ خدا افتادست

(اے لوگو! اس میں شک و شبہ نہیں ہے کہ مجھ سے عمر بھر سدا خطائیں ہی سرزد ہوتی رہی ہیں تاہم مجھے کیا غم ہے جبکہ میرا تعلق واسطہ تو اس خدائے رحیم سے ہے)۔

عمر بھر مجھ سے خطائیں اور گناہ ہی ہوتے رہے ہیں۔ میں نیکیوں اور اچھائیوں سے دور رہا ہوں میری تمام عمر گناہوں میں ضائع ہوتی رہی ہے۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آخرت میں میرا جس سے تعلق واسطہ ہے وہ تو سدا سدا رحیم و کریم اور اپنے بندوں پر نرمی کرنے والا اور ڈھیل برتنے والا ہے۔ اس لیے مجھے کوئی غم و اندوہ نہیں ہے۔ وہ جس سے میرا سروکار ہے وہ تو سب سے بڑھ کر بخشش کرنے والا' سب سے بڑا غفار' رہائی دینے والا اور نجات دینے والا ہے۔ وہ اللہ تو ''بہت ہی بخشنے والا' درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (۷۳:۲۰)

(۲)

بہ چنیں دست تہی وصل خدا می طلبم
تو بمن گو کہ چنیں کار کرا افتا دست

(اے میرے پروردگار! میں غریب نادار اور تہی دست ہوں لیکن تجھ سے وصال کا طلب گار ہوں۔ اے خدا! تو ہی بتا کیا ایسے مشکل کام کا کسی اور کو بھی کبھی واسطہ پڑا ہے)۔

اے میرے پروردگار! میں خالی ہاتھ ہوں' میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے' نیکیوں سے بھی خالی ہوں۔ میں نے تیرے لائق کچھ کمایا اور حاصل بھی نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود

میں تجھ سے وصال کا امیدوار ہوں، تجھ سے ملنے کے لیے بے تاب اور بے قرار ہوں۔ تجھ سے ملنے کی طلب و آرزو ہی میں میں نے ساری زندگی گزار دی ہے۔ لیکن میں کیا کروں میرے دامن میں کچھ نہیں ہے اور ہاتھ بھی خالی ہیں اے میرے محبوب حق! کیا اتنی بڑی مشکل اور افتاد کبھی کسی اور کو بھی پڑی ہے اور اس نے کبھی اتنی بڑی طلب کا اظہار کیا ہے!

(۳)

خجلم تابقیامت چہ بگویم ہیہات

کہ میان من و تو دوست چہا افتادست

(میں خجل اور شرمندہ ہوں کہ میں قیامت کے روز کیا کہوں گا! میرے پاس کہنے اور بتانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ حیف صد حیف۔ اے میرے دوست میرے اور تیرے درمیان کیا فرق ہے)۔

وہ جو راست باز ہے اور جسے احساس ہے وہ تو خود بھی محسوس کرتا ہے کہ اس نے جو اعمال کیے ہیں وہ اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں لے کر وہ قیامت کے دن اپنے اللہ کے سامنے پیش ہو۔ یہ بری حالت نہایت تاسف اور افسوس بھری ہے، اس پر میں ہیہات اور حیف کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں۔ اے میرے پروردگار! میں تیرے مقابلے میں اپنے آپ کو نہایت حقیر اور کمتر پاتا ہوں اور یہی نہیں بلکہ میرے پاس میرے اعمال کی جو پونجی ہے اس پر تو میں خود بھی نادم اور شرمندہ ہوں۔ لیکن اس ساری صورت حال کے باوجود میرے لیے یہ آسودگی کا باعث ہے کہ میرا اللہ بہت رحیم و کریم اور مہربان ہے۔

(۴)

نظر جز بہ کمال کرم حق نبود

ہمہ کارم ہمہ عمر از چہ خطا افتادست

(میری نظریں تو پروردگار کے کمال کرم کے علاوہ کسی اور طرف اٹھتی ہی نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود میں حیران ہوں کہ عمر بھر مجھ سے کیوں خطائیں سرزد ہوتی رہی ہیں)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے کرم کے کمالات کی مجھ ناچیز پر اس قدر زیادہ ارزانی اور فراوانی

رہی کہ میں اپنی دانست میں تو ان کے سوا کچھ اور دیکھتا ہی نہیں تھا۔ میں سدا اللہ کے بے پناہ اکرام و انعامات کے بوجھ تلے دبا کسی اور طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں تھا۔ اس ساری صورت حال کے باوجود بھی شاید لاعلمی اور نادانستگی میں مجھ سے سہو ہوتا رہا۔ یوں مجھ سے لاتعداد خطائیں سرزد ہوتی رہی ہیں ان پر حیران اور نادم ہوں۔

(۵)

تو بمن لطف و کرم کردی کہ تنہا اے دوست
کرمت بخش ہمہ کس ہمہ جا افتادست

(اے دوست! تو نے مجھ تنہا اور بے کس پر اپنا لطف و کرم فرمایا۔ تیری کرم نوازی اور تیری بخشش ہر ایک پر اور ہر جگہ ہوتی رہتی ہے)۔

اے میرے رحیم و کریم پروردگار! یہ تیری عنایات اور مہربانیوں کی مجھ پر خصوصی نوازش ہے کہ تو نے مجھ تنہا اور بے یار و مددگار پر اس قدر کرم فرما رکھا ہے۔ یہ بھی حقیقت اپنی جگہ پر اٹل اور مسلمہ ہے کہ تیری کرم فرمائیاں اور بخشش تو سب کے لیے بلا تخصیص مخصوص ہیں۔ ان نوازشات اور عنایات سے سب نہال ہوتے رہتے ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے حوالے سے یہی سوچتا رہتا ہے کہ تیرا اکرم اور رحم صرف اسی تنہا پر اس قدر فراواں اور ارزاں ہے۔

(۶)

نظرے کن بعنایت کہ دریں آخر عمر
سوئے ایں بندہ کہ در عین بلا افتادست

(اے میرے اللہ! مجھ پر عنایت کی ایک نظر فرمائیے۔ میں مشکلوں میں گرفتار ہوں۔ اپنی آخری عمر میں یہ بندہ کئی طرح کی بڑی بڑی مصیبتوں میں پڑا ہوا ہے)۔

بندہ جب اپنی عمر میں ہوتا ہے تو اس کے قوائے جسمانی کمزور اور نحیف ہو جاتے ہیں۔ اس عمر میں اسے عام معمولی مشکلات اور مصیبتیں بھی بڑی اور زیادہ کٹھن دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ ذرا احساس اور ذمہ داری کے ساتھ محسوس کرے تو اسے اپنی ساری زندگی کے کیے کرائے اعمال بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس لیے اس عمر میں اس کا اپنے

پروردگار کو نظر کرم کے لیے پکارنا خاص معنی اور خاص جذبات اور احساسات تاسف سے بھرپور ہوتا ہے۔

⟨۷⟩

بمن از خوف بگو تو مکنی نومیذم
تو از و بخش ' گنہگار ' رجا افتادست

(اے میرے پروردگار! تو مجھے اپنے خوف سے ضرور آگاہ فرما' لیکن اس کے ساتھ ساتھ تو مجھے اپنی رحمت سے ناامید نہ کر۔ تو میرے گناہوں کو بخش دے کیونکہ یہ گناہگار تیری رحمت کا امیدوار ہے)۔

اے میرے رحیم و کریم اور عفو غفور اللہ! میں تیرے خوف سے دور نہیں ہوں' لیکن تو مجھے اپنے خوف کا احساس نہ دلاتے چلا جا۔ میں تیرے خوف سے دور نہیں ہوں۔ لیکن میرے رحمٰن و رحیم اللہ! اس خوف کی تنبیہات میں مجھے اپنی رحمت سے تو ناامید نہ رکھ۔ تیری رحمت سے ناامید ہونا تو بندے کی سرشت ہی میں نہیں رکھا ہوا۔ اس لیے میری التجا اور درخواست یہی ہے کہ اپنی رحمت بے پایاں سے میرے بے حد و حساب گناہوں کو بخش دے کہ یہ تیری رحمت ہی کے احاطہ اور دائرہ میں ہے۔

⟨۸⟩

بتو در کنج لحد گفت خدا از سرِ لطف
کہ بگو روئے تو برخاک چرا افتادست

(جب تم گوشۂ قبر میں پڑے ہو گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ از راہ لطف و کرم تم سے کہیں گے کہ اے میرے بندے یہ تو بتا کہ تیرا چہرہ مٹی پر کیوں پڑا ہوا ہے)۔

گوشۂ لحد میں جب کوئی پڑا ہوتا ہے تو اس وقت دنیا والوں کو اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس حال میں ہے' اور اس پر کیا بیت رہی ہے۔ اس تنہائی اور کسم پرستی کے عالم میں اور تاریک دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے خاص لطف و کرم سے اپنے بندے سے فرمائیں گے کہ میرے بندے! تم یہاں پڑے ہوئے ہو یہ تو بتاؤ کہ اس حال میں اور اس اندھیری قبر میں تیرا چہرہ مٹی

پر کیوں پڑا ہوا ہے۔ یا تو سجدہ ریز کیوں ہوا پڑا ہے۔

﴿۹﴾

بہ زمین دلے ہر کس بنشاند تخمے

بہ زمین دل ماتخم وفا افتادست

(اپنے دل کی زمین پر ہر ایک کوئی نہ کوئی بیج بوتا ہے ہمارے دل کی زمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وفا کا بیج بویا ہوا ہے' یقیناً وہی اگے گا)۔

انسان کے دل کی زمین بہت زرخیز ہوتی ہے اس پر ہر بیج بہت جلد اگتا ہے اور پھر پھلتا پھولتا ہے۔ گویا ہر شخص اپنی ارض قلب پر کوئی نہ کوئی تخم ریزی ضرور کرتا ہے۔ ہمارے قلب کی زمین کو یہ فضیلت اور برتری حاصل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صحبت اور وفا کا بیج بویا ہوا ہے۔

﴿۱۰﴾

بخدا از نظر محی تو پیوستہ دلت

طلب فقر' صحبت' فقرا افتادست

(بخدا تیرا دل محی الدین کی نظروں کے ساتھ ملا اور جڑا ہوا ہے۔ اسی لیئے تو اسے فقیروں کی طلب' محبت اور الفت ہے)۔

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اے محی الدین کو پیار کرنے والے تیرا دل بھی اس کی نظروں کے ساتھ ملا ہوا اور جڑا ہوا ہے۔ اسی لیے تجھ میں یہ فقر و محبت ہے اور تو فقرا کا طالب اور ان کی قدر کرنے والا ہے۔ فقراء کی محبت کو تصوف کی دنیا میں بہت بڑا مقام اور درجہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی کے حوالے سے انسانوں اور انسانیت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانوں سے محبت کرنے والا ہی دراصل اپنے اللہ سے محبت کرنے والا ہوتا ہے۔

# غزل ۱۳

(۱)

گنہہ کر دی بگو کردیم اے دوست
کہ بعد از کار بد ایں توبہ نیکوست

(اے بندے! اگر تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تو شرمساری اور ملامت کے ساتھ بارگاہ حق میں اس کا اعتراف کر کے توبہ کر لے۔ کیونکہ گناہ کے بعد توبہ کرنا ایک اچھی بات ہے)۔

اگر اللہ کے کسی بندے سے کوئی برائی یا گناہ کسی بھی حوالے سے سرزد ہو جائے تو پھر مزید گناہ پر گناہ کیے جانا درست نہیں ہے۔ جب بندے کو اپنے گناہ کا احساس ہو جائے تو اس کے بعد وہ اپنے پروردگار کے سامنے اس گناہ پر شرمندہ اور نادم ہوتا ہے۔ یہ اقرار اور ندامت ہی اسے یہ حوصلہ اور نیا عزم دیتی ہے کہ وہ جس غلط روش کا شکار ہو گیا اب اس سے منہ موڑ کر راہ راست پر آ جائے گا یہی اس کا توبہ کرنا ہے اور گناہ کے بعد توبہ کرنا بہر صورت ایک مستحسن عمل ہے۔

(۲)

گنہہ کردن اگرچہ خوئے تو گشت
ولے عفو گناہت ہم مرا خوست

(اے بندے! گناہ کرنا تیری عادت بن چکی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میرے بندے تیرے گناہوں پر عفو سے کام لینا میری عادت ہے)۔

گناہ کرنا انسان کی سرشت میں ہے اور گویا گناہ تو انسان کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ انسان سے ہمہ وقت گناہ سرزد ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ گناہ کرنا انسان کی جبلی عادت بن چکی ہے۔ اس کے برعکس یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تواب ہے۔ وہ بھی ہر بار انسان کے گناہ معاف کرنے پر تیار اور آمادہ رہتا ہے۔ اسی لیے اس طرح

سے بھی ارشاد باری ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تو رب اور رحیم ہے۔'' (۳۷:۲) اور یہی نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اصل توبہ یہی ہے کہ بندہ اپنے غلط اقدام سے باز آجائے اور پھر دوبارہ کبھی اس غلطی کا ارتکاب نہ کرے۔

﴿۳﴾

توشب برخاک رو می مال و می نال

کہ آں نالیدنت ' واریم ما دوست

(اے بندے! تو رات کو خاک پر اپنا ماتھا رگڑ کر روتا رہے تو ایک اچھا عمل ہے۔ شاید یہ عمل تیرے لیے مشکل اور کٹھن ہو۔ لیکن مجھے تیرا رونا اے دوست بہت پسند ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا معمول ہوتا ہے کہ وہ خشیت الٰہی میں رہتے ہیں اور سدا ڈرتے رہتے ہیں۔ اور اس خشیت الٰہی کا ان پر یہ اثر ہوتا ہے کہ پھر وہ خدا کے علاوہ کسی اور سے ہرگز نہیں ڈرتے۔ اسی حوالے سے ارشاد باری ہے کہ ''جو خدا سے ڈرتا ہے وہ دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا۔'' (۲۳:۵)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو انسان کا تضرع کرنا عجز و نیاز سے رونا دھونا بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ گریہ زاری کرنے والوں کو بلکہ خشت الٰہی سے گریہ زاری کرنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے۔

﴿۴﴾

نفس ہائے گنہگاران تائب

مرا خوشبو ترست از مشک خوشبوست

(وہ لوگ جو توبہ کرنے والے ہوتے ہیں ان کی سانسوں کی خوشبو ہمارے لیے مشک سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے)۔

توبہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بہت درجہ اور مقام ہوتا ہے۔ بحوالہ توبہ یہ بتایا جاتا ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کر گزرتا ہے تو وہ ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خود ''تائب کی طرف لوٹ کر جاتا ہے۔'' (۱۳۷:۲)۔ اور یہ بھی اللہ کی

ایک سنت ہے کہ وہ ''توبہ کنندگان اور پاک شوندگان کو دوست رکھتا ہے۔'' (۲:۲۲۲) اسی دوستی میں توبہ کرنے والوں کی ہانپتی کانپتی سانسوں کی مہک کو بھی اللہ تعالیٰ کستوری سے بھی زیادہ پسند کرتا ہے۔

⑤

چوں فضل ماست پشتی بانت اے پیر
چہ غم داری اگر پشت تو دو توست

(اے بڑھاپے کے مارے ہوئے۔ تیرا بڑھاپا قابل رحم ہے۔ جب ہمارا فضل و کم تمہاری مدد اور تائید کے لیے موجود ہے تو پھر تیری کمر چاہے دوہری ہو چکی ہو پھر بھی تو غم نہ کر)۔

(بڑھاپے اور پیری کی عمر میں کمر خمیدہ ہو جاتی ہے اور اگر ناامیدی کی کیفیت ہو تو کمر ٹوٹ ہی جاتی ہے۔ اسی تناظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے میرے بوڑھے اور عمر رسیدہ دوست' تمہارے لیے فضل و کرم تمہاری مضبوطی اور پائیداری کا باعث بنا ہوا ہے تو چاہے کتنا بھی کمزور اور بوڑھا ہو چکا ہے۔ خواہ تفکرات سے تیری کمر دوہری کمان ہو چکی ہے' اس کے باوجود تو غم نہ کر تو ہماری حفاظت اور پناہ میں ہے۔ اس شعر میں لفظ پشتی اور پھر پشت سے حسن پیدا کیا گیا ہے۔

⑥

کسے کز وے بتر نبود بہ عالم
مرا ''لاتقنطوا'' دربارۂ اوست

(جو اس جہاں میں سب سے بدتر اور برا ہو اور وہ برائی میں بھی سب سے بڑھ کر ہو۔ اس کے لیے بھی ہمارا انعام ''لاتقنطوا'' موجود ہے)۔

اس شعر میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے پایاں رحمت' رافت اور رحیمی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بندہ اپنے اعمال و افعال کے اعتبار سے انسانوں میں سے اگرچہ سب سے بدتر ہو اس کے گناہ ان گنت اور بے شمار ہوں وہ سب سے زیادہ عاصی ہو لیکن ایسے شخص کے لیے

بھی اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد ایک انعام عظیم ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ "اے میرے وہ بندو جنہوں نے ظلم و تعدی سے اپنی جانوں پر بے دریغ زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے نہایت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔" (۳۹:۵۳) یہی نہیں مایوسی کی کوئی بات نہیں "اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے۔" (۶:۱۲)

⟨۷⟩

بنعمت ہائے جنت پروری مغز
ترا بر استخواں گر خشک شد پوست

(اگر تیری کھال ہڈیوں کے اوپر خشک ہو چکی ہے گوشت پوست ختم ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود بھی تو ایسی حالت میں بھی تو جنت کی نعمتوں سے اپنے مغز کی پرورش کرتا چلا جا)۔

اس شعر میں بھی ایک دوسری شاعرانہ کیفیت میں بتایا گیا ہے کہ اگر تو اس دنیا میں مایوسیوں' ناکامیوں' نامرادیوں کے باعث بوڑھا اور کانٹا ہو چکا ہے' جسم کی کھال ہڈیوں پر خشک ہو کر چپک چکی ہے اس حالت اور صورت میں تو اللہ کی ان نعمتوں پر کہ جو جنت کی سی ہیں ان پر اپنے مغز کی پرورش کرتا رہ اور کسی بھی لمحہ مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہ ہو بلکہ تو سدا اللہ کی رحمت کا منتظر اور امیدوار رہ کیونکہ بقول قرآن مجید "اللہ کے بندے تو سدا خدا کی رحمت کے آرزومند ہی رہتے ہیں"۔ (۱۷:۵۷) وہ کبھی ناامیدی اور مایوسی سے مغلوب نہیں ہوتے۔

⟨۸⟩

چوں رحمان بر تو نیکو ہست غم نیست
اگر شیطان بدست و با تو بد خوست

(اے بندے! جب رحمٰن و رحیم خدا تیرے لیے نیکی کا خواہاں ہے تو تجھے کوئی غم نہیں ہونا چاہیے۔ جس بندے کے لیے اس کا پروردگار اس کے ساتھ ہو۔ اسے اور کیا چاہیے۔! اس لیے اگر شیطان تیرے درپے ہے اور یا کوئی بری بات ہے تو بھی عفو کی امید رکھو)۔

اس شعر میں بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کو سامنے لایا گیا ہے اور رحمٰن تو وہ ہوتا ہے جس کا رحم بہت ہی بڑا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ مہربانی اور رحم کرنے والا' نہایت

زیادہ شفیق اور رحیم ہوتا ہے۔ وہ رب رحمٰن تیرے لیے نیکی اور بھلائی کا طالب ہے۔ اس لیے تجھے نہ کوئی غم ہونا چاہیے اور نہ کوئی پرواہ۔ بلکہ اگر تو دیکھتا ہے کہ شیطان تیری گھات میں ہے اور تجھ سے غلطی اور برائی ہونے کا احتمال ہے تو ایسی صورت میں بھی مایوسی کی تاریک وادیوں میں نہ جا بلکہ بخشش کی امید رکھ کہ یہی رحمٰن کی رحیمیت کا تقاضا ہے۔

⟨۹⟩

نمیرد ماہیئے دل محیٰ ہرگز

زلال رحمت حق تا دریں جوست

(اے محی الدین جب تک تیرے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ٹھنڈا اور شیریں پانی موجزن ہے اس وقت تک تیرے دل کی مچھلی ہرگز نہیں مرے گی)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کو آب شیریں وسرد کہا گیا ہے اور اس طرح کا پانی تو باعث بالیدگی اور فروغ زیست ہوتا ہے۔ یہاں پر دل کی مچھلی سے مراد روح بھی ہے۔ بتایا یہ گیا ہے کہ جب تک انسان اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اس کی روح مردہ نہیں ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے رب رحمٰن کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ رحمت الٰہی کی وسعت بے پایاں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس حوالے سے تمام تر خطا کاریوں اور زیادتیوں پر رحمت کی خوشخبری سناتا ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ انسان اپنی خطاؤں اور بد اعمالیوں کے سایوں میں بھی مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سب پر حاوی ہوتی ہے۔

## غزل ۱۴

⟨۱⟩

پیروی شیطان بہ یک بارہ کند بس بے رہ ست

پوستیں دادن بگاذر کار مرد ابلہ ست

(ایک بار شیطان کی پیروی کرنا تو گمراہی ہے اس سے تو بس بے راہ روی ہی حاصل

ہوتی ہے۔ لیکن اپنی پوستین دھوبی کے سپرد کر دینا تو بیوقوف شخص کا کام ہوگا)۔

شیطان کی متابعت میں کسی گمراہی یا غلط کاری کو اختیار کرنا تو محض ایک مجرد اور ایک بار کا کام ہے۔ اس کے بعد کسی دوسری غلطی کے لیے شیطان از سرِ نو پھر ورغلائے اور اکسائے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوئی شخص اپنی باگ ڈور ہی کسی نادان اور ناسمجھ کے ہاتھ میں تھمادے گا۔ وہ تو اپنے ارادے اور منشا سے عاری ہو کر صاحب زمام کا غلام ہو جائے گا۔ اپنی باگ ڈور ہی کسی دوسرے کے سپرد کرنا یا شیطان کو پکڑا دینا تو بہت بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔

(۲)

گرچہ شیطان زعفران بسیاری دارد بہ ملک

کے بریزد پیش حیوانے کہ قوۃ او کہ ست

(اگر چہ شیطان کے پاس بہت ساز عفران ہوتا ہے لیکن یہ زعفران وہ اس شخص کو تو نہیں کھلا سکتا جو حیوان کی طرح گھاس پر گزارہ کرتا ہو۔ گویا اللہ والے اس کا شکار نہیں بنتے)۔

شیطان کے پاس اس کے قبضے میں بہت سی ترغیبات خورد و نوش بھی ہوتی ہیں۔ یا رنگوں اور خوشبوؤں کے خزانے بھی ہوتے ہیں۔ وہ ان سے لوگوں کو ورغلاتا اور گمراہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ان ترغیبات کے غلام نہیں ہوتے وہ شیطان کے حربوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ انسان مرغوبات مادی کی طرف ضرور مائل رہتا ہے اور انہیں ہی وہ بعض اوقات حیات دنیاوی کی متاع عظیم سمجھنے لگتا ہے اور یوں وہ شیطان کے نرغ میں رہتا ہے۔ لیکن وہ جو ان پر توجہ نہ دیں وہ محفوظ ہیں۔

(۳)

در صباح آں مرد دارد خوردہ باشد در پگہ

تو نیائی درنماز شام بس کہ گہست

(جس طرح مال اندیش شخص اپنی صبح کی خوراک میں سے شام کے لیے کچھ بچا رکھتا ہے اسی طرح تو تو اپنی شام کی نماز میں بھی حاضر نہیں ہوتا)۔

دور اندیش انسانوں کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے آج ہی پر نظر نہیں رکھتے بلکہ انہیں فردا کی بھی بدستور فکر رہتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ صحیح طور پر دور اندیشی سے کام لیتے ہیں وہ اس دنیا کو صحیح معنوں میں آخرت کی کھیتی بناتے ہیں اور دنیا میں ایسی کمائی کرتے ہیں جو آخرت میں کام آسکے۔ لیکن اے میرے بندے۔ تجھے تو اپنے فردا اور آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے۔ تم تو صبح کے بعد شام کی نماز میں بھی حاضر نہیں ہوتے۔

(۴)

آں توئی اندر جوانی کلہ خشک از غرور
وقت پیری خود خزف گشتی و پشت دوتہ ست

(تم تو وہ ہو کہ غرور کی وجہ سے جوانی کے عالم میں تمہارا دماغ خشک ہو چکا ہے۔ تم نے بے پرواہی سے کام لیا' بے نیازی دکھائی لیکن اب بڑھاپے میں گھونگھے کی طرح خمیدہ کمر ہو چکے ہو)۔

جوانی کی عمر چونکہ عروج اور امنگوں کی زندگی ہوتی ہے۔ اس عمر میں عموماً انسان خود نمائی کا شکار ہو کر کسی دوسرے کو خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ وہ ہر معاملے میں اپنے آپ ہی کو درست اور صحیح تصور کرتا ہے' گویا وہ غلط فہمیوں کا شکار ہوتا ہے۔ دراصل اس کا دماغ خشک ہو چکا ہوتا ہے۔ جوانی کے اس دور میں اسے بڑھاپے اور ضعیفی کے نام سے بھی چڑ ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اس بعد کے دور کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا۔ لیکن وقت بہر صورت بڑھاپے کو طاری اور وارد کر دیتا ہے اور پھر وہی غرور کا مارا ہوا شخص جب ضعیف اور ناتواں ہو جاتا ہے تو دوہری اور خمیدہ کمر کے ساتھ گھونگھے کی طرح رینگنے لگتا ہے۔

(۵)

کردی از مردن فراموشی' کنی دائم گناہ
وقت مردن توبہ کردن دردل توگہ گہست

(اے انسان! تم نے تو موت کو بھلا رکھا ہے حالانکہ اس کو بھلا دینا کوتاہی ہے۔ اور تم ہمیشہ گناہ کرنے پر آمادہ رہتے ہو اور پھر جب کبھی توبہ کرنے کا خیال تمہارے دل میں آتا ہے تو

خود ہی کہتے ہو کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے)۔

اے غافل انسان، تم موت سے بالکل بے نیاز ہو چکے ہو، تمہیں اس کی فکر ہی نہیں ہے۔ تمہیں موت کا ڈر خوف نہیں رہا ہے۔ اس لیے تم گویا ایک طرح سے اندھے ہو چکے ہو۔ تمہاری اس بے نیازی نے تمہیں سراسر گمراہ بھی کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی تمہارے اندر توبہ کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو تم اپنے اسی اندھے پن میں بے شرمی کی حد تک غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش ہو گئے ہو اور خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتے ہو کہ ابھی تو بڑی عمر پڑی ہے ۔تمہاری یہی غلط فہمی ہی تمہاری ہلاکت کا باعث ہے۔

۶

گفتہ اند گردی و مردی، نیستی مرد خدا

در رہ دیں گرد گردد ہر کہ اور مرد رہست

(لوگ تمہیں جواں مرد اور پہلوان کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں تم بزدل ہو اور جان لو کہ تم مرد خدا نہیں ہو۔ راہ دین میں وہی مرد ہوتا ہے جو اگلے جہاں کا مرد خاص ہو)۔

لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ شاید تم بہت بہادر، توانا اور پہلوان ہو، اسی طاقت اور قوت کے باعث وہ تمہیں مرد خدا بھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مرد خدا تو وہ ہوتا ہے جو اس دنیا کو ٹھکرا دیتا ہے اس دنیا پر توجہ نہیں دیتا یہاں پر وہ مسافر کی طرح رہتا ہے، اپنے نفس پر غلبہ حاصل کر کے وہ ہمہ وقت شیطان پر غالب رہتا ہے۔ صحیح معنوں میں وہی تو طاقت ور اور پہلوان ہے۔ وہی اپنے لیے توشہ آخرت تیار کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں یہ دنیا نہیں بلکہ آمدہ یعنی بعد کی زندگی ہوتی ہے۔ وہ اس دنیا کو متاع الغرور سمجھتا ہے۔

۷

دردروں گر نالہ زار ست و زبروں نقش و نگار

لائق ایں گرسنہ میداں کہ سر کہ با کہ ست

(تیری اندرونی حالت تو رونے کے قابل ہے جبکہ تو نے اپنی ظاہری حالت کو نقش و نگار سے سجا رکھا ہے۔ اس میں تم تو اپنی خواہشات کے غلام بن چکے ہو۔ تم خواہشات میں اس

قدر بھوکے اور ندیدے بن چکے ہو کہ تمہیں تو حیوانوں کی طرف گھاس پر سرکہ ڈال کر کھلانے کی ضرورت ہے)۔

اے خود فراموش انسان' تیرا ظاہر اور باطن دھوکہ دہی کا موجب بن رہا ہے۔ باہر سے تو نے اپنی ظاہری شکل وصورت کو نقش و نگار سے مزین کر کے دلکش بنا رکھا ہے جبکہ اندرونی طور پر باطن تو سراسر تہی داماں ہے' تیرے پاس کچھ بھی نہیں تو اس طرح اپنے آپ کو بھی دھوکا دے رہا ہے اور دوسروں کو بھی تیرے بارے میں غلط فہمی ہے۔ حالانکہ تیری حالت تو رونے کے لائق ہے کہ تیرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے تو سراب محض ہے جس سے نہ کسی دوسرے کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے اور نہ اسے خود بھی کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تو اس جانور سے بھی بدتر ہے جس کا علاج کرنے کے لیے گھاس پر سرکہ ڈال کر کھلایا جاتا ہے۔

⟨۸⟩

شاہ در خرگاہ باشد تابود خبرگاہ شاہ

درخرے باشد دراں خرگاہ نبود خرگہست

(اگر بادشاہ خیمے کے اندر ہو تو اس خیمے کو بادشاہ کا خیمہ کہا جاتا ہے اور اگر خیمے کے اندر گدھا ہو تو اس خیمے کو گدھے کا خیمہ کہا جاتا ہے۔ خیمے کی اصل حیثیت اس کے مکین سے بنتی ہے۔)

ظرف کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ ظرف تو محض ایک خالی جسم اور خول ہوتا ہے۔ ہر ظرف کی قدر و قیمت اس سے بنتی ہے کہ اس کے اندر کیا ہے۔ اسی طرح انسانی جسم کی حیثیت بھی محض ایک خالی ظرف کی ہے۔ ہر جسم کی اہمیت اور حیثیت اسی سے بنتی ہے کہ اس جسم کے اندر کیا ہے اس شعر میں انسان کو باور یہ کرایا گیا ہے کہ اصل قدر و قیمت خالی جسم و جان کی نہیں ہوتی بلکہ جو اس کے اندر ہوتا ہے اس سے بنتی ہے۔ بحوالہ تصوف انسانی جسم جب اپنے پروردگار کے تابع ہو جاتا ہے تو وہ اپنے اختیارات سے دستبردار ہو جاتا ہے اور وہ جسم اس متابعت میں سراپا تقویٰ شعار ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اللہ کی متعین کردہ رہوں پر چل کر یہ حق ادا کر لیتا کہ جسم و جان میں اندرونی اور بیرونی ہم آہنگی ہے یہ سب اعمال خیر سے ممکن ہوتا ہے۔

⟨۹⟩

مومن صادق چو از سر پوست می آید بروں
واں منافق پیشہ مانند پیاز تہ تہ است

(سچے اور صادق مومن کی مثالی ایسی ہوتی ہے کہ اس کے سر کے اوپر ایک ہی کھال ہوتی ہے وہ بے ریا اور سچا اور خالص ہوتا ہے۔ جبکہ منافق کی مثال پیاز کی سی ہوتی ہے جس کے ہر چھلکے کے نیچے پھر ایک چھلکا ہوتا ہے)۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مومن اور فاسق کبھی برابر نہیں ہوتے ہیں۔ (۱۸:۳۲)

مومن کا ظاہر اور باطن ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ ''مومن کبھی ریا کار نہیں ہو سکتا۔'' (۳۸:۴) اور وہ کبھی شک و شبہ میں بھی نہیں پڑتا۔ اس اعتبار سے مومن کی مثال ایک ہی کھال سے دی گئی ہے۔ لیکن اس کے برعکس منافق تو وہ ہوتا ہے جو زبان سے اپنے آپ کو مومن کہتا ہے لیکن دراصل وہ مومن ہوتا نہیں' وہ دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔ اسی لیے اسے پیاز کے تہہ در تہہ چھلکوں سے مثال دی گئی ہے۔

⟨۱۰⟩

محی ہر کس دو جہاں کرد است کار اختیار
کار درویشاں بدرگاہ خدا شیئاً للہ ست

(محی الدین! ہر شخص دنیا میں کوئی نہ کوئی کام کرنا پسند کرتا ہے۔ لیکن درویشوں کا تو وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' یعنی وہ اللہ ہی سے طلب کرتے رہتے ہیں)۔

ہر شخص اس دنیا میں آ کر اپنی سمجھ بوجھ اور دانست کے مطابق اپنے لیے کچھ نہ کچھ کرتا ہے اور اسے اپنے لیے درست اور صحیح بھی سمجھتا ہے۔ لیکن اللہ والوں کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی وہ اپنی ہر حاجت اور احتجاج میں اپنے پروردگار کے سوالی ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی مرضی اور خواہش نہیں ہوتی۔ وہ سب کچھ اپنے اللہ پر ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو بہتر اور مناسب سمجھے کر دے۔ بلکہ درویشوں کا کام تو صرف دعا کرنا ہی ہوتا ہے

اور اپنے پروردگار کے علاوہ کسی اور در کی انہیں تو خبر ہی نہیں ہوتی۔

## غزل ۱۵

۱

آہ درد آلودہ مناں جان جانہا رابسوخت

سینہ مجروح ہر مجنوں و شیدا رابسوخت

(میری درد آلودہ آہ نے جانوں کی اس جان کو جلا ڈالا اس کی تاثیر سے سب کچھ جل گیا۔ ایک مجروح سینہ نے ہر مجنوں' اور دیوانے کو جلا ڈالا)۔

بتایا جاتا ہے آتش عشق دنیا جہاں میں اللہ کے سوا باقی ہر شے کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ گویا جو اپنے پروردگار کے عشق میں مبتلا ہوتا ہے وہ دنیا کی ہر طلب و خواہش کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ اس کائنات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہوتا ہے اللہ کا عاشق اس سے بے نیاز اور لایحتاج ہو جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے یا جو بھی غیر اللہ ہے اس کی عاشق صادق کے سامنے پرکاہ کی بھی حیثیت اور اہمیت نہیں ہوتی۔ اسی تناظر میں کہا گیا ہے کہ آہ درد آلودہ نے سب کو جلا کر رکھ دیا۔

۲

از جگر ہائے کباب ایں آہ من زد آتشے

آہ زیں آہ جگر سوزے کہ دلہا رابسوخت

(میری آہ نے میرے کباب شدہ اور جلے ہوئے جگر سے وہ آگ بھڑکائی کہ اس جگر سوز آہ نے کئی دلوں کو جلا ڈالا اس نے سب کچھ بھسم کر کے رکھ دیا۔)

میرا جگر عشق الٰہی کی تپش سے جل کر کباب ہو چکا ہے۔ وہ اس طرح سے جلا بھنا ہوا ہے کہ اس سے آہوں کے سوا اور کچھ نہیں سنائی دیتا اس جلے بھنے جگر سے جو آہیں نکل رہی ہیں' انہوں نے تو اور لوگوں کے دلوں کو بھی جلا کر رکھ دیا ہے۔ اس جلے بھنے اور کباب شدہ جگر کی وجہ سے عاشق زار کے جسم و جان میں جو ایک خاص آگ بھڑکتی ہے' اس سے وہ خود تو جلتا اور

سوزاں رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسرے درد دل رکھنے والوں کو بھی بھسم کر کے رکھ دیتا ہے اور یوں اس کا درد وغم آفاقی سا ہو جاتا ہے اور وہ سب کا غم بن کر سامنے آتا ہے۔

(۳)

با مدرس گفتم از سوز دل خود شمہ

آتشے در جانش افتادہ سرو پا رابسوخت

میں نے اپنے مدرس سے اپنے سوز دل کا ایک شمہ بھر حال بتایا تو اس سے اس کے دل و جان میں وہ آگ لگی کہ جس سے اس کا سرو پا جل کر بھسم ہوگیا)۔

عشق حقیقی کی آگ اور تڑپ بے پناہ اور بے حد وحساب ہوتی ہے۔ اسی لیے اس عشق کو برداشت کرنا ہر ایک کے بس کے بات نہیں ہوتی۔ جو سچے اور صادق ہوتے ہیں وہ راہ عشق کے مصائب اور آلام ہی کو عشق کا ثمر سمجھتے ہیں اور وہ اپنی اسی حالت میں مدام خوش اور مست و مدہوش رہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں نے اپنے مدرس اور معلم سے یوں ہی اپنے درد دل کی و سوزش اور تب و تابش و تاب و تب کا ایک معمولی اور تھوڑا سا ذکر کیا اسی ذکر سے اس کے دل و جان میں ایسی سوزش اور آگ لگی کہ وہ جل بھن کر بھسم ہو کر رہ گیا۔

(۴)

پیش یوسف گر رسی روزے بگوئی اے عزیز

آتش عشق تو سرتاپا زلیخا رابسوخت

(اے عزیز! اگر کبھی یوسف علیہ السلام کے ہاں جانا ہو تو انہیں یہ خبر دینا کہ تیرے عشق کی آگ نے زلیخا کو سر سے پاؤں تک جلا کر رکھ دیا ہے)۔

عزیز مصر' ملک مصر کا بادشاہ اور زلیخا کا شوہر بھی تھا۔ اس نے ایک وقت پر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید و بند میں بھی رکھا ہوا تھا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اے عزیز! اگر کبھی تم حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جاؤ تو انہیں یہ اطلاع ضرور کر دینا کہ تمہارے عشق کی آگ نے زلیخا کو سر سے پاؤں تک جلا ڈالا ہے۔ اس سے یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ آتش عشق ہر شاہ و گدا کو یکساں جلا کر رکھ دیتی ہے۔ زلیخا جو عزیز مصر کی بیوی تھی وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق ہوگئی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا کہا نہ مانا تو اس نے ان پر تہمت لگا کر انہیں قید خانے میں ڈلوا دیا تھا لیکن اس کے باوجود آتش عشق کم نہیں ہوئی تھی۔

⑤

نوبہاراں اشک ریزاں' جانب صحرا شدم
آہ گرمم سبزہ ہائے کوہ و صحرا رابسوخت

(میں فصل بہار میں آنسو بہاتا ہوا صحرا کی جانب نکل گیا۔ میں گیا تو اپنے صبر و سکون کے لیے تھا لیکن میری آہ گرم سے پہاڑوں اور صحراؤں کا سب سبزہ جل کر بھسم ہو گیا)۔

بتایا جارہا ہے کہ آتش عشق بے پناہ ہوتی ہے یہ صرف دل عاشق ہی ہوتا ہے کہ جو اس کو سنبھالے اور برداشت کیے رکھتا ہے۔ دل عاشق کے علاوہ اس آتش عشق کو کوئی اور ہرگز سنبھال ہی نہیں سکتا۔ عاشق کی اس آگ کے باعث اس کی گریہ وزاری' اس کی آہیں' اس کا شور و غوغا سب آتش مزاج اور آتش اثر ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عاشق صادق کی آہوں اور گریہ وزاری میں بھی سوزش او تپش ہوتی ہے۔ اس کے اثر سے بیرونی دنیا اور گرد و نواح جل جاتا ہے یہ ایک حد تک شاعرانہ تخیل بھی ہے۔

⑥

محی نادانست کاں یاراں بغفلت می روند
خرقہ و تسبیح و مسواک و مصلیٰ رابسوخت

(محی الدین! تیرے دوستوں کو تیری حالت کی خبر ہی نہ ہوئی اور وہ غافل ہو کر چل دیئے۔ حالانکہ تم نے خرقہ تسبیح' مسواک اور مصلیٰ کو بھی اپنے عشق میں جلا ڈالا ہے۔تم تو اور ہی ہو چکے ہو۔)

صوفیائے کی ضروری اشیاء اور زاد حیات میں صوفیا کا لباس خرقہ جو پرانا پیوند لگا ہوا درویشوں کا لباس ہوتا ہے اسے گدڑی بھی کہتے ہیں۔ تسبیح ذکر و وظائف کے لیے ہوتی ہے اگرچہ حساب دوستاں در دل ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود صرف دل کی تسلی اور اطمینان کے لیے حساب کتاب اور گنتی شمار کے لیے تسبیح ہوتی ہے۔مسواک سے منہ اور دانتوں اور زبان کی

صفائی ہوتی رہتی ہے اور اسی طرح مصلٰی عبادت کی جا اور جگہ ہوتا ہے اس پر کھڑے ہو کر نمازیں بھی ادا کی جاتی ہیں اور بیٹھ کر عبادات اور ذکر اذکار بھی کیا جاتا ہے۔ دوستوں نے نادانستگی میں محی الدین کی حالت اور کیفیت کو نہ جانا حالانکہ وہ تو عشق الٰہی میں اس قدر مستغرق تھے کہ انہوں نے تو صوفی کے ضروری ظاہری لوازم کو بھی جلا کر رکھ دیا تھا۔

## غزل ۱۶

۱

باتو اے عاصی! مرا صلح ست ہرگز جنگ نیست
زانکہ غیر ازغم ترا اندر دل تنگ نیست

(اے عاصی' گناہگار! تیرے ساتھ میری صلح ہے کسی طرح کی جنگ کی صورت ہرگز نہیں ہے۔ تیرے تو تنگ سے اور چھوٹے سے دل کے اندر غم کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ گناہگار کو اس طریق سے بحوالہ عفو فرماتے ہیں کہ اے میرے غم نصیب بندے! میں نے تجھے تیرے دل میں سے دیکھ لیا ہے۔ تیرا دل معصوم اور بے گناہ ہے۔ اس کے چھوٹے سے حجرہ قلب میں گناہوں او عصیان پر پریشانیوں اور پشیمانیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس میں غم اور پچھتاوا ہی بھرا ہوا ہے۔ اس لیے اے گناہوں سے ڈرنے والے عاصی شخص تیرے ساتھ میری صلح ہی صلح ہے' تجھے پشیمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور تو میری رحمت اور غفران سے اپنے دل کو تنگ نہ کر۔

۲

روئے زرد خود بما کن زانکہ بر درگاہ ما
ہیچ روئے تربہ زردی زعفرانی رنگ نیست

(اے میرے بندے! تم اپنا زرد چہرہ ہماری جانب کرو کیونکہ اس میں شک نہیں ہے کہ تمہارے چہرے کی زردی کے مقابلے میں ہمارے سامنے زعفران کی زردی ہیچ اور کمتر

ہے)۔

فرمان حق تعالیٰ اس طرح سے ہو رہا ہے کہ ہمارے ڈر خوف کی وجہ سے اور گناہوں پر پشیمانی کے باعث تیرا چہرہ خوف الٰہی میں زرد فق ہو چکا ہے۔ یہی تمہارے گناہوں پر تمہارا تاسف اور ندامت ہے۔ اس صورت میں زعفران کی زردی جو بڑی ہی چکا چوند ہوتی ہے اس کی ہماری نظر میں کوئی قدر و وقعت نہیں ہے۔ وہ تمہارے چہرے کی زردی کے مقابلے میں ہیچ اور گھٹیا اور کمتر ہے اس لیے تم اپنا زرد چہرے ہماری طرف ہی کیے رکھو۔ ویسے بھی زعفران کی زعفرانی زردی اس میں ایک خلقی صفت ہے جبکہ تمہارے چہرے کی یہ زردی سراسر تمہاری وارد کردہ اور پشیمانی کے نتیجہ میں ہے۔ یہ خوف الٰہی سے آئی ہے۔ اس لیے یہ زعفرانی زردی سے بہتر ہے۔

(۳)

دردلِ شبہا رسن در گردن افگن توبہ کن
بندہ را پیش خدا از توبہ کردن تنگ نیست

(راتوں کو تنہائی کے عالم میں اپنی گردن میں رسی ڈال کر توبہ کر لے اور اس میں کسی قسم کی شرم یا عار کی بات نہیں ہے کہ بندہ اپنے رحیم و کریم پروردگار کے سامنے توبہ کر لے)۔

اس شعر میں پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندے کو اپنے ستار العیوب اور غفار اور نجات دہندہ ہونے کی جانب متوجہ کرایا ہے کہ بحوالہ قرآن مجید ''تم اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی مانگ لو' (توبہ کرلو) وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ وہ ضرور تمہارے گناہ معاف کر دے گا (اور خوش ہو کر معاف کر دے گا)۔'' (۱۰:۷۱)۔ راتوں کی تنہائی میں اللہ التواب سے معافی مانگنے میں پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی پردہ داری کو ملحوظ رکھنے کی جانب بھی اشارہ کرتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہوں پر خلق میں شرمندہ نہ ہو بلکہ اس کے بجائے تمہیں تو اپنے پردہ دار ستار العیوب کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے کسی طرح کی ندامت اور شرمندگی نہیں ہونی چاہیے۔

(۴)

گر شراب و بنگ خوردی' توبہ کن اللہ گو

یاد ماکن چوں ذہانت پر شراب و بنگ نیست

(اے میرے بندے! اگر تو نے شراب اور بھنگ بھی پی رکھی ہے لیکن اس کے باوجود تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس کے باوجود بھی اپنے اللہ سے توبہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنے منہ کو شراب اور بھنگ سے پاک صاف کر کے ہمارا نام لے۔)

پروردگار عالم نے بندے کے لیے آسانیاں اور مراجعت کی راہیں کھلی رکھی ہوئی ہیں۔ اسی لیے فرمایا جا رہا ہے اگر تو نے شراب اور بھنگ جیسی خمار آلود اشیاء بھی پی رکھی ہیں تو پھر بھی تو اللہ کی رحمت اور بخشش سے ناامید نہ ہو بلکہ اس حالت میں بھی اپنا منہ اور خبائث سے پاک صاف کر کے اللہ سے توبہ کر لے ویسے بھی انسان کہ یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا پاک اور طاہر نام ناپاک اور ناصاف منہ سے لے۔ اس لیے اللہ کو یاد کرنے اور تائب ہونے کے لیے بھی منہ کا پاک صاف ہونا ضروری ہے۔

(۵)

مابدی ہارا بہ نیکوئی بدل خواہیم ساخت

کار مابا بندگان بد بجز ایں رنگ نیست

(ہم تمہاری تمام برائیوں اور گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیں گے۔ جو گناہگار بندے ہوتے ہیں' ہم ان کے ساتھ اس سلوک کے سوا اور کوئی سلوک نہیں کرتے)۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قاعدہ قانون ہے کہ وہ جب چاہتا ہے گناہگاروں کی سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے۔ اس ضمن میں ارشاد باری یوں موجود ہے کہ "ہم نے بعد ازاں انکی سیئہ کو حسنہ میں بدل دیا۔ حتیٰ کہ وہ خوش ہو گئے۔" (۹۵:۷)۔ گویا جب گناہگار اپنے اعمال بد یعنی سیئات پر توبہ کر لیتے ہیں تو پھر وہ احسن اعمال کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ یوں ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے کیونکہ جب بندہ خود "برائی کا دفعیہ بہترین نیکی سے کرتا ہے۔" (۴۱:۳۴) تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل سے اس کی برائیوں کو بھی نیکیوں میں بدل

دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے تائب ہونے والے اور گناہوں سے رک کر نیکیاں کرنے والوں کے ساتھ سدا اسی حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔

(۶)

در دل سنگین بدکاراں امید فضیل ماست
جائے جوہر ہائے سنگین جز میان سنگ نیست

(برے اور بدکار لوگوں کے پتھر دل کے اندر ہمارے فضل و کرم کی امید موجود ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ جو سخت ترین یعنی قیمتی پتھر ہوتا ہے وہ پتھر کی سختی کے اندر ہی تو ہوتا ہے)۔

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ بدکار لوگوں اور عصیاں زدہ لوگوں کے دل پتھر ہو چکے ہوتے ہیں۔ لوگ معصیت اور عدوان سے ذلیل ہو جاتے ہیں۔ ان کے اپنے ہی ظلم کے ساتھ دل پتھر ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر پھر ایک عمیق اور گہرے امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ پتھر دل لوگ بھی اللہ جل شانہ کے فضل اور کرم کے ملتجی اور امیدوار ہوتے ہیں' اس لیے کیونکہ عام طور پر قیمتی ترین جواہرات سدا سخت ترین پتھروں ہی کے اندر سے میسر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سخت دل گناہگاروں کو بھی اپنے دامن امید سے دور نہیں رکھنا چاہتے۔

(۷)

عاصیاں دارند نظر برما و ما بر عاصیاں
ما چوں کردیم آشتی کس را مجال جنگ نیست

جب گناہگار اپنی التجا بھری اور پر امید نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہیں اور ہم اپنی (فضل وکرم کی) نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہیں۔ اس لیے جب ہماری دوستی ہے تو پھر کسی کو ان سے جنگ کرنے کی کیا مجال ہے)۔

نافرمان' باغی' سرکش اور عصیاں کے مارے ہوئے لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ سے دبے ہوئے بھی ہمیں ملتجی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس کے جواب میں ہماری اکرام والطاف بھری نگاہیں بھی ان پر لگی ہیں۔ گویا ہماری تو گناہگاروں کے ساتھ صلح' آشتی' محبت اور امن

بھری دوستی ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ کسی کو جنگ کرنے کی کیا مجال ہو سکتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک صفت عالی التواب بھی ہے اور جب کوئی بندہ اپنے گناہوں پر توبہ کر کے اللہ کی جانب رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے گویا ایک بچے کی باہیں پھیلا کر منتظر ماں کی طرح انتظار کرتے ہیں تا کہ اسے معاف کر دیں اور خوشی سے نہال سے کر دیں۔

۸

پشہ لنگے کہ بار اُو گراں اُفتادہ است
می رود افتان وخیزاں گرچہ پیش آہنگ نیست

(گناہگار) کی مثال اس لنگڑے مچھر کی سی ہوتی ہے کہ جس کا بوجھ گراپڑا ہو اس سے کمزوری اور ضعف واضح ہے۔ اس کے باوجود وہ گرتے پڑتے بدحواسی کے سے عالم میں آگے ہی کی طرف چل رہا ہو اگرچہ وہ کسی قافلے کے آگے نہیں ہے)۔

اس شعر میں گناہگاروں کی اس آس اور امید کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے لنگڑے مچھر کی طرح ڈگمگاتے' گرتے پڑتے' گھبراہٹ کے عالم میں بدحواس سے ہو کر آگے ہی آگے کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ تو کسی کاروان کو لے کر چل رہے ہیں اور نہ کوئی قافلہ ہی ان کی رہنمائی سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ البتہ اس ناامیدی اور افتاں وخیزاں پیش رفت میں بھی اللہ رحیم وکریم پر ان کی نظر ہوتی ہے۔

۹

نیک مردان جہاں گر چنگ در طاعت زنند
محی مفلس مرتز اجر فضل حق در چنگ نیست

(دنیا جہاں میں نیک لوگوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ طاعت حق میں نیکیاں ہی جمع کرتے چلے جائیں لیکن افسوس کہ محی الدین تو تہی داماں ہے۔ اس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں۔ اس کا صرف تیرے فضل وکرم پر بھروسہ ہے)۔

اس دنیا میں لوگوں کی شعوری کوشش تو یہی رہی ہے کہ آخرت کے لیے کچھ جمع کرتے

چلے جائیں اور اللہ کے نیک بندے سچ مچ نیکیوں کے بے پناہ خزانے جمع کر لیتے ہیں۔ لیکن بے چارہ محی الدین (یہاں پر محی سے مراد ہر عام شخص بھی ہو سکتا ہے) تو نیکیوں سے خالی ہے۔ اس کے نیک اعمال زیادہ نہیں ہیں۔ اس کے باوجود وہ ناامید رحمت نہیں ہے۔ اسے اس تہی دامنی کے باوصف بھی پروردگار عالم کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے کہ اسے اللہ الغفور ضرور اپنے دامن غفران میں لے کر بخش دے گا۔

## غزل ۱۷

(۱)

پائے دل در کوئے عشقت تابزانو در گلست
ہمتے دارید بامن زانکہ کاریہ مشکل است

(اے اللہ! تیرے کوچہ عشق میں میرے دل کے پاؤں زانوؤں تک سنے ہوئے اور کیچڑ میں لت پت ہیں۔ میرے دوستو! پوری ہمت کے ساتھ میری مدد کرو کیونکہ میں ایک مشکل کام میں پھنسا ہوا ہوں)۔

بتایا جا رہا ہے کہ عشق کرنا کوئی آسان اور عام سے کام نہیں ہے بلکہ اس عشق میں کیفیت یوں ہو جاتی ہے کہ عاشق اس میں پورے دل و جان کے ساتھ پھنستا ہی چلا جاتا ہے۔ سمجھانے کی خاطر یوں بھی کہا گیا ہے کہ میں تو وادیٔ عشق میں آ کر گھٹنوں تک اس کے کیچڑ میں دھنس چکا ہوں اور لت پت حالت میں ہوں۔ اے میرے دوستو! میری مدد کرو۔ میں وادی طلب میں گھرا ہوا ہوں۔ مجھے منزل مراد سے ہمکنار کرانے کی خاطر بڑی ہمت اور جوانمردی کے ساتھ میرا ساتھ دو۔

(۲)

من ندانم کیں دل دیوانہ رامقصود چست
کو ہمیشہ سوئے سرگردانی من مائل ست

(مجھے اس کی خبر نہیں ہے کہ میرے دیوانے دل کا آخر کیا مقصد ہے اور وہ تو مجھے ہمیشہ

پریشان کرنے ہی پر لگا ہوا ہے)۔

راہ عشق میں اب کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ میرا سودائی اور فریفتہ دل میری جان ہی کا دشمن بنا ہوا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ اپنی دیوانگی میں میرے ساتھ اور کیا کچھ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ نہیں معلوم یہ میرے دل کی دیوانگی میرے عشق کی نعمت ہے یا کہ وارفتگی کی انتہا کا نتیجہ ہے۔ بہر حال یہ تو سدا میری سرگردانی' انتشار' دکھ' مصیبتوں اور حیرانی اور تردد میں بدستور اضافہ ہی کیے چلا جا رہا ہے۔ ان آلام و مصائب کی انتہا کہاں ہوگی مجھے اس کی بھی کوئی خبر نہیں ہے۔

(۳)

فیل محمودی فروماند اگر بیند بخواب

بار سنگینے کہ از درد تو مارا بہ دل است

(تیرے درد کا سنگین اور بھاری بوجھ میرے دل پر اس قدر زیادہ آن پڑا ہے کہ اگر اس بوجھ کو سلطان محمود غزنوی کا ہاتھی جو بہت طاقت اور مضبوط تھا' خواب میں بھی دیکھ لے تو تھک کر نیچے دب جائے)۔

اے دوست' تیرا درد میرے لیے ایک بہت بڑا اور ثقیل بوجھ بنا ہوا ہے۔ یہ میرا ہی دل ہے جو اس سنگین اور بوجھل وزن کو بخوشی بلکہ اپنی ہی ضرورت کے تحت اٹھائے ہوئے ہے۔ دنیا جہاں کو کیا معلوم کہ یہ بوجھ کس قدر وزنی اور سنگین ہے۔ یہ بہت وزنی بوجھ ہے' محمود کا اگر کوئی ہاتھی کہ جو اپنی قوت اور طاقت میں بہت نمایاں اور بڑا ہی حوصلے والا ہوتا ہے۔ اگر وہ میرے دل کے اس بوجھ کو خواب میں بھی دیکھ لے تو وہ کمزور ہو کر تھکنا شروع ہو جائے اور اپنے آپ کو بوجھ تلے دبتا ہوا بھی محسوس کرنے لگے۔ اس بات سے ہمارے دل کی طاقت' قوت اور مضبوطی کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۴)

اے دل آوارہ آخر چند می گوئی مگو

اندروں کوئے کہ پائے صد ہزاراں در گل ست

(اے میرے آوارگی پسند دل' تو اپنی دیوانگی میں کہاں تک شور مچاتا رہے گا۔ خاموش

ہو جا شور نہ مچا۔ عشق کے اس کوچے میں لاکھوں عاشق کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں)۔

اے میرے مضصرب حال' آوارہ مزاج اور سرگرداں اور پریشان دل تیرے شوروغوغا اور آہ وزاری کا کوئی فائدہ اور ٹھکانہ نہیں ہے۔ تو واویلا کر کے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے اور تو کب تک کتنی دیر تک اپنی اس روش کو اختیار کیے رکھے گا اور تجھے کیا اس کی خبر بھی ہے کہ تیرا کیا انجام ہوگا۔ کیا میرے دل دیوانہ تجھے اس امر کی بھی خبر ہے کہ اس وادی عشق میں تو لاکھوں ہزاروں عشاق موجود ہیں اور وہ سب کوچہ عشق و محبت کی دلدل میں گھٹنوں تک پھنسے ہوئے ہیں۔ جس میں سے نہ وہ نکل سکتے ہیں اور نہ ان میں چلنے پھرنے کی ہمت ہے۔

## ⑤

### ہم دم آہ ست ومحرم غم' در ایام شباب
### وقت عیش و نوجوانی و چہ خوش ما حاصل ست

(دور شباب میں ''آہ'' میری ہم دم اور رفیق ہے اور میرا ''غم'' ہی میرا محرم راز ہے۔ دیکھا میرے عیش اور جوانی کے عہد کا میرے پاس کتنا اچھا ماحصل ہے۔ اور کیسے کیسے ساتھی ہیں)۔

دور جوانی اور عروج شباب کا زمانہ بھی کتنا حسین' خوب صورت اور باحوصلہ ہوتا ہے۔ اس عہد میں میری غم گسار' میری ساتھی' میری رفیق میری آہیں ہی بنی ہوئی ہیں۔ بھلا میری آہوں کی اس رفاقت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے! اور یہ آہیں صرف ہائے' وائے اور افسوس ہی نہیں ہیں بلکہ یہی تو میرا سرمایہ عشق ہیں۔ اسی طرح اس عشق میں ''غم'' پریشانیاں' مصائب اور مشکلات کو میں نے اپنا ہم راز اور راز دان بنا رکھا ہے۔ یوں یہ غم پھر میرے لیے نہ پریشانی بنتے ہیں اور نہ باعث تشویش رہتے ہیں بلکہ وہ تو میرے سچے' ہمدرد' ساتھی' واقف' راز میں شراکت دار اور میرے بھید اور راز جاننے والے ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی نگاہ عشق و محبت سے دیکھے تو میرے عشق کی یہ نعمتیں میرے لیے کتنی حسین اور عظیم ہیں۔

(۶)

خود بخود گویم سخنہا چوں بگریم زار زار

محرم راز غریباں لابد اشک سائل ست

(میں زار و قطار روتے ہوئے خود بخود ہی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ میرے یہ بہنے والے آنسو ہی مجھ سے غریبوں کے ہم راز بنے رہتے ہیں)۔

گریہ وزاری اور رونے دھونے کی حالت تو بڑی ہی آسودگی بخش ہوتی ہے۔ اس سے تو عاشق صادق کئی نئی وادیوں اور کیفیتوں میں چلا جاتا ہے۔ میں تو اپنے زار زار رونے کے دوران میں اپنے آپ سے بہت گہری اور دور تک باتیں کرتا چلا جاتا ہوں۔ یہ باتیں اور کلام مجھ سے خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ میرا اس پر اختیار وارادہ بھی نہیں ہوتا اور پھر میں تو یہ بھی محسوس کرنے لگتا ہوں ہم سے غریبوں کا کون ساتھی، غم خوار اور محرم راز کوئی ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے تو یہ اشک رواں ہی ہمارے محرم راز اور ہماری صورتوں اور کیفیتوں کو جاننے والے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہمارے ان آنسوؤں اور اشکوں کو سدا سلامت رکھے۔

(۷)

محی تو در زندگانی گرگماں داری کہ تو

راہ حق رفتی، یقیں محی راں کہ فکرے باطل ست

(اے محی الدین! اگر تو اس زندگی میں اس وہم وگمان میں ہے کہ تو حق کی راہ راست پر چل رہا ہے، تو یہ تمہارا خیال باطل نہیں ہے بلکہ یہی تو وہ یقینی حالت ہے)۔

اے محی الدین! تو جس راہ راست پر کار بند اور گامزن ہے وہی اللہ کی راہ ہے۔ وہی صراط حق اور صراط مستقیم ہے۔ اس پر چلتے ہوئے تجھے کسی بد بختی اور غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ جان لو کہ وہی راہ حق ہے اسی میں مشیت ایزدی ہے اور اسی پر گامزن رہنے میں عافیت اور کامیابی ہے اگر تو نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اس راہ حق پر گامزن ہے تو اس راہ میں شک وشبے کے سائے موجود نہیں ہیں۔ اس میں وہم وگمان کے الجھاؤ بھی نہیں ہوتے بلکہ یہ صورت تو سراسر بحوالہ حق الیقین ہی عین الیقین بن جاتی ہے اور حق الیقین یعنی حق کو پورا پورا

دیکھنا اسی طرح سے عین الیقین یعنی سچ مچ کی رویت میں بدل جاتا ہے اور آنکھوں کو یقین کامل میسر آجاتا ہے اور روئت کا عمل پورا ہو جاتا ہے۔

## غزل ۱۸

۱

گفتا کئی تو باما ؟ گفتم کمیں غلامت
گفتا مگر تو مستی ؟ گفتم بنے زجامت

(اس نے پوچھا کہ ہمارے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟ میں نے بتایا کہ میں تو آپ کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں۔ میرے اس جواب پر وہ متعجب ہوا اس نے پوچھا شاید تم مستی میں ہو۔ میں نے کہا جی ہاں میں مست الست ہوں! میں آپ کے عشق کا جام محبت پی کر مست ہو چکا ہوں)۔

یہ اس کی بندہ پروری اور عنایت عظیم ہے کہ اس ذات نے ہم سے پوچھ ہی لیا کہ تمہارا ہمارے ساتھ کیا تعلق واسطہ اور رشتہ ہے۔ اس سوال کے جواب میں ہم نے بڑے فخر اور مباہات کے ساتھ جواب دیا کہ ہمیں رشتہ ناتہ تو معلوم نہیں البتہ ہمیں یہ سعادت ضرور حاصل ہے کہ ہم آپ کے نہایت ادنیٰ اور کمترین غلام ہیں۔ اس کے بعد پھر ہم سے پوچھا گیا کہ تمہاری صورت سے مستی کا کیوں اظہار ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو میں نے بتایا کہ یہ سرور و مستی اس لیے ہے کہ میں نے تو آپ ہی کے عشق کا جام خاص پی رکھا ہے۔ یوں میں آپ ہی کا غلام ہوں اور آپ ہی کے عشق کا جامِ نوش جاں کر کے مستی میں آیا ہوا ہوں۔

۲

گفتا چہ پیشہ داری ؟ گفتم کہ عشق بازی
گفتا کہ حالت چیست ، گفتم غم و ملامت

(اس نے دریافت کیا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ میں نے جواب میں کہا کہ عشق بازی میرا پیشہ ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ تیری حالت کیا ہے؟ میں نے جواباً بتایا کہ غم اور ملامت میں

لت پت رہنا)۔

اس نے ایک قدم اور بڑھا کر پوچھا کہ اے بندے تم کیا کرتے ہو کیا پیشہ رکھتے ہو؟ اس پر میں نے بڑے زعم اور بے نیازی کے ساتھ بتایا کہ ہمارا دین ایمان' کاروبار اور کام کاج صرف اور صرف عشق کرنا ہی ہے۔ یہاں پر بھی میں نے ایک بار پھر اسی محویت اور اپنائیت کے جلوؤں میں بتایا کہ میری ظاہری و باطنی حالت غم ہی غم ہے۔ غم واندوہ اور غم و ملامت کے سوا مجھے کچھ اور راس ہی نہیں ہے۔

﴿۳﴾

گفتا کہ چیست حالت ؟ گفتم کہ حال شاکر
گفتا کجا فتادی ؟ گفتم میان دامت

(اس نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے بتایا کہ ہر حال میں اس ذات کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ کہاں پھنسے ہوئے ہو۔ میں نے بتایا کہ آپ کے عشق میں پھنسا ہوا ہوں)۔

استفسار کیا گیا کہ اے میرے بندے تو کس حال میں ہے؟ اس پر میں نے بڑے وقار اور تمکنت کے ساتھ بتایا کہ جس حال میں میرا پروردگار مجھے رکھے میں تو سدا اسی حال میں اپنے آپ کو سب سے بہتر اور باعزو شرف جانتا ہوں۔ کیونکہ میرا کوئی حال اور میری کوئی حالت اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور میری کوئی حالت اور کوئی حال بے سبب بھی نہیں ہے۔ ہر صورت حال کو وہ خالقِ احوال خوب خوب جانتا ہے۔ پھر مجھ سے پوچھا گیا کہ میں کہاں الجھا ہوا اور کس جگہ پر پھنسا ہوا ہوں۔ تو اس پر میں نے پھر بتایا کہ میں تو آپ کے عشق کے جال میں جکڑا ہوا ہوں۔ اب اس میں سے میں نکلنا بھی چاہوں تو میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔

﴿۴﴾

گفتا ز من چہ خواہی ؟ گفتم کہ درد بے حد
گفتا کہ درد تا کے ؟ گفتم کہ تا قیامت

(پھر اگلے مرحلے پر سوال ہوا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس پر میں نے کہا کہ مجھے آپ کا دردِ

بے حد درکار ہے۔ کہ مجھے اسی درد سے سکون ملتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا یہ درد کب تک چاہتے ہو تو میں نے جواب دیا کہ قیامت تک کے لیے)۔

مجھ سے سوال کیا گیا کہ اے میرے بندے اس حالت میں تجھے میری بارگاہ سے کیا چاہیے۔ کس طلب میں تو اس قدر کٹھن مراحل میں سے گزر رہا ہے۔ اس پر میں نے اپنے لیے کسی آرام و راحت کی آرزو نہ کی بلکہ یہی درخواست کی کہ میری طلب اور آرزو یہی ہے کہ مجھے آپ کے عشق کا بے حد حساب درد مل جائے' اسی میں میری زندگی ہوگی' پھر بارگاہ ایزدی سے ارشاد ہوا کہ تم وہ درد کب تک چاہتے ہو اور کس دور تک اسے نبھا سکو گے؟ اس پر میں نے پھر برملا طلب کی کہ مجھے تمہارے عشق حق کا وہ درد قیامت تک حرز جاں بنائے رکھنے کی آرزو اور طلب ہے۔

⑤

گفتا چہ می پرستی ؟ گفتم جمال رویت
گفتا چہ داری بامن ؟ گفتم لبے ندامت

(اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں کس کی پرستش کرتا ہوں؟ اس پر میں نے کہا تیرے چہرے کے حسن و جمال کی۔ پھر پوچھا گیا کہ میرے لیے تمہارے پاس پسندیدہ چیز کیا موجود ہے؟ تو اس پر میں نے بتایا بجز ندامت میرے پاس اور کچھ نہیں ہے)۔

وہ سب کچھ جاننے پوچھنے اور علم رکھنے والا ایک بار پھر مجھ سے پوچھتا ہے کہ اے بندے تو کس کی پوجا اور پرستش کرتا ہے؟ کون تیرا معبود ہے؟ اس کے جواب میں میں نے اقرار کیا کہ اے میرے مالک اور میرے احوال کو سب سے بہتر جاننے والے' میں تو صرف تیرے چہرے کے حسن و جمال کی پرستش کرتا ہوں۔ اس کے سوا نہ مجھے کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ میں کچھ دیکھ ہی سکتا ہوں۔ اس لیے میرے معبود تیرے جمال کا حسن فراواں ہی ہے۔ اس وضاحت کے بعد اس نے ایک بار پھر مجھ سے پوچھا کہ: تیرے پاس' میرے لیے کونسی ایسی پسندیدہ چیز ہے جو میرے شایان شان ہو: تو میں نے ازراہ خجالت بتایا کہ میں تو سراپا ندامت میں ڈوبا ہوا ہوں۔ میرے پاس ندامت ہی ندامت ہے۔

(۶)

گفتا چہ گونہ بے من ؟ گفتم چوں نیم بسمل
گفتا چہ چیز داری ؟ گفتم ہمہ عزامت

(اس نے پوچھا کہ تمہارا میرے بغیر کس طرح وقت گزر رہا ہے؟ تو میں نے بتایا کہ نیم بسمل جانور کی طرح تڑپتے اور پھڑکتے ہوئے وقت گزارتا ہوں۔ اس نے پوچھا اب تمہارے پاس کیا چیز موجود ہے؟ میں نے پورے یقین سے بتایا کہ بلند ہمت اور غیر متزلزل عزم ہے)۔

سوال کرنے والا ہر سطح اور ہر نہج سے سوال کر کے پوچھ رہا ہے کہ تجھے مجھ سے عشق ہے اور تو میرے چہرے کے حسن و جمال کی عبادت کرتا ہے لیکن اس کے باوجود تو میرے بغیر کس حال میں کس کیفیت میں جی رہا ہے۔ اس پر میں صحیح طور پر بتاتا ہوں کہ اس طور پر میری حالت نیم ذبح شدہ اس جانور کی سی ہے کہ جو صرف تڑپ اور پھڑک سکتا ہے۔ یہ کوئی عام معمولی حالت نہیں ہے۔ اس حالت تک پہنچنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے اور ہر ایک اس حالت کو حاصل بھی نہیں کر سکتا۔ اسی پر اکتفا نہ کیا گیا پھر پوچھا گیا کہ تمہارے پاس اس حالت میں بھی کون سی خاص چیز موجود ہے؟ تو میں نے پورے وثوق، ایقان کامل اور ایمان کی سی پختگی کے ساتھ بتایا کہ میرے پاس عزم عظیم ہے۔ میرا عزم بالجزم یعنی پکا، پختہ اور مصمم ہے۔ اس میں کوئی جھول یا لچک نہیں ہے، میرا عزم ہی میرا حوصلہ اور میری دولتِ بے پناہ ہے۔

(۷)

گفتا چرا گدازی ؟ گفتم زبیم ہجرت
گفتا کہ باکہ سازی ؟ گفتم بایک ملامت

(اس نے پوچھا کہ تم اس قدر گداز کیوں ہو؟ میں نے جواب دیا کہ تیری جدائی نے میری یہ حالت کر دی ہے اور میں جدائی کے خوف ہی میں گھلے جا رہا ہوں۔ پھر پوچھا گیا کہ کون سی چیز تمہاری طبع کے موافق ہے، تو میں نے بتایا کہ صرف ملامت ہی میری طبع کے موافق ہے۔)

اس پوچھنے والے نے ایک اور مرحلے پر دریافت فرمایا کہ تم اس قدر گداز ہو کر گھلے کیوں جا رہے ہو۔ اس نرمی اور گدازی اور گھلاؤ کی کیا وجہ ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ بارِ الٰہی میں تو تیری ہجرت اور جدائی کے خوف اور غم سے ہی پگھلا جا رہا ہوں۔ اس میں میرا اپنا کوئی کمال یا ارادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر پوچھا گیا کہ کون سی چیز تمہاری طبع کے موافق ہے اور کس کا تو رسیا ہے؟ اس پر میں پھر معروض ہوتا ہوں کہ صرف ملامت ہی ملامت ہی تو میرے مزاج اور طبع کے عین موافق ہے۔ مجھے ہر طرف سے ملاتمت ہی اچھی اور بھلی لگتی ہے۔

⟨۸⟩

گفتا کہ کیست محی ! گفتم ہمانکہ دانی
گفتا نشاں چہ داری ؟ گفتم کہ صد علامت

(اس نے مجھ سے پوچھا کہ محی الدین کون ہے اور کیسا ہے' کس حال میں ہے؟ میں نے کہا کہ جیسا آں جناب چاہتے ہیں ویسا ہی ہے۔ اس نے پوچھا تمہارے پاس اس کی کیا نشانی ہے۔ میں نے کہا سینکڑوں علامات موجود ہیں)۔

اس پوچھنے والے نے بالآخر یہ سوال داغ دیا کہ محی الدین کیا ہے اور وہ کون ہے؟ اس پر میں نے کہ جو اپنی میں سے بالکل عاری ہے کہا کہ میں خود تو کچھ بھی نہیں ہوں' بلکہ میں تو وہی کچھ ہوں' جو اور جیسا تو مجھے جانتا ہے' تو نے جو مجھے بنایا ہے یا جس طرح کا تو مجھے خود دیکھنا اور جاننا اور بنانا چاہتا ہے میں وہی کچھ بنا ہوا ہوں۔ میری اس خود سپردگی اور بے بضاعتی پر پھر استفسار ہوا کہ تمہارے اس عمل اور اس خود سپردگی پر تمہارے پاس کیا نشان یا علامت ہے تو میری بے بضاعتی ہی میں سے یہ صدا ابھری کہ اس کے لیے تو میرے پاس سینکڑوں علامات اور نشانات موجود ہیں۔ اور اے باری تعالیٰ تو تمام شواہد سے خوب واقف ہے۔ میرے سوال جواب تو میرے لیے باعث شرمندگی ہیں۔

# غزال ۱۹

۱

غم تو مخور کہ عاقبت جائے تو صدر جنت ست

روئے دل تو تا ابد سوئے رضائے حضرت ست

(اے بندے! تو غم نہ کر بالآخر تجھے جنت مل ہی جائے گی۔ تو اس جنت کی طلب کر یا نہ کر اس کے باوجود تو اس کا حق دار ہے۔ کیونکہ ابد تک تیرا دل تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی میں لگا ہوا ہے)۔

اے انسان نیک اطوار تجھے کسی طرح کے غم واندوہ سے دوچار نہیں ہونا چاہیے' تو جس چیز یعنی جنت کا متلاشی ہے وہ ٹھکانہ تجھے ضرور مل کر رہے گا۔ یہ یوں ہی نہیں مل سکتا۔ تجھے جنت اس لیے ملے گی کیونکہ تو نے اس کے لیے اپنی مقدور بھر کوشش کی ہے تیری کوشش یہی تھی کہ تو نے ہمیشہ اپنے پروردگار ہی کی رضا جوئی میں اپنی زندگی گزار دے تو ابد تک اسی اللہ ہی کی رضا جوئی میں لگا رہا۔ اور اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ''من جدہ وجدا'' کہ جو کوشش کرتا ہے وہ ضرور حاصل کر لیتا ہے۔

۲

غم تو مخور کہ مرغ جاں چوں زتنت ہمی پرو

منزل آشیاں او مقعد صدق نیت ست

(اے دوست! غم نہ کرو کہ جب تمہارے جسم کے قید خانے سے آزاد ہو کر روح کا پرندہ پرواز کرے گا تو پھر اس کے آشیانے کی منزل اور قعدے کی جگہ صدق نیت بنے گی)۔

روح اس جسم اور جسد میں ایک مہمان پرندہ کی مانند رہتی ہے اور اسی روح سے اس جسم کے اندر جان اور زندگی ہے۔ جب یہ پرندہ پرواز کر کے جسم کو چھوڑ کر چلا جائے تو پھر اس پرندے کا مسکن اور آشیانہ بھی اور ہی ہوگا اس وقت اس کا آشیانہ صدق نیت ہوگا اور وہ اسی منزل صدق نیت کا مہمان ہوگا۔

(۳)

غم تو مخور کہ ایں تنت چوں بہ لحد فرو رود

خاک تن تو تا بحشر غرقہ بآب رحمت ست

(اے بندہ خدا! تو اگر اللہ والا ہے تو پھر غم نہ کر کہ جب تیرا جسم لحد میں اترے گا تو پھر تیرے جسم کی خاک سدا بلکہ حشر تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے پانی ہی میں ڈوبی رہے گی)۔

بتایا جا رہا ہے کہ اے میرے بندے تیری موت کے بعد جب تجھے قبر میں اتار دیا جائے گا تو تیرا جسم جو سراسر خاکی ہے وہ خاک میں مل کر خاک ہو جائے گا۔ لیکن تجھے کسی طرح کا غم کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ تیرے جسم کی خاک کو ہم اس قدر اہم اور قابل عزت سمجھتے ہیں کہ وہ حشر تک میری رحمت کے پانی میں ڈوبی رہے گی اور اسی سے وہ تر بہ تر رہے گا۔ یہ صرف اس لیے ہے تو نے اپنے اس جسم کی خاک کو دنیاوی گناہوں سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔

(۴)

غم تو مخور کہ حق ترا از ہمہ خلق برگزید

ایں زجمال لطف اوست نہ زکمال خدمت ست

(میرے بندے تم خوش قسمت ہو تم غم نہ کرو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں تمام خلق میں سے چن لیا ہے اور تیرا انتخاب اور چناؤ کوئی تمہاری کسی خدمت کا صلہ نہیں بلکہ یہ سراسر اللہ کا لطف و کرم ہے جو اس کے جمال کی وجہ سے ہے)۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے ساری مخلوق میں سے اپنے لیے چن لیا ہے۔ اس طرح تو ہمارا منتخب شدہ برگزیدہ اور محترم ہو گیا ہے۔ تیرا یہ چناؤ اور انتخاب تیری عبادتوں' نیکیوں اور تابعداریوں کے باعث نہیں ہوا ہے' اس میں تو سراسر ہمارے ہی لطف و کرم اور ہماری ہی عنایات کا نتیجہ ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے الطاف و اکرام کے جمال کی وجہ سے ہے جو سراپا رحمت اور فیوض و برکات ہی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام و مرتبہ بندے کی عبادات اور طاعت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا دارو مدار اسی کے فضل و کرم پر

ہوتا ہے۔

⑤

غم تو مخور کہ روز و شب سی صدو شصت لطف حق

در تو نظر ہمی کند ایں ہمہ از محبت است

(تم اے میرے بندے غم نہ کرو۔ کیونکہ ایک دن رات میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تین سو ساٹھ بار تجھے دیکھتا ہے اور جان لینا چاہیے کہ یہ سب کچھ اسی اللہ کی محبت ہی کا نتیجہ ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتے ہیں کہ اے بندے تجھے کسی طرح کے غم اور اندوہ سے دوچار ہونے کی ضرورت نہیں ہے تو تو سدا سدا کا اپنے خالق و مالک کی نظر میں ہے۔ وہ مدام تجھ پر اپنی نظر رکھے ہوئے ہے۔ رات دن میں وہ تین سو ساٹھ بار تجھے دیکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ تجھے دیکھنا اس کے لطف و کرم سے خالی نہیں ہے۔ اس کی ہر نگاہ میں ایک نئی شان اور نئی آن ہوتی ہے۔ اس لیے تو ہمہ وقت اس کی نگاہ' اس کی پناہ اور لطف و کرم کے مدام سایوں میں ہے۔

⑥

غم تو مخور کہ ہر کجا تو کہ توئی خدائے تست

در طلب تو خود خدا بندہ بگو چہ زحمت ست

(اے بندے جان لو کہ وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم غم نہ کرو کہ تم جہاں بھی ہو گے تیرا خدا بھی وہاں پر موجود ہے۔ اے بندے تو کیوں زحمت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ تو خود تیری طلب میں ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندے سے یہ فرمانا ہے کہ تو کسی بھی طرح سے غم سے نڈھال نہ ہو۔ تجھے غم یا فکر کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ خدا کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے اس کو بھی تو اپنا مسئلہ نہ بنا۔ بلکہ تو اس حقیقت کو قطعی طور پر جان لے کہ تو جہاں بھی ہوگا' تیری جہاں تک بھی پرواز ہوگی' تیرا پروردگار وہاں ضرور موجود ہوگا۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ اے میرے بندے' تجھے تو تیرے پروردگار سے جو طلب اور آرزو ہے' وہ تیری عبدی ضرورت اور

احتیاج ہے لیکن اس کے برعکس اے میرے بندے حقیقت تو یہ بھی ہے کہ مجھے بھی تیری طلب اور ضرورت ہے۔

(۷)

غم تو مخور کہ عشق خود باگل تو بہم سرشت
عشق خدائے تو بتم ہمدم وصل خلقت ست

(اے بندے تو غم نہ کر اس خدا کا عشق تیری مٹی ہی میں خمیر کیا ہوا ہے۔ اس لیے پروردگار کا عشق بندے سے جدا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس طرح سے تیرے ساتھ تیرے خدا کا یہ عشق تو خلقی ہے جو آفرینش سے جاری ہوا ہے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ اے میرے بندے، تو اپنے طور پر کسی غم اور اندوہ سے فکر مند نہ ہو پریشانی سے اپنے لیے عذاب نہ پیدا کر۔ تیرا تو تیرے خالق و مالک کے ساتھ ازلی عشق ہے۔ اور یہ عشق کوئی تو نے کمایا نہیں ہے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ یہ عشق تیری گھٹی میں سمایا ہوا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہ عشق الٰہی تو تیرے وجود کی خاک ہی میں خمیر کیا ہوا ہے۔ اس لیے یہ عشق حق تجھ سے الگ رہے یا علیحدہ ہو یہ کسی بھی صورت میں ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ لازمی اور لابدی رہے گا۔

(۸)

غم تو مخور کہ باتو ہست آن دگر بغیر تو
او نہ تو ہست و تو نہ اوگویند او بہ خلوت ست

(غموں سے نڈھال مردہ دل انسان! غم نہ کرو کہ وہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اگرچہ وہ تیرے ساتھ ہے لیکن اس کا وجود تیرے وجود سے جدا اور علیحدہ ہے۔ وہ تو نہیں ہے اور یہ بھی کہ تو بھی وہ نہیں ہے، لیکن کہتے ہیں کہ وہ خلوت میں ہے)۔

بندے سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندے تیرا پروردگار تیرے ساتھ ہے، اس لیے تجھے کس بھی حوالے سے اور کسی بھی طرح کے غم کرنے کی یا فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تیرا خالق و مالک پروردگار ہمہ وقت اور سدا تیرے ساتھ ہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ ہونا

اور ہی طرح سے ہے۔ اس کا چونکہ وجود نہیں ہے وہ تو نور مجسم ہے۔ اس لیے وہ تمہارے ساتھ ہونے کے باوجود بھی تجھ سے الگ اور جداگانہ ہے۔ کیونکہ تو وہ نہیں ہے اور وہ تو نہیں ہے۔ اس لیے الگ الگ بھی ہیں اور ساتھ ساتھ بھی اور اللہ کا بندے کے ساتھ ہونا بحوالہ خلوت ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی صفات عالیہ: احدیت' صمدیت' لم یلد' ولم یولد' ولم یکن لہ کفواً احد میں غیر انسانی' غیر مجسم اور تولید وولادت سے ماورا ہے۔

۹

غم تو مخور کہ بے شراب مست و خراب گشتہ

محتسبان شہر را گو کہ شراب جنت ست

(اس کی فکر اور غم نہ کرو کہ تم شراب پیے بغیر ہی مست و مدہوش ہو' شہر کے محتسبوں سے کہہ دو کہ میں نے تو جنت کی شراب پی رکھی ہے)۔

اے میرے بندے! تجھے اس امر کا غم اور فکر نہیں ہونا چاہیے کہ تو شراب حق کے نشے میں مدہوش ہے۔ تجھے اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ تو نے کیا پیا ہے یا تجھے کیا ہو گیا ہے۔ البتہ تو مدہوش' مست اور سرشار ہے۔ تجھے یہ مستی اور سرشاری کس نے بخشی ہے۔ اس کا اصل سبب کیا ہے اور یہ سب کچھ کیوں ہے۔ تجھے اس کی ہرگز خبر نہیں ہے۔ اس لیے اے میرے بندے! تو برملا شہر محتسبوں سے واضح طور پر بتا دے کہ تم نے اللہ کی جانب سے جنت کی شراب طہور پی رکھی ہے۔

۱۰

غم تو مخور کہ حق ترا بندہ خویش خواندہ است

بندگئ خدا ترا محی نشان دولت ست

(تم غم نہ کرو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ کہا ہے یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ اے محی الدین! اللہ کا بندہ ہونا تو تیرے لیے دولت' عزت و سعادت مندی کی علامت ہے)۔

یہ انسان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک بہت بڑی اور عظیم ترین نعمت اور عظمت انسانی کی بات ہے کہ وہ اسے اپنا بندہ قرار دیتا اور اپنا بندہ ہی اسے پکارتا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی

ذات بے ہمتا کی جو شان' عظمت' جبروت اور قدوسیت ہے۔ اس کا بندہ ہونا' نہ صرف بندہ ہونا بلکہ اس رب جلیل کا اسے خود اپنا بندۂ کہنا' بہت بڑا شرف اور عظیم ترین انسانی اعزاز ہے۔ اے محی الدین! تجھے تو اس کا احساس اور ادراک ہی نہیں ہوسکتا کہ اللہ کا بندۂ ہونا کتنی بڑی فضیلت' عظمت اور رفعت و مرتبت کی بات ہے' اس تعلق اور نسبت ہی کو بہت بڑی دولت' سعادت اور توقیر انسانی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

## غزل ۲۰

(۱)

مے صافی طلب جاناں کہ دردے کش گراں خوار ست
تو از ساقی نشانی گو کہ ایں جامست بسیار ست

(اے میرے ہم دم! صاف شراب طلب کرو' کیونکہ تلچھٹ اور تہہ نشین درد پینے والے تو اب بوجھل ہو چکے ہیں۔ اس صورت میں تو ہمیں ساقی کے ٹھکانے کی خبر کر دے کہ اس جگہ پر پینے والے مستوں کی تعداد بہت زیادہ ہے)۔

اے میرے دوست' تو میرا ساتھی ہے۔ تو مے خانے میں آیا ہے تو تو صاف ستھری شراب کی آرزو اور طلب کر۔ تیرے لیے صاف مے سب سے بہتر اور مناسب رہے گی۔ اس لیے اس مے خانے میں تجھے درد یعنی تہہ نشیں اور تلچھٹ طلب کرنے کی ضرورت اور حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ مے خورد جو درد کش تھے وہ تو بوجھل' ست اور کاہل ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب تم ہمیں از راہ عنایت ساقی کا مقام اور ٹھکانہ بتا دو۔ یہ اس لیے کہ یہاں پر پینے والے مستوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو چکی ہے۔

(۲)

ازیں سودائے عشق آخر سرت برباد خواہی داد
سرت چوں می رود خواجہ چہ جائے فکر دستار ست

(اے دوست دلگیر! اس سودائے عشق سے آخر کار تم اپنا سر تباہ و برباد کر لو گے۔ اور

اے خواجہ جب سر ہی سلامت نہ رہا تو پھر دستار کی حفاظت کی کیا فکر کرتے ہو)۔

بتایا جارہا ہے کہ اس عشق کے سودا' دیوانگی اور پاگل پن سے اے بندے تیرا سر بالآخر تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اس سودائے عشق میں تباہی اور بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ عشق اختیار کرنے کے بعد سوچ لینا چاہیے کہ اس میں تباہی اور شکست و ریخت ہی ہے۔ اس میں غم' ہجر اور ملامتیں سوغاتوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ سر کی بازی اس میں ایک عام دستور ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں دستار اور قبا کی کسے خبر رہتی ہے۔ جب سر ہی محفوظ نہیں رہتا تو پھر عمامہ اور دستار کی کون پرواہ کرتا ہے۔

(۳)

زبر کیسہ ترا نقدے بروں می باید آوردن

چنیں کار آید از دزدے سبک دستے کہ طرار ست

(ارے دل کے کیسہ سے نقدی نکالنے کے لیے تجھے بے حد احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ یہ کام تو چابک دست' تیز طرار چور ہی بہتر طریقے سے انجام دے سکتے ہے)۔

دل کے خزانے یا دل کے کیسے میں سے نقدی کو نکالنا کوئی آسان اور سہل کام نہیں ہوتا۔ اس کام کو تو کوئی ماہر سبک دست' تجربہ کار چابک دست اور نہایت احتیاط و حزم سے کام لینے والا چور ہی سرانجام دے سکتا ہے۔ یہاں پر یہ ساری صورت حال ایک تمثیلی علامتی انداز میں بھی بیان کی جاسکتی ہے۔ کیسہ قلب اور مخزن دل سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے پناہ اور عظیم اور کبھی نہ ختم ہونے والے رحمتوں' فیوض اور برکات و حسنات کے خزانے ہیں۔ ان کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے لیے شب بیداریاں' راتوں کی عبادتیں اور قیام اللیل ہی وہ خفیہ اور سبک ہاتھ ہوتے ہیں' جو وہ دولتیں حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴)

چوں در دکان ہر مرد منادی کر د شب گردے

کہ شب غافل مشو خواجہ عسس با دزد ہم یار ست

(ہر منادی کرنے والا' باخبر رکھنے والا ہر رات کو یہی منادی کرتا اور گشت کرتا ہے کہ اے

خواجہ رات کو غفلت میں نہ سونا' کیونکہ پاسبانی کرنے والا خود بھی چور کے ساتھ ملا ہوا ہے)۔

ہر پہرے دار اور منادی کرنے والے کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ طویل اور تاریک راتوں کو گھوم پھر کر اور صدا لگا کر سونے والوں کو متنبہ کرتا رہتا ہے کہ سیاہ کار چوروں سے ہوشیار اور باخبر رہنا۔ لیکن اب تو ہر منادی کرنے والا راتوں کو یوں منادی کرتا ہے کہ ہوشیار اور چوکنے رہنا' ہرگز غافل ہو کر نہ سو جانا کیونکہ اب تو صورت حال یہ ہے کہ پاسبانی کرنے والا' حفاظت پر متعین رات بھر چوکیداری کرنے والا تو خود بھی چور کا بھائی اور دوست بنا ہوا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس لیے تو اور بھی پرواہ اور حفاظت کی ضرورت ہے۔ اس شعر میں بین السطور نفس کی جانب اشارہ ہے کہ جو سدا مائل بہ عصیاں ہی رہتا ہے۔

۵

چوں سلطاں یار دزدے شد بشارت دہ تو راز داں را

نہ دستے و پائے می برند نے زندان و نے دار ست

(جان لینا چاہیے کہ جب سلطان خود چوروں کا یار دوست بن جائے تو اس پر تو چوروں کو یہ نوید سنا دینی چاہیے کہ اب نہ تو کسی کے ہاتھ پاؤں کٹیں گے نہ زنداں کی قید ہوگی اور نہ دار پر ہی کسی کو لٹکایا جائے گا)۔

یہ صورت حال نہایت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتی ہے کہ بادشاہ خود بھی چوروں' ڈاکوؤں' لٹیروں اور راہزنوں کا مصاحب' دوست اور ساتھی ہی نہیں بلکہ سچا اور پکا راز دان بھی بن جائے۔ ایسی صورت میں نقصان کا کون اور کیسے تدارک کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان احوال میں تو بدکار سیاہ کار اور لوٹ مار کرنے والوں کے لیے خوشخبری ہوتی ہے کہ تم جو چاہو اور جس طرح چاہو کرتے رہو۔ اب اس حال میں تو نہ تمہیں ہاتھ پاؤں کٹنے کی سزا کا ڈر خوف ہے۔ نہ قید و بند کی صعوبتوں اور مشکلات جھیلنے کی ضرورت ہوگی اور عدل اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے بعد کسی کو تختہ دار پر بھی نہیں لٹکایا جائے گا۔ اس سے بڑی اور کون سی بشارت اور خوش خبری ہو سکتی ہے۔

## ﴿۶﴾

بشارت داد آں سلطان مترسید اے تہی دستاں
کہ گنج رحمت رحماں' نثار ہر گنہگار ست

(یہ بھی عجیب بات ہوگئی ہے کہ بادشاہ جہاں نے نیکیوں سے عاری اور خالی لوگوں کو یہ خوشخبری دے دی ہے کہ اے لوگو! ہرگز نہ ڈرو' کیونکہ پروردگار کی رحمت کا خزانہ کلی طور پر گناہگاروں کے لیے وقف ہے)۔

سب حاکموں سے بڑے حاکم اور بادشاہوں کے بادشاہ نے از راہ عنایات فراواں اور اپنے انسانوں پر رحم و کرم فرمانے کی خاطر یہ سب کو بشارت سنادی ہے کہ اے نیکیوں او اعمال حسنات سے عاری لوگو! اے نیکیوں کے لیے ترساں لوگو! اے گناہوں اور عصیاں میں ڈوبے ہوئے انسانو! اپنی خطاؤں پر اپنے گناہوں پر' اپنے اعمال بد پر پریشان نہ ہوتے رہو۔ اب تم اللہ کے عذاب' دوزخ اور قبر سے بھی نہ ڈرو۔ اللہ الرحمٰن والرحیم نے اپنی رحمتوں کے کبھی نہ ختم ہونے والے خزانے سب کے سب گناہگاروں ہی کے لیے اور ان ہی کی خاطر وقف کردیئے ہیں۔

## ﴿۷﴾

شب اندر خود کہ چوں سلطان بجا سوسی ہمی گردد
کسے واقف شود زیں سر کہ او شب گرد عیار ست

(رات کے وقت جب بادشاہ خود جاسوس بن کر گشت کرنے لگے تو پھر اس راز کو صرف وہی شخص پا سکتا ہے جو خوب واقف ہو' راتوں کو گشت کرنے والا' ہوشیار اور پرکھنے والا ہو)۔

اگر رات کے وقت اندھیاروں میں' لوگوں سے چھپ کر اور جاسوس' مخبر اور خبر رساں بنکر بادشاہ خود ہی جاسوسی کے فرائض انجام دینے لگے اور وہ گشت بھی کرتا رہے تو بڑی ہی راز داری کی بات ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کے لیے بادشاہ کو خود کئی طرح کے بھیس بدلنے پڑتے اور روپ بہروپ اختیار کرنے پڑتے ہیں اور پھر ایسی صورت حال میں اس بادشاہ کے راز اور اس کی سرگرمیوں اور کارروائیوں کو جاننے کے لیے اس سے بھی بڑے عاقل' ہوشیار' ماہر' فنکار' باخبر' چالاک' چوکنا اور بہتر طور پر راتوں کو گشت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس شعر

میں ایک بار پھر نفس اور اس کی کارروائیوں کی جانب ہی اشارہ کیا گیا ہے کہ نفس کو نکیل ڈالنے کے لیے کس ہوشیاری' عقل مندی اور جرأت و حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

﴿۸﴾

بمحشر چوں شوی حاضر گناہت بود شد حاضر
مترسی زاں تو اے عاصی خداوند ستارست

(اے بندہ گناہگار! روزِ محشر جب تو حضورِ حق میں پیش ہوگا اور تیرے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے تو اس وقت اے گناہوں کے مارے ہوئے بندے' ڈر اور خوف میں مبتلا نہ ہو کیونکہ تیرا رحمٰن و رحیم اللہ گناہوں کو چھپانے اور بخشنے والا ہے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ اے گناہگار لوگو! اے اپنے گناہوں اور اعمال بد اور سیئات پر پشیمان ہونے والے انسانو! روزِ محشر قیامت میں جب تم اپنے اللہ کے سامنے جاؤ گے اور تمہارے گناہوں کے کھاتے بھی عیاں کیے جائیں گے تو وہ تو بہت کٹھن اور کڑا وقت ہوگا۔ لیکن اے گناہگارو! تمہیں اس نازک اور سخت وقت پر بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ تمہارا پروردگار' تمہارا مالک و خالق اللہ تعالیٰ تو اپنی صفات میں ستار العیوب یعنی عیبوں کی پردہ پوشی کرنے اور غفار الذنوب یعنی گناہوں پر مغفرت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات اور اسمائے حسنٰی کا اس وقت اظہار اور اطلاق ہوگا اور گناہگاروں کی بخشش ہوگی۔

﴿۹﴾

چرا اے بندۂ غمگیں چوں از لطف و کرم آخر
ترا باعیب ہائے تو خدائے تو خریدار ست

(اے بندے تو غمگین اور پریشان کیوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم تو بے انتہا ہیں۔ تیرے گناہوں اور اس کی رحمتوں کا کیا مقابلہ! تیرے گناہوں کے باوجود وہ محض اپنے لطف و کرم سے تیرا خریدار ہے)۔

اے گناہگار بندے۔ تو اپنے گناہوں کی وجہ سے بے حد پریشان ہے اور تجھے تیرے پروردگار کے سامنے جانے سے لاج آتی ہے۔ اس لیے تو غمگین بھی ہے اور ندامت میں

ڈوبا ہوا ہے حالانکہ اس فکر و تردد اور غم گو گرویدگی کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو سب سے زیادہ رحیم اور سب سے بڑھ کر کریم ہے۔ اس کے لطف و کرم بے پایاں اور بے حد و حساب ہیں۔ تمہارے تمام تر گناہوں اور عیبوں اور کوتاہیوں کے باوجود وہ تو صرف اپنے الطاف و اکرام کے ساتھ تیرا گناہوں سمیت خریدار ہے اور جس کا خریدار خدا خود ہو جائے' اس کی کتنی بڑی قسمت ہوتی ہے۔

(۱۰)

چوں خود گوید کہ اے بندہ' من آں سلطان بالطفم
کہ بردرگاہ من ہرگہ کہ می آئی ترا یارست

(بحوالہ توبتہ النصوح اپنے بندے سے اللہ تبارک وتعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! میں لطف و کرم کرنے والا بادشاہ ہوں' اس لیے تو جب بھی تائب ہو کر میری بارگاہ میں آئے گا تو میں تیرا دوست ہوں)۔

اللہ جل شانہ کے الطاف و اکرام سب کے لیے عام اور وافر ہیں۔ وہ حیلوں بہانوں سے اپنے بندوں پر لطف و کرم فرماتا رہتا ہے' اس کے باوجود اللہ جل شانہ وعز برہانہ خود اپنے بندے سے فرما رہا ہے کہ اے میرے بندے' میں ایک ایسا بادشاہ ہوں کہ جس سے اس کا لطف و کرم اس کی عنایات اس کی رحمانیت اور رحیمیت اس سے جدا نہیں ہو سکتی اور اس اعتبار سے اے میرے گناہگار بندے تو جب بھی اور جس وقت بھی اپنے گناہوں اور سیئات سے تائب ہو کر میری بارگاہ میں آئے گا مجھے الطاف و اکرم ہی سے پائے گا۔ تیرے تائب ہونے پر میں تو تیرا دوست بن جاؤں گا اور ارشاد باری ہے کہ اللہ تعالیٰ تواب الرحیم ہے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

(۱۱)

بہ رخ گر زرد شد عاشق نہ یرقاں باشدو نے دق
طبیب عاشقاں داند کہ از بہر چہ بیمارست

(جب عاشق کا چہرہ زرد اور پیلا ہو جاتا ہے اگرچہ اس وقت نہ یرقان ہو نہ دق ہو لیکن

عاشقوں کا طبیب تو خواب جانتا ہے کہ مریض عشق کیوں بیمار ہے)۔

عشق الٰہی میں خوف اور خشیت الٰہی کے باعث اللہ کے عاشقوں کا رنگ روپ زائل ہو جاتا ہے۔ چہرے کی رنگت زرد اور نہایت پیلا ہو جاتا ہے۔ یہ زردی اور پیلاہٹ انسان کی اندرونی کیفیات کی غماز ہوتی ہے۔ اس کی وجہ باری تعالیٰ کا خوف اور اس سے سامنا کرنے کا ڈر ہوتا ہے۔ یوں اللہ کے عاشق زرد رُو ہی ہوتے ہیں۔ یہ زردی کسی یرقان یا دق کا سبب تو نہیں ہوتی یہ تو سراسر خشیت الٰہی سے نمودار ہوتی ہے اور اس صورت حال کو محبوب یعنی عاشوں کا طبب خوب جانتا ہے کہ وہ پیلے چہرے والا ہمارے ہی عشق کا مریض ہے اس کی بیماری ہمارا ہی عشق ہے۔

﴿۱۲﴾

شراب عشق چنداں خور کہ سراز پائے نہ شناسی

کہ سر مستان حضرت راز ہشیاری بسے عارست

(عشق کی شراب پینے والو! شراب عشق اتنی زیادہ پیو کہ تمہیں اپنے سر اور پاؤں کا بھی ہوش نہ رہے' کیونکہ بارگاہ حق میں مستوں کی ہوشیاری عار ہوتی ہے)

بتایا جارہا ہے کہ اے اللہ سے عشق کرنے والو! اے شراب عشق سے نہال ہونے والو' تم اس میدان میں اس قدر زیادہ اور تواتر کے ساتھ شراب عشق نوش جاں کرو کہ تمہیں ہوش نہ رہے تمہیں تمہارے سر اور پیر کی بھی کوئی خبر نہ ہو' شراب عشق حق میں تم مکمل طور پر ڈوب چکے ہو اور اس کے باوجود بھی تمہاری تشنگی نہ بجھ رہی ہو۔ تمہیں مستی اور سرور میں کوئی خبر نہ ہو کہ تم کون ہو' کہاں ہو اور کدھر ہو۔ عشق حق میں بارگاہ ایزدی میں ہوش و حواس اور ہوشیاری تو سراسر عار ہوتی ہے' لیکن سراپا مستی اور سرشاری ہی قبول حق ہوتی ہے۔

﴿۱۳﴾

شتر چوں مست می گردد دہانش از علف بندد

اگر مست خدائی تو چرا حرص تو بار خارست

(اونٹ جب مست ہو جاتا ہے تو اس کا منہ چارہ کھانے سے بند ہو جاتا ہے۔ اے

بندے اس سے ہی تو نصیحت حاصل کر'اس لیے تو اگر اللہ کا سچا مست ہے تو پھر تجھے کانٹے کھانے کی حرص و ہوس کیوں ہے)۔

اونٹ کی یہ عادت اور جبلت ہے کہ وہ جب پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو پھر وہ چارہ کھانے کے لیے ہرگز اپنے منہ کو نہیں کھولتا وہ گائے کی طرح ہر سبزے اور چارے پر منہ نہیں مارتا۔ اور اس وقت تک دوبارہ نہیں کھاتا جب تک اسے دوبارہ کھانے کی حاجت اور اندرونی طلب نہ ہو۔ اونٹ کی اس مثال کے بعد انسان سے مخاطب ہو کر فرمایا گیا ہے کہ تو کیوں سدا اپنے پیٹ کو کانٹوں سے بھرتا چلا جاتا ہے۔ کانٹوں کا لالچ کرنے سے یہ بھی مراد ہے کہ انسان مدام دنیا ہی کو سمیٹنے اور جمع کرنے پر لگا رہتا ہے۔ دنیاوی مال تو سراسر وبال اور کانٹوں کی طرح ہے۔ اس کے جمع کرنے میں سکون نہیں ہے۔ سکون تو صرف صبر اور قناعت میں ہے۔

۱۴

اگر مستی تو پاکوباں همی بری بیاباں را
اگر ہشیاری می ترسی کہ راہ کعبہ پر خارست

(اگر تم عشق حق میں مست ہو تو پھر شوق سے رقص کرتے ہوئے بیابانوں کو بھی طے کر لو گے۔ عشق کی راہ میں کوئی رکاوٹ اومزاحمت حائل نہیں ہوسکتی۔ اور اگر ہوش میں رہو گے تو تمہیں تو کعبہ کا راستہ بھی کانٹوں سے پر دکھائی دے گا)۔

عشق الٰہی کی مستی بڑی ہی بامعنی اور پر کیف ہوتی ہے' اس مستی عشق ربانی میں بندہ بہت کچھ کر جاتا ہے۔ وہ شوق اور ذوق کے ساتھ مدام رقصاں رہتا ہے۔ وہ رقص کرتے ہوئے ہی کوہ ودریا اور بیابانوں کو باآسانی عبور کرتا چلا جاتا ہے۔ عشق کی مستی کے سامنے کوئی مشکل یا رکاوٹ دکھائی نہیں ہوتی۔ عشق کی مستی کے سامنے کوئی مشکل یا رکاوٹ دکھائی نہیں دیتی۔ یوں عشق والے عظیم الشان امور بھی سرانجام دیتے رہتے ہیں اور اس کے برعکس وہ کہ جو ہوش وخرد سے کام لیتے ہیں۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ ہر کام کرنے سے پہلے وارفتگی اور عشق کے بجائے برے بھلے اور نفع نقصان کا جائزہ لیتے ہیں' تو ایسے لوگوں کے لیے تو پھر کعبہ کا راستہ بھی پرخار اور ہزاروں مشکلات سے پر دکھائی دیتا ہے۔

﴿۱۵﴾

ترا یک حج بود سالے دلے در کوئے یار ما
گزارد ہر زماں حجے کسے کو عاشق زار ست

(اے بندے! تیرے لیے تو سال میں صرف ایک حج ہوتا ہے لیکن جو عاشق زار ہے اس کے لیے تو ہمارے یار کی گلی میں ہر لحہ حج ہوتا رہتا ہے)۔

اس میں شک نہیں کہ لوگوں کے لیے تو سال میں صرف ایک بار ہی حج ہوتا ہے اور پھر حج کے لیے ایک سال بھر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ وہ حج بھی ایک خاص مہینے میں اور پھر اس کے مخصوص دنوں میں ہی کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس عاشقوں اور فریفتہ لوگوں اور سدا سدا کے دل جلے عاشقوں کا تو ہر لحہ کوئے یار میں جانے سے حج ہوتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے عاشقوں کی اور ان کے حج کی فضیلت اور عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے اور پھر ان کے حج میں موسم' مہینے یا دنوں اور اوقات کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ سب کچھ عاشقوں کے عشق الٰہی کے صلے میں ہے۔

﴿۱۶﴾

طواف کعبہ کن حاجی مرا بگذار در کوئیش
کہ حج اکبر عاشق' طواف کوئے دلدارست

(اے حاجی! تم کعبے کا طواف کرتے رہو کہ تیرے حج کے لیے یہی ضروری اور فرض ہے۔ لیکن اس کے برعکس مجھے میرے پیارے کی گلی میں رہنے دو۔ عاشق کے لیے تو کوچہ دلدار کا طواف کرنا ہی اس کا حج اکبر ہوتا ہے)۔

خاص معرفت اور تصوف کے رنگ میں بتایا گیا ہے کہ اے کعبہ کے حاجی! تم تو اس کعبہ ہی کا حج کرنے کے لیے آئے ہو' اور تمہارا حج اسی کعبہ کا طواف کرنا ہی ہے۔ تمہارا کعبہ تمہارے سامنے ہے۔ تم اپنے اس کعبے کا طواف کرتے رہو۔ مجھے تمہارے اس طواف کی کوئی پرواہ اور طلب نہیں ہے۔ میرے لیے تو میرے دلدار یار کی گلی' اس کی بستی' اس کا شہر اور قریہ میرا کعبہ ہے۔ مجھے میرے یار' میرے محبوب کی گلیوں ہی میں رہنے دو۔ میرا تو اسی میں حج ہوتا

ہے۔ میرے لیے بار بار یار کی گلی میں جانا ہی حجِ اکبر ہوتا ہے۔ مجھے اس بڑی سعادت سے محروم نہ کر تو اپنے کعبے کا حج کرتا رہ مجھے میرے یار کی گلی میں حج اکبر کرنے دے۔

(۱۷)

شہیداں رانمی شو یند' شہید دوں مشو محی

کہ اندر مذہب رنداں کسیکہ مرد مردارست

(شہداء کو غسل نہیں دیا جاتا ہے۔ اے محی الدین تم عام شہید کا درجہ حاصل نہ کرو۔ کیونکہ رندوں کے مذہب میں جو مر گیا وہ مردار ہو جاتا ہے۔ تم ایک عاشق صادق کی موت مرو۔)

شہیدوں کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں یہ شان ہوتی ہے کہ انہیں دفن کرنے سے پہلے عام مردوں کی طرح غسل دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ رتبہ شہادت کے بعد بہت مراتب اور اعزازت و انعامات والے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اہل تصوف میں عشق والوں کو بہت بڑا مقام اور مرتبہ دیا جاتا ہے۔ اسی لیے شاعر نے فرمایا ہے کہ اے محی الدین تم عام شہید کا سا درجہ حاصل نہ کرنا۔ کیونکہ شراب عشق الٰہی پینے والے رندوں کا مذہب اور ان کی شرع اور ہی ہوتی ہے۔ اس میں جو مر جاتا ہے اسے مردار کا ہی درجہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اصل موت تو وہ ہوتی ہے جس میں عاشق زار فنا فی اللہ ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی باللہ ہو جاتا ہے۔

## غزل ۲۱

(۱)

ہر چہ از سنگین دلے بر جان ما آید خوش ست

گر وفا آید خوش و گر ہم جفا آید خوش ست

(ہماری ناتواں جان پر سنگ دل محبوب کی جانب سے جو بھی سلوک ہو وہ ہمارے لیے باعث مسرت و موجب خوشی ہے۔ چلیے اس کی طرف سے ہمیں کچھ تو ملا۔ اس کی طرف سے وفا ہو یا جفا ہو ہمیں خوشی سے قبول ہوگی)۔

ہمارے سنگ دل اور ظالم محبوب کی جانب سے ہمیں جو بھی سلوک ملے۔ وہ ہمیں تڑپاتا رہے۔ وہ وعدوں پر وعدے کرتا چلا جائے یا انتظار کی موت سے بھی شدید ساعتوں میں ہمیں ہر سانس زندگی اور موت سے ہمکنار کرتا رہے' اس کا ہر سلوک اور ہر رویہ اور اس کی ہر ادا ہمارے لیے خوش کن ہوگی۔ محبوب اگر ہمیں ہجر و فراق سے دوچار رکھ کر خوش ہے تو ہمارے لیے اس سے بڑی اور خوشی کیا ہوگی کہ وہ تو خوش ہے ہماری جو بھی حالت اور کیفیت ہو ہمیں قبول ہے۔ محبوب ہمارے ساتھ وفا کرے یا اپنی جفا کاریوں کا شکار کرتا رہے۔ اس کی ہر ادا اور ہر رویہ ہمیں پسند ہے۔

﴿۲﴾

بشنوم تاچند بوئے گل زباد صبحدم

بوئے او گر ہمرہ باد صبا آید خوش ست

(میں صبح کی ہوا سے کب تک بوئے گل کی بشارت سنوں گا۔ نوید اور بشارت پر زندہ رہنا' سولی پر لٹکے رہنا ہے۔ اگر پھول کی خوشبو باد صبا کے ساتھ ہی آ جاتی تو یہ کتنی اچھی بات تھی)۔

صبح کی ہوائیں خوشبوؤں سے لدی پھندی ہوتی ہیں' اور پھر ان ہواؤں ہی سے یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں پھول کھلے ہوئے ہیں جن کی معطر اور معنبر خوشبوؤں کو ہوائے صبحدم اپنے ساتھ ساتھ لیے پھر رہی ہے۔ یوں ہمیں بوئے گل کا احساس بذریعہ خوشبو اور بوساطت ہوائے صبحدم ہو رہا ہے۔ لیکن یہ صورت کتنی بھلی اور باعث انبساط و اہتزاز ہوتی' اگر پھول کی خوشبو بھی صبح سویرے پروا کے ساتھ ہی آ جاتی۔

﴿۳﴾

راضیم از ہر چہ پیش آید بدرد عشق تو

گرہمہ برجان من درد و بلا آید خوش ست

(تیرے درد عشق میں مجھ پر جس قدر بھی تکلیفیں اور مصائب آئیں وہ میں بڑی رضا و رغبت سے سہہ لوں گا اور اگر دنیا کی ساری کی ساری مصیبتیں اور بلائیں میری ہی جان پر

آجائیں تو یہ اچھی بات ہے)۔

عاشق صادق یوں کہہ رہا ہے کہ اے میرے محبوب' میری جان کے دشمن' تیرے درد عشق میں میرے لیے درد وغم اور مصائب و مشکلات ہی ہیں۔ اے میرے محبوب! تیری جانب سے مجھے جتنی زیادہ یا جس قدر زیادہ الم ناک مشکلات اور مصیبتیں ملیں گی میں انہیں بڑی خوشی سے اپنی رضا کے ساتھ اور خوش دلی سے قبول کرلوں گا۔ میرے لیے وہ سب آلام و مصائب بھی نعمت اور عشق کی سوغات ہوں گے۔ میں تو یہاں تک بھی کہتا ہوں کہ اگر دنیا جہاں کے درد' دکھ' مصائب مشقتیں اور بلائیں' آفات اور ابتلائیں مجھی پر آجائیں تو یہ میرے لیے بڑی خوشی کی بات ہوگی۔ اس شعر میں دل عاشق کی وسعت اور برداشت کی خبر بھی ملتی ہے۔

(۴)

روز ابرے ایں چنیں داری تو سر در کاسہ

گر بجائے قطرہا سنگ از ہوا آید خوش ست

(اے عاشق! برسات کے دن میں تو اپنے سر کو بارش کے قطروں سے بچانے کے لیے خوب ڈھانپ لیتا ہے۔ حالانکہ میرے یار کی طرف سے اگر بارش کے قطروں کے بجائے ہوا میں سے پتھر بھی آئیں تو میں انہیں بھی اپنی خوش بختی سمجھوں گا)۔

عاشق زار خود ہی خود کلامی کے سے انداز میں بول رہا ہے کہ اے نادان! تو بارش کے وقت کہ جب آسمان سے ننھے منے خوش کن قطرے بھی پڑتے ہیں تو تو اپنے سر کو ان سے بھی بچانے کی خاطر کئی جتن کرتا ہے۔ سر کو ڈھانپ کر محفوظ اور خشک رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اے دل نادان! یہ کتنی دوں ہمتی اور کم ظرفی اور ناطاقتی کی بات ہے۔ حالانکہ عاشق کا دل تو ایسا ہوتا ہے کہ اگر آسمان سے بارش کے قطرات کے بجائے بھاری پتھر بھی برسیں تو وہ انہیں یار اور محبوب کی جانب سے سوغات سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ اس طرح کی ہر بات کو سچے عاشق من جانب محبوب حق ہی تصور کرتے ہیں۔

(۵)

عشق زیبا می نماید محی ہرکس راکہ ہست
بوئے گل گر ہمرہ باد صبا آید خوش ست

(اے محی الدین! عشق ایک ایسی نعمت ہے، جو ہرایک کو نہیں ملتی، لیکن جس شخص کو بھی یہ عشق ہو جائے صرف اسی کو یہ زیب دیتا ہے۔ لیکن اگر بوئے گل بھی باد صبا کے ساتھ ہی آجائے تو کس قدر خوش کن بات ہے)۔

بتایا جارہاہے کہ اے محی الدین عشق ایک نعمت لازوال ہے یہ ہرایک کو نصیب نہیں ہوتی اور ہرایک اس اعزاز اور وقار کا خواہش مند بھی نہیں ہوتا اور وادیٔ عشق میں آنا ہرایک کے بس میں بھی نہیں ہے۔ یہ بڑی ہی پرخطر اور جان کی قیمت مانگنے والی راہ ہے۔ بہرصورت یہ عشق جسے بھی ہو جائے اسی کے لیے یہ مبارک اور سعید ہوتا ہے۔ عشق صرف سچے عاشقوں ہی کو زیب دیتا ہے۔ تاہم اگر بوئے گل صبحدم باد صبا اور پُروا کے ساتھ ہی چلی آئے تو اس کی اور ہی بات اور معطر بہار ہوگی اور کتنی بھلی اور دل خوش کن ہوگی!۔

## غزل ۲۲

(۱)

آنکہ آتش افگند در خلق، جانان منست
وانکہ می سوزد ازاں سوزش ہمیں جان منست

(جو تمام خلق میں آگ بھڑکاتا ہے وہی میرا جان جاں ہے۔ وہی سب آگ کے کھیل کھیلتا ہے۔ اس کے عشق کا یہی دستور ہے۔ اور پھر جو چیز اس کی آگ کی تپش اور سوزش سے جل جاتی ہے وہ میں ہی ہوں)۔

عاشق صادق بتاتا ہے کہ میرے محبوب کا حسن و جمال ایسا ہے کہ اس سے تو اس پوری خلق کائنات میں گویا ایک آگ سی بھڑک اٹھتی ہے۔ حسن کی یہ آگ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہ حسن و جمال جاناں کی آگ ایسی ہوتی ہے کہ یہ سب کو جلاتی نہیں۔ یہ جلاتی

ہے تو صرف ہماری ہی جان کو جلاتی ہے۔ گویا محبوب کا حسن و جمال اگرچہ پوری کائنات میں حسن کی صاعقہ باریوں سے ہر سو اور ہر جانب آگ بھڑکا کر رکھ دیتا ہے' لیکن اس آگ میں صرف عاشقوں ہی کا دل و جان جلتا ہے۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس آگ کی تپش میں صرف عاشق لوگ ہی جلتے ہیں۔

(۲)

من شدم دیوانہ پیشم ' قصر شہ ویرانہ است
کاسئہ فیروزہ از شاہ ' ایوان منست

(میرا پیشہ تو دیوانگی ہے۔ میں دیوانہ ہوں' دیوانگی کا کاروبار کرتا ہوں۔ اور بادشاہ کا محل ایک ویرانہ ہے۔ اور بادشاہ کا فیروزی کاسہ میرا محل ہے)۔

عاشق زار بتا رہا ہے کہ میں تو سدا سدا کا دیوانہ اور مجنون ہوں' میری دیوانگی ہی میرا اوڑھنا بچھونا بنی ہوئی ہے۔ چونکہ میرا شعار اور پیشہ دیوانگی' سودا اور جنون ہے' اس لیے اب ساری خدائی میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میری دیوانگی اور دیوانہ پن کے لیے صرف بادشاہ کا محل ہی ہے اور اب وہی میرے لیے ویرانے کا درجہ رکھتا ہے۔ اس طرح سے بادشاہ کا جو سب سے قیمتی فیروزاں والا کاسہ ہے' وہی میرا محل بنا ہوا ہے۔ یا اس شعر کو بحوالہ تصوف بھی دیکھا جائے تو عاشق صادق جو ہے وہ عشق الٰہی میں دیوانہ ہے اور یوں اس دیوانے کو شاہ کا محل بھی ویرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا محل بادشاہ کا فیروزی جام ہی اس کا ٹھکانہ بنا ہوا ہے۔

(۳)

عشق ورزیدیم نہاں اے وائے بر من کن کیں زباں
نقل ہر مجلس' حدیث عشق پنہاں منست

(اگرچہ میں نے عشق تو بڑے ہی خفیہ انداز میں اپنایا تھا کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دی۔ لیکن وائے افسوس' میری زبان ہر مجلس میں میرے پنہاں عشق کو طشت از بام کر دیتی ہے)۔

میں نے تو اپنی پوری احتیاط اور کوشش کے ساتھ جو عشق اختیار کیا ہے وہ نہایت

پوشیدہ اور مخفی طور پر کیا ہے۔ لیکن میری زبان جو ہے وہی ہر محفل اور مجلس میں میرے اس خفیہ عشق کو ظاہر کرتی چلی جاتی ہے۔ عاشق لوگوں کی یہ بڑی سادگی اور صاف دلی ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا عشق پوشیدہ اور خفیہ ہی رہے گا اور وہ مدام یہی سمجھے بیٹھا رہتا ہے کہ کسی کو اس کے عشق خبر نہیں ہوگی۔ حالانکہ صورت حال اس مفروضے کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ عشق ایک ایسا عمل اور جذبہ ہے کہ جو عاشق کی روح، جسم و جان اور روئیں روئیں میں سما جاتا ہے۔ جس جسم میں عشق گھر کر لیتا ہے وہ جسم ہی اور ہو جاتا ہے، پھر تو عاشق کا اپنے حواس اور اعمال و افعال پر بھی کوئی اختیار نہیں رہتا۔ عاشق تو عشق میں اپنی رضا اور ارادے سے بھی عاری ہو جاتے۔ ایسی صورت میں عاشق کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا صرف مخلوق خدا اسے دیکھتی ہے۔ اس صورت کو اس شعر میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ زبان ہر مجلس اور محفل میں بڑے فخریہ انداز میں خفیہ عشق بر سر بام لاتی چلی جاتی ہے۔ لیکن اس ساری صورت حال کی عاشق کو کوئی خبر ہی نہیں ہوتی۔

(۴)

گر فلک خواہد کہ سازد، خانہ مردم خراب
گو مکش زحمت کہ کار چشم گریان منست

(اگر فلک لوگوں کے گھروں کو تباہ و برباد کرنے کا خواہاں ہے، وہ خدا ہمیں تباہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے کہو کہ یہ تکلیف ہرگز نہ کرے۔ یہ کام تو میری چشم گریاں ہی با آسانی کر سکتی ہے)۔

قدرت اگر کسی بھی وجہ سے، لوگوں کے اعمال بد کے نتیجے میں یا اپنے قانون و قاعدے کی رو سے لوگوں کے گھروں اور ان کے ٹھکانوں اور بسیروں کو نیست و نابود اور تباہ و برباد کرنے کی خواہاں ہے تو اس مقصد کے لیے اسے اپنی خاص کارروائی یا کام کی ضرورت نہیں ہے۔ تہدیم و تخریب کا یہ کام کرنے کی اسے زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تباہی و بربادی تو میری روتی ہوئی آنکھیں ہی بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ سرانجام دے سکتی ہیں۔ اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ لوگوں کے گھروں اور آرام کدوں کو تو عاشق لوگ اپنے اشکوں ہی سے بہا کر تباہ کر سکتے ہیں۔

⑤

آنچہ در دم بگذرد باشد شب وصل حبیب
وانچہ پایا نے ندارد روز ہجران منست

(وصل حبیب کی رات تو ایک دم بھر میں ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں جدائی کا دن اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا)۔

اس شعر میں دو کیفیات کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ شب وصل حبیب کیوں ایک دم بھر میں ختم ہو جاتی ہے جبکہ ہجر و فراق کا ایک دن اپنی طوالت میں حشر تک پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں کیفیات کو ''شب'' اور ''روز'' کے التزام کے ساتھ بھی دیکھا گیا ہے۔ عمومی طور پر دیکھا یہ گیا ہے خوشی' مسرت' انبساط اور شادمانی کا وقت چاہے کتنا بھی ہو وہ بڑی جلدی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن غم' رنج' الم اور کرب کے لمحے اور ثانیے بھی اتنا طول کھینچے ہیں کہ وہ کبھی ختم ہی نہیں ہوتے۔ ویسے بھی کائناتی رجحان اور مزاج یوں بھی ہے کہ اس میں الم اور درد و غم ہی باثبات اور تادیر رہتے ہیں۔

⑥

مرد محی ایں سیہ پوشیدہ بہر ماتمش
ہر کجا ورقے بود اوراق دیوان منست

(محی الدین مر چکا ہے وہ زندہ نہیں ہے' اس پر ماتم کرتے رہو اور اسی لیے وہ سیاہ پوشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اور جہاں بھی کوئی تحریر کیا ہوا ورق موجود ہے وہ تو میرے ہی دیوان کا کوئی ورق ہے)۔

بتایا جاتا ہے جناب غوث الاعظم' محی الدین اکثر سیاہ رنگ کا لباس زیب تن کرتے تھے۔ لوگ اس ضمن میں دریافت فرماتے۔ تو حضرت صاحب اکثر اپنے خاص انداز میں فرماتے کہ محی الدین زندہ نہیں ہے' وہ تو مر چکا ہے اور اب اس نے ماتمی ضروریات کے تحت سیاہ لباس پہن رکھا ہے۔ بعض شارحین نے اس شعر کو خالص تصوف کے ساتھ دیکھا کہ جناب محی الدین تو اس مقام پر ہیں۔ جسے ''مولوقبل ان تموتوا'' کا مقام یعنی مقام سے عین جوانی کی

ہی عمر میں موت کو قبول کر کے مرجاتا ہے۔ صوفیا کے لیے یہ ایک آسان مقام و مرتبہ ہوتا ہے اور وہ بخوشی اس درجے کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اس ''موتوا قبل ان تموتوا'' میں بندہ حق فنا فی اللہ ہو کر اللہ کی ذات میں باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس مقام کا پہلا پائیدان ہی موت آنے سے پہلے ہی موت کو اپنا لینا ہوتا ہے۔

# ردیف: دال

## غزل ۲۳

۱

یارب آں ساعت کہ خلق از ما بہادر ہیچ یاد
رحمت خود کن قرین ما '' الی یوم تناد''

(یارب ہمارے بعد جب لوگ ہمیں یاد کریں یا ہمارے حق میں دعا کریں تو ہمارے رب ہمیں قیامت تک اپنی رحمت سے نوازتے رہنا)۔

اس شعر میں پروردگار سے یہ دعا کی جارہی ہے کہ اے ہمارے رب جب اس دنیا میں سے جانے کے بعد لوگوں میں ہماری یاد آئے اور خلق خدا ہمیں ہمارے اعمال کے مطابق یاد کرے تو اے ہمارے رب رحیم ہماری یہی درخواست ہے کہ تو ہم پر قیامت تک اپنی رحمت ہی سے نوازتے رہنا۔ اس شعر میں جو ''یوم تناد'' کا ذکر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دن جب تم ایک دوسرے کو چلا چلا کر مدد کے لیے پکارو گے۔ (۳۲:۴۰)

۲

نامۂ نیکاں شدہ پر طاعت اما چوں کنم
نامہائے مابداں چیزے ندارد جز سواد

(میں اس حقیقت سے ڈرتا ہوں کہ نیک لوگوں کے نامہ اعمال میں تو نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی، لیکن میں کیا کروں گا' میرے نامے میں تو سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے)۔

وہ لوگ کہ جنہوں نے نیکیاں کمائی ہوئی ہیں اور جو دنیا میں سدا حسنات ہی کو اپناتے رہتے تھے' ان کے اعمال نامے نیکیوں سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ اس اعتبار سے انھیں حساب کتاب سے پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہوگی بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کی احسن جزا دیں گے۔ لیکن دوستو! مصیبت اور مشکل تو ہمارے لیے ہوگی۔ کیونکہ ہمارے نامہ اعمال میں تو گناہوں اور بداعمالیوں کی سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿۳﴾

این چنیں کالائے پر عیبے کے گردد روئے ماست

گر نبودے روز بازارش نبودے جز کساد

(ہمارا سارا مال تو ناقص اور پر عیب ہے۔ دنیا کے لوگوں میں اس کی کچھ قیمت نہیں ہے۔ اور اگر روز قیامت اس بازار محشر میں تیری مہربانی اور رحمت نہ ہوئی تو پھر ہمارے اس مال کو کون خریدے گا)۔

بتایا جارہا ہے کہ ہم نے تو توشہ آخرت کے طور پر کچھ بھی نہیں بنایا ہوا اور ہمارے پاس جو بھی مال متاع ہے وہ سراسر ناقص' برا' خراب اور عیبوں سے بھرا ہوا ہے۔ قیامت کے روز جو بازار محشر ہوگا' اس میں تو صرف اور صرف اچھا اور بہتر و معیاری مال ہی کسی لائق ہوگا وہاں پر عیب دار اور ناقص مال کی خرید و فروخت کی نہ تو گنجائش ہوگی اور نہ اسے کوئی پوچھے گا۔ اس لیے اگر ہم پر ہمارا رحمٰن و رحیم پروردگار مہربانی نہیں فرمائے گا تو ہماری کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ اس شعر میں مال سے مراد اعمال و افعال کا ذخیرہ ہے۔

﴿۴﴾

عید شد عیدی برحمت اے خداوندِ جہاں

در تو ندہی از کہ جویند بندگان تو مراد

(اے جہانوں کے پروردگار! تیری رحمت سے کل ہمیں عید کے دن عیدی ملے گی اور اگر ہمیں تو عیدی نہیں دے گا تو تیرے بندگان کو یہ مراد کہاں سے حاصل ہوگی)۔

عید خوشی' مسرت اور نیکیوں کے صلے کا مبارک دن ہوتا ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ اس

جہاں سے جانے کے بعد جو قیامت میں حشر ہوگا اس میں بھی لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا سزا دی جائے گی۔ گویا وہ لوگ جنہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے ان کے لیے روز قیامت بطور روز عید اور روز سعید ہوگا۔ انہیں ان کی نیکیوں کی جزائے خیر ملے گی۔ لیکن وہ لوگ جو تہی داماں ہوں گے۔ انہیں کون عیدی دے گا اب اے پروردگار ہم کسی حساب کتاب کے لائق نہیں ہیں۔ ہماری نظر تو صرف اور صرف تیری رحمت پر ہے کہ تو ہی ہمیں اس روز جزائے خیر یا عیدی سے نوازے گا۔

⑤

رد مکن یارب تو مارا چوں بہ بازارِ الست
عیب ہائے ماہمہ دیدی و کردی مراد

(اے ہمارے مہربان اللہ! ہمیں تو اپنے دروازے سے رد نہ کرنا۔ تو نے تو ہمیں وعدے کے یوم الست ہمارے گناہوں کے باوجود بامراد کیا تھا۔ اب بھی ہماری لاج رکھنا)

یوم الست یا جسے شاعر نے بازار الست کہا ہے' اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کل روحوں سے یہ میثاق لیا تھا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کے گناہوں اور ان کی گناہگار طبیعتوں کے باوجود اپنی رحمت فرمائی تھی۔ تو اس لیے اے ہمارے رب عظیم اور رب رحمٰن ورحیم جب قیامت ہو تو اسی بازار الست ہی کی طرح سے ہمیں سرخرو فرمانا اور ہمیں رحمتوں کے سایوں میں رکھنا۔

⑥

شب رسن در گردن اندازم بگریم زار زار
از غم عمر عزیز خود کہ بردارم بہ باد

(جب تنہائی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا ہوں اور میں رات کو اپنی گردن میں رسی ڈالتا ہوں اور زار وقطار روتا ہوں کہ میں نے تو اپنی ساری عمر عزیز تباہ و برباد ہی کر رکھی ہے)

اے میرے مالک و خالق! اے دلوں کے بھید جاننے والے! تو میرے احوال سے بخوبی واقف ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں خود راتوں کو چھپ کر اپنی گردن میں رسی ڈال لیتا

ہوں اور خود ہی اپنے آپ سے ملاقات کرتا ہوں۔ مجھے سب یاد ہے اور میرے سارے اعمال بھی میرے سامنے ہیں۔ اب میں صرف راتوں کو پچھتاتا رہتا ہوں کہ اے میرے خدا! میری تو ساری عمر عزیز ضائع اور تباہ ہوگئی۔ اس صورت میں اے میرے خدا تیرے سوا مجھے کون سہارا دینے والا ہے۔ میری نظر التجا صرف تیری رحمت پر ہی ہے۔

۷

این و آں از بس کہ بے او زندگانی می کنم
وقت مردن جان نے دانیم چوں خواہیم دار

(میں نے تو اپنی زندگی کو یوں ہی سے بے کار کاموں میں گزار دیا ہے۔ کچھ نیک عمل مجھ سے نہیں ہوسکا۔ اس لیے مجھے تو اب یہ بھی معلوم نہیں کہ موت کے وقت میں اپنی جان کس کو دیتا ہوں)۔

بتایا جارہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا تھا' انسان نے اس شرف انسانیت کو اختیار نہ کیا' اس کے بجائے وہ صرف اور صرف دنیا ہی کے جھمیلوں میں الجھ کر رہ گیا۔ وہ انسان بے کار اور فضول قسم کے کاموں میں پھنسا رہا۔ یوں ہی اس کی ساری زندگی بیت گئی لیکن نیکیوں سے اس کا دامن خالی رہا۔ انسان کو بے کار اور بے سود کاموں کی وجہ سے اپنے پروردگار کی بھی پہچان نہ ہوسکی۔ اس لیے موت تک صورت حال یہ ہو چکی تھی کہ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ اسے اپنی جان کس کے سپرد کرنی ہے۔ انسانی سطح پر یہ صورت حال نہایت افسوس ناک ہے۔

۸

آہ ازاں ساعت کہ عزرائیل قصد جان کند
جان شیریں را بباید داد و لب نتواں کشاد

(افسوس' وہ کیسا وقت ہوگا کہ جب عزرائیل علیہ السلام میری جان لینے کا قصد کر کے آئیں گے۔ اس وقت مجھے اپنی جان عزیز بلا حیل و حجت اس کے سپرد کرنا ہوگی)۔

اس حقیقت میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ اور لچک نہیں ہے کہ عزرائیل علیہ السلام اپنے مقررہ

وقت پر ضرور آئے گا اور وہ پیاری' شیریں اور عزیز ترین جان کو لے جا کر رہے گا۔ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ عزرائیل علیہ السلام کے سامنے کوئی کسی طرح کی مزاحمت یا حیل و حجت نہیں کر سکتا۔ اس کا آنا اور جان کا جانا اتنا ہی اٹل ہے کہ جتنا کسی کا پیدا ہونا' موت تو ولادت کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ بلکہ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کا پیدا ہونا ہی اس کی موت کی دلیل ہوتی ہے۔ اس صورت میں کوئی ذی روح بھی جناب عزرائیل علیہ السلام کے سامنے لب کشائی نہیں کر سکتا۔

⟨۹⟩

تادم آخر چہ خواہد کرد باما آہ' آہ

اے خوشا وقتے کسے کہ مادرش ہرگز نزاد

(نہ معلوم وہ فرشتہ اجل وقت آخر جان کنی کی خاطر ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ کتنا خوش بخت ہے کہ جس کو اس کی ماں نے پیدا ہی نہیں کیا)۔

وہ فرشتہ جو عزرائیل علیہ السلام ہے اس کے بارے بتایا جاتا ہے کہ وہ مختلف طریقوں اور مختلف قسم کی تکالیف اور اذیتوں کے ساتھ انسان کی جان نکالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جان کنی کا وقت ہر شخص پر سخت' کٹھن اور کڑا ہوتا ہے۔ اس جان کنی کا وقت تو گویا ایک طرح کے عذاب کا وقت ہے۔ پتا نہیں ہمارے ساتھ یہ نزاع کا وقت کس طرح بیتتا ہے۔ اس کے تو تصور ہی سے روح کانپ رہی ہے۔ بہر صورت جو پیدا ہوا ہے اسے اس مرحلے سے بھی گزرنا پڑے گا۔ لیکن سب سے خوش قسمت وہ ہے کہ جس کو اس کی ماں نے جنا ہی نہ ہو۔ یعنی جو پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

⟨۱۰⟩

نامہ می خوانند و می گفتند کراماً کاتبین

در جمیع عمر ایں بندہ نیا مد حرف یار

(مجھے یہ اقرار ہے کہ میں گناہگار ہوں' بے مایہ' بے سرو سامان۔ کراماً کاتبین فرشتے میرے اعمال نامے کو پڑھتے ہوئے پکارتے رہیں گے کہ اس شخص نے تو اپنی تمام عمر میں کبھی اپنے اللہ کو یاد ہی نہیں کیا)۔

انسان کے ہر طرح کے اعمال کو قلم بند کرنے والے فرشتے کراماً کاتبین بعض حوالوں سے یوم الحساب اپنے لکھے ہوئے گوشواروں کو بوقت ضرورت پڑھ کر بھی سنائیں گے۔ اور انسان ان میں سے اپنے کسی بھی عمل یا کام پر انکار نہیں کر سکے گا انسان تو اپنا گواہ بھی ایک طرح سے خود ہی ہوگا۔ جب کراماً کاتبین میرے نامہ اعمال کو پڑھ کر سنائیں گے تو معلوم ہوگا کہ میرے کھاتے میں تو کوئی بھی ایسا عمل یا کام نہیں ہے جو کسی کام کا ہو۔ اس پر وہ مکرم فرشتے بھی کہیں گے کہ اس بندے نے تو اپنی ساری زندگی میں کبھی اپنے مالک خالق اور اللہ القادر کو یاد ہی نہیں کیا تھا۔ یہ بے چارہ تو بدقسمت اور محروم ہے۔

(۱۱)

پیش تابوتم منادی کن بگوایں بندہ است

گو گنہ بسیار کردہ بر خدا کرد اعتماد

(کہا جارہا ہے کہ: میرے تابوت کے سامنے یوں منادی کرنا کہ: اے بار الٰہ اس بندہ نے بہت گناہ کیے ہیں یہ سدا کا گناہگار ہے۔ اس کے باوجود اسے تیری ذات پر بہت اعتماد تھا)۔

یوں کہا گیا ہے جب میرے تابوت میں میری لاش کو قبر میں اتارنے سے پہلے رکھا جائے۔ اس وقت میرے بارے میں لوگوں میں یہ اعلان ضرور کر دیا جائے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اس شخص نے عمر بھر لاتعداد گناہ کیے ہیں' اس کے گناہوں کا کوئی حدو حساب ہی نہیں ہے۔ یہ شخص عمر بھر گناہوں ہی میں الجھا رہا ہے۔ سدا بدعملیوں کا شکار رہا ہے۔ یہ شخص گناہ کماتا رہا ہے۔ اور اس حقیقت میں کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ اس شخص کو اے اللہ! تیری ذات باری اور غفور و رحیم پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد تھا کہ تو ضرور معاف فرمادے گا۔ یہ بندہ ناچیز تیری رحمت سے تو کبھی ناامید نہیں ہوا تھا۔

(۱۲)

یارب آنکس رابیا مرزی کہ بعد از مرگ ما

روح مارا اور بہ تکبیر کند گہہ گاہ یاد

(اے میرے رب جلیل! میرے مرنے کے بعد جو شخص میری روح کو تکبیر' اللہ اکبر کے

ساتھ یاد کرے۔ یا میرے لیے دعا کرے۔ اے اللہ تو اپنی رحمت سے اس کو بھی بخش دینا)۔

یوں دعا کی گئی ہے کہ اے رب کائنات تیری رحمتوں کی وسعت و عظمت بے پناہ ہے۔ تیرے الطاف و اکرام فراواں ہیں' گناہگاروں کو بخشنے کی خاطر تیری کئی رحمت بھری راہیں اور شاہراہیں ہیں۔ تو تو سدا عاصیوں کو بخشنے کے مواقع چاہے گا۔ لوگوں کو معاف فرمانے کی تیری کئی سبیلیں اور طریق ہوں گے۔ اس لیے اے میرے رب رحیم و رحمٰن میری درخواست ہے کہ جو شخص ہماری موت کے بعد ہماری روح کو ایصال ثواب کے لیے فاتحہ پڑھے' تو اپنی رحیمیت اور رحمانیت کے سایوں میں اسے بھی بخش دینا۔

(۱۳)

گر بخاکم بگذری یا بگزرم بر خاطرت

ایں دعا می کن کہ یارب گور او پُر نور باد

(اگر تو کبھی میرے مرنے کے بعد میری قبر پر آئے اور یا میں کبھی تجھے یاد آؤں تو اس لمحہ میرے بارے میں یہ دعا کرنا کہ اے پروردگار اس شخص کی قبر کو نور سے منور کر دے)۔

درخواست کی جا رہی ہے کہ اگر تجھے کبھی میری یاد آئے یا کبھی میری قبر پر آنے کا موقع ملے تو تیری بہت مہربانی اور مجھ پر عنایت ہوگی۔ میں بہر صورت گناہگار ہوں' میری قبر پر آ کر میرے گناہوں کی معافی اور میری بخشش کی دعا کرنا اور نور مطلق اللہ نور السموات والارض کی بارگاہ میں یہ بھی دعا کرنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی خاص مہربانی اور عنایت سے میری قبر کو اپنے نور سے بھرپور اور منور فرما دے۔ اللہ آپ پر بھی رحمت فرمائے گا۔

(۱۴)

رحم خواہد کرد بر من ' خواہد آمرزیدنم

روئے زرد خود چوں برخاک لحد خواہم نہاد

(مجھے امید ہے اور میری آرزو ہے کہ جب میں اپنا پیلا زرد چہرہ قبر کی مٹی پر رکھوں گا میری اس حالت کو دیکھ کر اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ پر ضرور اپنا رحم و کرم فرمائے گا)۔

اس شعر میں بتایا جا رہا ہے کہ جب مجھے میری قبر کے اندر اتارا جائے گا' یا مجھے قبر کے

خاکی بستر پر لٹایا جائے گا۔ اس وقت میرا زرد پیلا اور بے جان چہرہ خاک لحد پر پڑا ہوگا۔ میرا اس وقت کوئی یار دوست یا رشتہ دار بھی میرے پاس نہیں ہوگا میرے اوپر نیچے اور چاروں طرف قبر کی خاک ہی ہوگی۔ کوئی میرا پرستان حال نہ ہوگا۔ اس وقت میرا زرد چہرہ ہی میری کس مپرسی کی اور بے یارو مددگار ہونے کی غمازی کر رہا ہوگا۔ اس حالت میں مجھے امید واثق ہے کہ میرا ارحم الراحمین اللہ مجھ پر ضرور اپنا رحم فرمائے گا اور مجھے بخشش کی نعمت سے فیض یاب کرے گا۔

﴿۱۵﴾

محی گرچہ بس بدی کردہ ندارد نیکیے
لیک می دارد بجاں در حق نیکاں اعتماد

(محی الدین نے گرچہ بے شمار برائیاں اور بدیاں کی ہیں۔ گناہوں سے اس کا دفتر سیاہ ہے۔ اور اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہیں ہے' اس کے باوجود بھی اسے نیکوکار لوگوں کے بارے میں جان و دل سے مکمل اعتماد ہے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ مانا محی الدین بڑا ہی گناہگار ہے' اس کے کھاتے میں گناہوں اور بد اعمالیوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس نے ایک بھی نیکی نہیں کمائی' گویا نیکیوں سے اس کا دامن خالی ہے' اس کے حساب میں صرف گناہ ہی گناہ ہیں۔ لیکن اس ساری صورت احوال کے باوجود بھی وہ بڑا ہی پر امید رہا ہے' اسے اپنے اللہ پر بھی پورا پورا اعتماد اور بھروسہ رہا ہے۔ اس کے علاوہ نیک لوگوں پر بھی سدا اعتماد رہا ہے۔ یہ نیکوکار لوگوں پر اعتماد اور بھروسہ اس لیے ہے کہ کئی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نیک لوگوں کے طفیل بھی گناہگاروں اور عاصیوں کی مغفرت فرمائے گا۔ گویا لوگوں کو معاف کرنے اور بخشنے کے کئی نیارے اور انوکھے طریقے ہیں وہ تو گناہگاروں کو حیلوں بہانوں سے بخشتا رہے گا تو گویا میں بھی بخشا ہی جاؤں گا۔

# غزل ۲۴

۱

تا ابد یارب ! زتو من لطف ہا دارم امید
از تو گرامید ببرم از کجا دارم امید

(میرے رب کریم! میں اب تک تیرے الطاف و اکرام' مہربانیوں اور عنایات کی امید رکھتا ہوں' ایک تو ہی تو ہے جس سے امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ اے میرے پروردگار اگر میں تجھ سے امید نہ رکھوں تو کس سے امید رکھوں)۔

میرے رب جلیل و کریم! میں نے تو ہمیشہ سے اور شروع ہی سے تیری ذات ابدی صفات سے یہ امید لگا رکھی ہے کہ تو ابد سے ازل تک لطف و کرم اور مہربانیاں ہی فرمانے والا ہے۔ تجھ سے تیرے الطاف و اکرام' انعامات' نوازشات' عنایات' مہربانیاں اور بندہ پروریاں جدا اور الگ ہو ہی نہیں سکتیں۔ تیری ذات عالی شان کے عین شایان شاں ہے کہ تو اپنے بندوں پر اپنا رحم و کرم فرماتا رہے۔ اسی لیے میں نے بھی ابد ہی سے یہ امید لگا رکھی ہے کہ مجھ پر بھی تیرا رحم و کرم اور لطف و نعم ضرور ہوگا۔ اس کے علاوہ اے میرے رحمٰن و رحیم رب! مجھے تو یہ ہرگز گوارہ نہیں ہے کہ میں تیرے علاوہ کسی اور سے کوئی امید وابستہ کروں۔ تیرے علاوہ کوئی اور ہستی موجود ہی نہیں ہے جس سے بندہ کوئی امید رکھ سکے۔

۲

زیستم عمرے بسے چوں دشمناں' دشمن مگیر
بے وفائی کردہ ام! از تو وفا دارم امید

(میں نے تو اپنی ساری عمر آپ سے بیگانہ اور بے پرواہ رہ کر گزار دی ہے۔ لیکن اے میرے خدائے لم یزل تو مجھ سے بیگانہ نہ ہونا۔ میں برا اور بے وفا سہی آپ سے تو مجھے وفا ہی کی امید ہے)۔

اس شعر میں گویا بندہ ایک طرح سے اپنی بشری اور عبدی کمزوریوں' خامیوں اور

کوتاہیوں میں پڑا رہتا ہے اور مجھ سے گستاخیاں اور بے وفایاں ہوتی ہیں' وہ ان سب کو بجا طور مانتا اور تسلیم کرتا ہے اور اسے یہ بھی احساس ہے کہ یہ سب انسان کی نادانیاں اور معصومیتیں ہیں۔ اس کے باوجود اسے اپنے پروردگار پر پورا یقین' بھروسہ اور اعتمادِ کلی ہے کہ وہ نہ تو بندے سے بیگانہ اور بے پرواہ ہوگا اور نہ وہ اس بندے جیسی کوئی اپنی شانِ قدسی سے ہلکی اور ادنیٰ بات ہی کر سکتا ہے۔ بندے کا اپنا بشری انسانی معیار ہے جبکہ اللہ جل شانہ وعز برہانہ کے اپنے پیمانے اور اپنے خدائی معیار ہیں۔ اس لیے اے میرے اللہ میں آپ سے اور آپ کی مہربانیوں سے کبھی ناامید نہیں ہو سکتا ہے۔

(۴۳)

ہم فقیرم' ہم غریبم بیکس و بیمار و زار

یک قدح زاں شربت دار الشفا دارم امید

(اے میرے خالق و مالک اللہ! میں فقیر ہوں' میں غریب ہوں' بے کس' سدا کا بیمار اور نقاہت زدہ ہوں۔ اس حالت میں آپ کے دارالشفا میں سے ایک جام کی امید رکھتا ہوں)۔

اس شعر میں بندۂ خدا پھر اپنا بے پایاں عجز و انکسار ظاہر کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اے اللہ الغنی میں تو ایک بے مایہ اور ادنیٰ سا بے سروسامان فقیر ہوں۔ میرے خدا تو المغنی بھی ہے۔ میں تو جنم جنم کا بے کس غربت اور افلاس کا مارا ہوا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ میں بے کس' بے یار و مددگار' تنہا محتاج اور تہی داماں ہوں۔ یہی نہیں بلکہ میں تو دائم المرض ہوں' بیماری میں نحیف و نزار اور کمزور' ناتواں اور لاغر ہو چکا ہوں۔ تیرا دارالشفا دائمی ہے' اس کی شفایابیاں مدام اپنے بندوں پر ارزاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے میں آپ سے' اللہ الشافی سے ایک جام اپنی بیماریوں کے دفعیہ کے لیے طلب کرتا ہوں اور مجھے امید ہے میرا پروردگار مجھے اس سے محروم نہیں رکھے گا۔

(۴۴)

ناامیدم از خود واز جملہ خلق جہاں

از ہمہ نومیدم اما از تو می دارم امید

(میں تو اپنے آپ سے اور ساری خلق جہاں سے ناامید ہو چکا ہوں۔ مجھے کسی طرف

کوی امید کی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ اگر امید ہے تو مجھے صرف اپنے اللہ ہی سے ہے کہ اسی سے کوئی امید وابستہ کی جاسکتی ہے)۔

یوں بتایا جارہا ہے اس پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کا جو کچھ بھی ہے' میں اس سے کلی طور پر ناامید ہو چکا ہوں' بلکہ مجھے تو اپنے آپ سے بھی کوئی امید نہیں ہے۔ کیونکہ مجھ میں میرا ہے ہی کیا کہ جس سے کوئی امید رکھی جاسکے گا۔ مختصراً یہ کہ میں ہر ماسوا اللہ سے بے امید ہوں۔ صرف مجھے میرے اللہ ہی سے امید ہے اور اعتماد کامل ہے۔

۵

منتہائے کار تو دائم کہ آمرزیدن ست

زاں کہ من از رحمت بے منتہا دارم امید

(صرف میرا خدا ہی آمرزگار ہے' وہی گناہگاروں کو بخشے گا۔ اسی سے بخشش کی طلب اور آروز ہے۔ اس لیے اے میرے غفار وستار رب میں تجھی سے بے انتہا امید رکھتا ہوں کہ تو ضرور اپنی رحمت فرمائے گا)۔

اے غفور الرحیم اور غفار روستار رب الرحیم! تو ہی بخشنے والا ہے۔ تو معاف فرمانے والا ہے۔ تو ہی عفو ودرگزر سے کام لینے والا ہے۔ اور آمرزش' گناہوں کی معافی' بخشش اور مغفرت تو صرف تجھی سے متعلق ہے۔ تیرے سوا کوئی دوسرا ان اوصاف وحسنات کا حامل اور سزاوار ہی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں میں پھر کیوں کسی دوسرے باطل کی طرف دیکھوں۔ میرے مولیٰ میرے مالک وخالق میں تو صرف آپ ہی کی بے پایاں اور بے حدو حساب رحمت کا امیدوار ہوں۔ تیری رحیمیت اور تیری رحمانیت پر ہی میری نظر ہے۔

۶

ہر کسے امید دارد از خدائے جز خدا

لیک عمرے شد کہ تو من ترا دارم امید

(ہر ایک نادان شخص اور بندہ اپنے خدا کے علاوہ سب سے امید رکھتا ہے۔ لیکن میری عمر تو اسی میں بیت گئی ہے کہ میں تو صرف تجھی سے امید رکھتا ہوں)۔

یہ بھی انسانی فطرت اور اس کی سرشت' خاکی فطرت ہے کہ وہ اپنے خالق حقیقی اور مالک واحد و یکتا کو چھوڑ کر دیگر تمام ماسوا اللہ سے خوب امیدیں لگائے رکھتا ہے۔ حالانکہ اس بندہ کی اماج گاہ صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات باری ہے۔ لیکن دُنیا کے طالب لوگ اپنے رب کریم و رحیم کو چھوڑ کر ماسوا اللہ ہی سے اپنی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ اے میرے اللہ میری امیدوں کا مرکز و مدار تیری ذات اقدس ہی ہے اور بحوالہ تصوف میں تو اے میرے خدا تجھ سے تیری ہی امید رکھتا ہوں۔

(۷)

ہم تو دیدی من چہا کردم تو پوشیدی زلطف
ہم تو می دانی کہ از تو من چہادارم امید

(میں نے جو بہت زیادہ گناہ کیے ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور اپنے لطف و کرم سے انہیں چھپا رہا ہے۔ اے میرے اللہ تجھے خبر ہے کہ میں تجھ سے کیا کیا امیدیں رکھتا ہوں)۔

اے میرے اللہ! تو بہت بڑا غفار ہے۔ تو غفور ہے اور تو ہی مغفرت کرنے والا ہے۔ اس کے برخلاف میرے اللہ! میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں تو گناہوں پر گناہ کیے جارہا ہوں اور تو مجھے اور میرے گناہوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ میں تو مستقل تیری نگاہ میں ہوں۔ میرا کوئی عمل اور فعل تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں بدستور اور مدام گناہ کیے چلا جارہا ہوں۔ لیکن اے میرے اللہ! تو ستار العیوب ہے۔ تو عیبوں اور برائیوں پر پردہ ڈالنے والا ہے' تو پردہ پوشی فرماتا ہے' یہ سب تیرے لطف و کرم سے ہے۔ تیرا لطف و کرم جس طرح میرے گناہوں کو چھپائے جارہا ہے اسی طرح تو چونکہ ''غفار الذنوب'' بھی ہے' میرے گناہوں کو معاف بھی فرما دے گا۔ اے میرے غفور و رحیم اللہ' میں بندہ ہوں۔ اس لیے تیری رحمت سے کتنی زیادہ اور کیا کیا امیدیں لگائے ہوئے ہوں۔

⟨۸⟩

ذرہ ذرہ چوں خدا گرداندم خاک لحد
بہر ہر ذرہ ز تو فضل خدا دارم امید

(قبر کے اندر جب اللہ مجھے ذرہ ذرہ کر کے خاک کے ساتھ خاک کر دے گا' تو اس وقت میری خاک کا ایک ایک ذرہ اپنے اللہ کے فضل وکرم کا امیدوار ہوگا)۔

بعد از مرگ قبر کے اندر مٹی کے ساتھ مٹی ہونے کی حالت کو شاعر نے ایک نئے اور خوب صورت پیرائے میں پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ قبر کے اندر جب میرا خاکی جسم بھی مٹی کے ساتھ ذرہ ذرہ ہو کر مل جائے گا۔ اس وقت بھی میری شدت طلب اور میری امید میرے ساتھ ہوگی۔ میرا جسم و جثہ تو محض خاک تھا لیکن اب یہ جو لاکھوں ہزاروں ذرے بن چکے ہیں۔ یہ ذرے بھی اپنی قدرتی حالت میں اپنے اللہ الرحیم والرحمٰن کے فضل فراواں اور کرم بے انتہا کے طلب گار اور امیدوار ہوں گے۔ اس طرح میری آرزو اور طلب کئی چند ہو کر سامنے آئے گی۔

⟨۹⟩

دم بدم بد گفتہ ام' بد ماندہ ام' بدکردار ام
باوجود ایں خطاہا من عطا دارم امید

(میں نے ہر لحظہ اور ہر ساعت بری بات کہی' میں مدام برائی میں لت پت رہا' میں سدا برے ہی کام کرتا رہا۔ ان تمام خطاؤں کے باوجود بھی میں تجھ سے عطا اور بخشش کی امید رکھتا ہوں)۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون و قاعدہ ہے کہ کوئی بندہ جس بھی بھلی یا بری راہ کو اختیار کرتا ہے' اس کے لیے اللہ آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ اس برائی کی راہ پر پڑنے کے بعد بندے سے نہ تو کوئی اچھا کام ہوتا اور نہ اچھی بات وہ کر سکتا ہے۔ وہ برائی میں سدا قعر مزلت ہی میں گرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ساری دنیا ہی برائیوں سے بھر جاتی ہے۔ لیکن اس ساری صورت احوال اور کیفیت کے باوجود بھی وہ بندہ اپنے اللہ سے عطا اور بخشش اور عفو اور

معافی کی امید رکھتا ہے۔

(۱۰)

روشنی چشم من از گریہ کم شد اے حبیب !

ایں زماں از خاک کوئیت توتیا دارم امید

(اے میرے دوست! سدا رونے دھونے سے میری آنکھوں کی روشنی کم ہوگئی ہے۔ میں اب بے بصر ہوں۔ اس حالت میں تیری گلی کی خاک سے مجھے توتیا کی امید ہے)۔

اے میرے حبیب' اے میرے پیارے دوست! میں اس قدر گریہ زاری کرتا رہا ہوں کہ اس سے تو میری آنکھوں کی روشنی اور بینائی بھی جاتی رہی ہے۔ اب میری حالت کور اندھوں جیسی ہے۔ اب اس اندھے پن کے دور اور وقت میں میرے لیے تیرے کوچے کی اکسیر خاک' توتیا اثر ہوگی' اس کا سرمہ آنکھوں میں لگانے سے میری آنکھوں کو روشنی مل جائے گی۔

(۱۱)

محی می گوید کہ خون من حبیب من بریخت

بعد از کشتن از ومن لطف ہا دارم امید

(محی الدین فرماتے ہیں کہ میرا خون تو میرے حبیب ہی نے بہایا ہے' اس خون بہنے اور قتل ہونے کے بعد اب میں اسی سے اس کے الطاف و اکرام کی امید رکھتا ہوں)۔

بتایا جا رہا ہے کہ جس نے میرا خون بہایا ہے اور جس نے مجھے جان سے مار ڈالا ہے۔ میں اس کے ہاتھوں ذبح ہو چکا ہوں۔ میں ذبیح عشق ہوں۔ اس لیے جس نے مجھے قتل کیا ہے اب اس کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد بھی اسی سے مزید اس کے الطاف و اکرام اور مہربانیوں کی امید رکھتا ہوں۔ اس شعر میں جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے کہ جس کے بارے میں قرآن مجید میں یوں وضاحت موجود ہے کہ: ''مقتولین فی سبیل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کہ انہیں مردہ نہیں کہا جاتا۔'' (۲:۱۵۴)۔ بلکہ انہیں تو مرنے کے بعد مزید کئی ارتقائی منازل کی جانب بھی رہنمائی ملتی ہے۔ (۶:۴۷)

# غزل

①

زسر تا پا تن من گر ہمہ اندوہ و غم باشد
ہنوز از ایں چنیں دردگہ دارم از تو کم باشد

(اگر میرا جسم سرتاپا اندوہ وغم بن جائے۔ میرے جسم و جان میں دکھ اور غم کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ پھر بھی تیرے دیئے ہوئے درد والم کو میں کم ہی سمجھتا ہوں)۔

بتایا جارہا ہے سارے تن من کا مجموعہ درد وغم بن جانا اگر چہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے جو تیری جانب سے اندوہ وغم ملا ہوا ہے وہ پھر بھی میرے اس درد و الم سے تھوڑا اور کم ہی ہوگا۔ عشق کا غم عاشق کو جس بھی قدر اور جس بھی مقدار میں ملے' اس پر عاشق صبر نہیں کرتا' عاشق کے لیے محبوب کی جانب سے ہر درجے کا اور ہر معیار کا درد وغم کم اور ناکافی ہی ہوتا ہے۔ سچے عاشق کبھی غم والم سے بھی سیراب نہیں ہوتے بلکہ وہ تو ''ہل من مزید '' ہی کی آرزو کرتے رہتے ہیں۔

②

چگو نہ سر بسائی بر فلک کز عنایت عزت
بہر جاپا نہی سرہا ترا زیر قدم باشد

(اے میرے پروردگار اللہ! تو صرف فلک پر ہی کیونکہ مقیم نہیں رہ سکتا' تو اپنے انتہائی درجے کی رفعت وعزت کا حامل ہے کہ جہاں بھی تو اپنا پاؤں رکھتا ہے اس کے نیچے سر ہی سر ہوتے ہیں)۔

اے میرے خالق و مالک اللہ اگر چہ تو عرش پر مقیم ہے تیری عظمت اور تیری کبریائی کو کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ تیری بڑائی کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس اعتبار سے مجھے کسی مکان و زمان میں قید یا پابند نہیں کیا جاسکتا۔ اے سب کے محبوب خدا! تو اگر اپنے جلال اور عظمت کے ساتھ جہاں بھی قدم رکھ دے۔ اس کے نیچے ساری مخلوقات کے سر ہوں گے۔ سروں کے اوپر

تیرے قدم کا ہونا بلحاظ حجم بڑا نہیں بلکہ تو تو اپنی کبریائی اور عظمت سے بڑا ہے۔ تیری بڑائی اور کبریائی کے سامنے سب ہیچ ہیں۔

(۳)

غنیمت داں حضور درد و غم اے دل کہ دوراں را
وفائے نیست چندانے و صحبت مغتنم باشد

(اے میرے دل! درد و غم کی حضوری کو تو غنیمت سمجھ۔ یہی بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ فی زمانہ دنیا میں وفا موجود نہیں ہے۔ حالات ایک سے نہیں ہیں اس لیے موجودہ زمانے ہی کو غنیمت جان رکھو)

اے میرے دل! تو بڑا ہی خوش بخت ہے کہ تجھے حضوری حاصل ہے۔ اس لیے تیری یہ درد و غم کی حضوری ہی تیرے لیے بہت بڑی نعمت اور عظمت ہے۔ یہ درد و غم کی حضوری جب تک برقرار اور قائم رہے گی، اسی کو تو غنیمت سمجھ لے کہ تیرے لیے اس سے بڑا اور اہم مقام و مرتبہ اور اعزاز اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۴)

خوش است از خوبرویاں گہہ جفا گاہے وفا لیکن
زمن مہر و وفا از تو ہمہ جور و الم باشد

(حسینان خوب رووں کی طرف سے کبھی جفا اور کبھی وفا اچھی لگتی ہے۔ لیکن میرے عشق کا یہ تقاضا ہے کہ میری طرف سے سدا وفا ہو اور تیری طرف سے ظلم و ستم روا رہیں)۔

یہ تو حسینوں اور خوب صورت معشوقوں کی ازلی اور فطری ادائیں ہوتی ہیں کہ وہ کبھی وفا کرتے ہیں اور کبھی جفا، ان کی یہ وفا اور جفا ہی اصل میں ان کا پیشہ معشوقان دلربا ہوتا ہے اور وہ جو سچے عاشق یعنی شمع کے پروانوں کی مانند ہوتے ہیں، انہیں بھی تو یہی وفا اور جفا ہی کی طلب ہوتی ہے۔ معشوق حسین کی ان ہی اداؤں کو عشاق اپنے عشق کا ثمر اور نعمت سمجھتے ہیں۔ عاشق صادق کو سدا یہی چاہتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے طور پر وفا ہی وفا کرتے رہیں۔ لیکن اس کے برعکس معشوق کی جانب سے ان پر مدام جفائیں ہی ہوتی رہیں کہ یہی عاشق کی جان ہوتی

ہیں۔

⑤

دم آب از سگال سگ بکوئے یار نوشیدن
مرا خوشتر بود زاں بادہ کاں در جام جم باشد

(میرے عشق کی وارفتگی یہ ہے کہ کوچہ یار میں کتے کے برتن میں پانی پینا میرے لیے جام جمشد میں شراب پینے سے بھی بھلا لگتا ہے)۔

عشاق میں کوچہ یار کو جو عظمت اور برتری دی جاتی ہے اس کی مثال دنیا کے علم وادب میں بھی بمشکل ملتی ہے۔ سچے عاشق تو کوئے جاناں کے طواف کو اپنے لیے حج اکبر سے بھی افضل اور بہتر جانتے ہیں۔ اسی حوالے سے اس شعر میں یوں کہا گیا ہے کہ یار کی گلی میں عام پانی اور وہ بھی کتے کے سے نجس اور ادنیٰ جانور کے برتن میں پینا عاشق کے لیے تو ایران کے شاہنشاہ جمشید کے پیالہ خاص میں شراب پینے سے بھی زیادہ اچھا' خوش تر اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔

⑥

خلاصی گر ز ہستی بایدت عاشق شو اے محی
کہ اول گام در عشق پری رویاں عدم باشد

(اے محی الدین اگر تم اپنی ہستی سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو عاشق بن جاؤ۔ کیونکہ وادی عشق میں معشوقان حسین کا پہلا قدم ہی عدم ہوتا ہے۔ وہ موت سے پہلے موت کو قبول کر لیتے ہیں۔)

اے محی الدین اگر تم اس دنیا میں اپنی ہستی سے تنگ ہو اور یہ ہستی تمہیں عذاب دکھائی دیتی ہے اور اس حوالے سے تم اس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا آسان سا نسخہ یہ ہے کہ تم عشق کر کے عاشق ہو جاؤ۔ شرع عشق کے نرالے اصول ہیں۔ اس میں تو خوب رو اور پری وش معشوقوں کا پہلا قدم ہی عدم ہوتا ہے۔ گویا اس وادیٔ عشق میں داخل ہی وہ ہو سکتا ہے جو پہلے قدم پر ہی موت کو قبول کر لے اور بحوالہ تصوف وہ موت سے پہلے ہی موت کو بخوشی

پسند کر کے ''موتوا قبل ان تموتوا'' کے مقام کو حاصل کر لے۔

## غزل ۲۵

۱

تعالیٰ اللہ چہ حسنت ایں کہ چوں برقع بر اندازد
اگر باشد دل از آہن کہ ہمچوں مدم بگدازد

(واہ! سبحان اللہ! کتنا پیارا حسن ہے میرے محبوب کا کہ وہ جب پردے سے باہر ہوتا ہے' تو اس کو دیکھ کر تو لوہے کا دل بھی موم کی طرح نرم ہو کر پگھل جاتا ہے)۔

بتایا جارہا ہے کہ واہ! سبحان اللہ۔ اس حسن کی بات اور کیا شان حسین ہے۔ وہ حسن یکتا کتنا بھرپور اور کتنا کامل ہے۔ وہ حسین ۔ جمال بے حد پیارا اور دنیا جہاں کو تسخیر کر لینے والا ہے۔ جس کا یہ خاصا اور اعزاز ہوتا ہے کہ وہ اکثر پردے کے اندر ہی رہتا ہے اور اس کی بھی کئی وجوہ ہیں۔ لیکن جب کبھی حسن پردے سے باہر ہو بھی جاتا ہے تو اس کو دیکھ کر سخت سے سخت دل چیزیں بھی نرم و نازک ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر اس حسن بے پردہ کو لوہا جو دھاتوں میں بہت سخت ہوتا ہے' وہ بھی دیکھ لے تو اس حسن کی تجلی کے باعث اس کا سخت ترین دل بھی موم ہی کی طرف نرم گداز ہو کر پگھل جائے۔

۲

ہمہ خوباں بحسن خویش می نازند و ماہ من
چناں باشد کہ حسن اوبروئے خوب می نازد

(اے لوگو! حسینوں کو تو اپنے حسن و جمال پر ناز ہوتا ہے۔ لیکن وہ جو مہتاب حسین ہے۔ اتنا خوب صورت ہے کہ حسن و جمال خود اس کے چہرے پر ناز کرتا ہے)۔

حسینوں کے پاس ناز نخرہ اور عشوہ و فخر کرنے کے لیے ان کا حسن و جمال ہوتا ہے۔ وہی اپنے اسی حسن و جمال ہی سے ہر طرف تباہی و بربادی پھیلاتے رہتے ہیں۔ گویا حسینوں کے ساتھ ان کا حسن و جمال ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ لیکن اے لوگو! میرا محبوب' جو میرے لیے میرا

سب کچھ ہے' اس کا حسن و جمال اور زیب و زینت سب سے الگ اور زیادہ ہے۔ میرا محبوب چاند سے بھی حسین اور دلربا ہے۔ اس کا حسن و جمال اس اعتبار سے بھی سب سے ممتاز اور نمایاں ہے کہ حسن و جمال تو خود اس کے خوب صورت چہرے پر ہونے کی وجہ سے نازاں ہے۔

(۳)

بود رسم پری رویاں کہ با دیوانگاں نازند
شوم دیوانہ آں تند خو بامن نمی نازد

(اکثر پری رو حسین معشوقوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دیوانوں کے ساتھ ناز و ادا ہی سے پیش آتے ہیں۔ لیکن میرا حسین محبوب تو بڑا تند خو ہے۔ وہ مجھے ناز و ادا نہیں دکھاتا۔ میں تو پھر بھی اسی کا دیوانہ ہوں)۔

بتایا گیا ہے کہ یہ دستور عشق ہوتا ہے کہ ہر حسین' ہر پری وش اور ہر حسن و جمال والا معشوق ناز و اداؤں کا مرکز ہوتا ہے اور بوقت ضرورت اپنے دیوانوں یعنی عاشقوں پر ناز اور ادائیں ہی نچھاور کرتا ہے۔ یہ ناز اور ادائیں ہی اصل میں عشاق کے لیے ان کے عشق کا انعام اور ثمرہ حسین ہوتی ہیں۔ شاعر بتا رہا ہے کہ اس کا معشوق حسین بڑا ہی ظالم ہے۔ بہت تند خو ہے۔ ترش رو سخت مزاج ہے۔ وہ اوروں کی طرح ناز اور اداؤں اور عشوہ نازیوں کی دولت نہیں لٹاتا اور مجھے اپنے نازنخروں سے بھی محروم رکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں تو صرف اسی ہی کا دیوانہ اور عاشق زار ہوں اور عشق کرتے چلے جانا میرا فرض اور میری شرع ہے۔ میں اس سے نہیں ہٹ سکتا۔

(۴)

مکن اے مدعی عیبم اگر نالم جدا از یار
کہ من در ہجر می سازم ولیکن دل نمی

(اے مصلح! اگر میں اپنے یار کی جدائی میں گریہ زاری کرتا ہوں تو یہ کوئی میرا عیب نہیں ہے۔ میں تو اس کے ہجر و فراق سے بھی نباہ کر رہا ہوں' لیکن کیا کروں میرا دل میرے بس میں

اور اختیار میں نہیں ہے)۔

اے مدعی! اے مجھے نالش کرنے والے اور اے مصلح! فراق یار میں سب روتے ہیں۔ سب آہ وزاری کرتے ہیں۔ اس میں فغاں اور نالے بھی ہوتے ہیں' بلکہ یہ تو عاشق کی پہچان کا ذریعہ بننے والا عمل ہے۔ اس لیے میں جو رو رہا ہوں یہ کوئی میرا عیب اور بے مہری نہیں ہے۔ یہی آہ وفریاد اور گریہ زاری ہی سے اگر چہ عاشقوں کو سکون اور راحت میسر آتی ہے۔ اس ساری صورت حال میں کہ میرا محبوب بے نیازی کے ساتھ مجھ پر توجہ نہیں دے رہا۔ میں تو پھر بھی نباہ کیے جارہا ہوں' لیکن میں اس دل ناصبور کا کیا کروں وہ ہجر وفراق سے بے تاب ہے۔ اس پر تو میرا کوئی اختیار وارادہ نہیں ہے۔

(۵)

کجا پروا کند محی کہ درعالم بود عارے

چناں مشغول یارست او کہ باخود ہم نہ پرداز

(محی الدین کو اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کہ دنیا میں عشق کی وجہ سے بدنامی ہوگی' کیونکہ اپنے یار میں میں تو اس قدر کھویا ہوا ہوں مجھے اپنی پرواہ اور ہوش ہی نہیں ہے)۔

اے محی الدین! میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اس عالم رنگ و بو میں میرے عشق کی وجہ سے میری بدنامی ہوتی یا لوگ مجھے برا بھلا کہتے ہیں۔ مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ لوگ مجھے کس طرح کا عاشق کہتے ہیں اور میرے عشق کو وہ کیا نام دیتے ہیں۔ ان باتوں کی نہ تو مجھے خبر ہے اور نہ میں ان کی پرواہ کرتا ہوں۔ میرا کام تو اپنے حبیب سے صرف اور صرف عشق کرنا ہے' میں اس عشق کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کی باتوں' دوسروں کی رائے اور اپنی بدنامی وغیرہ سے مجھے کوئی سروکار ہی نہیں ہے کیونکہ عشق میں تو ان امور کی جانب توجہ دینے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

# غزل ۴۷

(۱)

کسے کو یار خود دارد چرا بر دلبرے بیند
حرامش باد عشق آنکس کہ ہم بر دیگرے بیند

(جس کا اپنا محبوب ہو وہ کسی اور دلبر کی جانب کیوں دیکھے۔ یہ آئین عشق میں روا ہی نہیں ہے۔ اس طرح کے عاشق پر عشق کرنا حرام ہے جو اپنے معشوق کے علاوہ کسی اور کو دیکھے)۔

سچا اور پکا عاشق تو وہی ہوتا ہے جو صرف اپنا ہی عشق نبھاتا ہے۔ میدان عشق میں ہر عاشق کے لیے صرف اور صرف اسی کا اپنا دلبر اور محبوب ہی سب سے زیادہ پیارا اور عزیز ہوتا ہے۔ عاشق کا اپنا ہی حبیب چاہے وہ کیسا ہی ہو' سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ مرغوب' عظیم اور عدیم المثال ہوتا ہے۔ اس لیے شاعر نے بیان کیا ہے کہ جو عاشق اپنے محبوب کو چھوڑ کر کسی اور کو دیکھتا ہے' وہ ناقص' جھوٹا اور کم ظرف ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو وادی عشق سے دور ہی رکھنا چاہیے جو اپنے محبوب کے علاوہ کسی اور کو دیکھے اسے عاشق کہا ہی نہیں جا سکتا۔

(۲)

ازیں آتش کہ دارم ز شوق او عجیب نبود
کہ آں ماہ چوں بہ بالیں آیدم خاکسترے بیند

(عشق کی جو آگ میرے دل میں لگی ہوئی ہے وہ بڑی شدید ہے۔ تعجب نہیں کہ جب میرا محبوب میری خبر گیری کو آئے' جب میرے سرہانے آئے تو اس وقت اسے میری راکھ ہی دکھائی دے)۔

میرے محبوب نے اپنے عشق میں میرے دل میں ایک بہت بڑی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ اس آگ میں لحہ بہ لحہ میں جلتا اور سڑتا رہتا ہوں۔ عشق کی آگ میں جلنا اور مرنا ہی اصل

میں تو عاشق زار کی زندگی ہوتی ہے۔ سچے عاشق اس عشق کی آگ میں بڑے شوق اور چاہت کے ساتھ جلتے رہتے ہیں۔ ہماری کیفیت ایسی ہے کہ دل میں بھڑکی ہوئی آگ سے ہم جلے جارہے ہیں۔ اس صورت میں عین ممکن ہے کہ جب کسی وقت ہمارا دلبر جانی ہماری تیمار داری اور خبر گیری کے لیے ہمارے سرہانے پر آئے تو اسے ہمارے بجائے ہماری راکھ اور خاک ہی دکھائی دے۔ عاشق کی یہ صورت بھی عشق میں گویا فناہ ہو جانے کی ہوتی ہے۔

(۳)

همہ عالم زتاب مہر سوزندہ شدہ عمرے

کہ مہر از رشک می سوزد کہ از خود بہترے بیند

(ایک مدت سے میرے آفتاب تاباں کی تپش سے سارا جہاں جل اٹھا ہے۔ یہ اس کی گرمئی حسن کا حال ہے۔ اس پر دنیا کا سورج رشک سے رو رہا ہے کہ اس نے اپنے سے بھی بہتر سورج کو دیکھ لیا ہے)۔

اس شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ سورج کی یہ تاثیر اور حدت ہوتی ہے کہ وہ چیزوں کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ حسن و جمال میں بھی تابانی، چمک اور تپش موجود ہوتی ہے۔ جس طرح سورج دنیا کو جلاتا ہے اسی طرح حسن محبوب بھی اپنے حسن کی تپش سے دنیا کو جلاتا ہے بتایا جارہا ہے کہ میرے محبوب کے حسن و جمال کا سورج تو اپنی تپش اور تابانیوں سے ایک مدت ہوئی پورے جہاں کو جلا چکا ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس آسمان کا اصلی اور حقیقی سورج رشک کا شکار ہوگیا ہے کہ اس دنیا میں اس کے علاوہ بھی کوئی سورج موجود ہے جو اس سے بہتر بھی ہے اور زیادہ تاب و تپش کا مالک بھی ہے۔

(۴)

اگر عاشق زدل نالد زگریہ نیست پروائش

اگر برجائے ہرمو برتن خود نشترے بنید

(عاشق کا دل اگر نالہ و فریاد کرتا ہے تو اس کے رونے دھونے کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ رونا دھونا ہی اس کی قسمت میں ہے۔ اس کے علاوہ خواہ جسم پر ہر بال بھی نشتر بن جائے تو بھی

فکر نہیں)۔

آہ وبکا' گریہ ونالہ' رونا دھونا' شوروا ویلا کرنا عاشق کی سرشت میں ہوتا ہے۔ عاشق کے شب وروز گریہ وزاری اور رونے پیٹنے ہی میں بسر ہوتے ہیں۔ عاشق ان کے بغیر خاموشی میں زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے بتایا جارہا ہے کہ عاشق کے نالہ وشیون کی کوئی پرواہ نہ کر' یہ تو گویا عاشق کے ساتھ لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ ان کے بغیر عاشق کی زندگی بے رونق اور بے کیف ہی ہوتی ہے۔ لیکن عاشق ان اذیت ناک آہوں' نالوں اور گریہ مندی کے باوجود بھی سیر نہیں ہوتا۔ اس کے جسم کا ایک ایک بال بھی اگر تیز نشتر میں بدل جائے تو عاشق کی اس سے بھی سیری نہیں ہوگی۔ وہ ان سب تکالیف کو اپنے محبوب کی جانب سے کم ہی سمجھتا ہے۔

۵

نہ کرد آں بامسلماں ہیچ گہہ رحمے ومی دانم

کہ برمن سوزش دل گر سوئے من کافرے بنید

(اے لوگو! اس نے تو کبھی کسی مسلمان کے ساتھ رحم دلی سے کام نہیں لیا۔ مجھے یہ خبر ہے' کہ اگر میرے دل کی سوزش کو کوئی کافر بھی دیکھ لے تو اس کا دل بھی ضرور نرم ہو جائے)۔

یہ بھی عشق کا دستور ہوتا ہے کہ اس میں کسی دین دھرم یا مذہب ملت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ عشق کا اپنا ہی مذہب ہوتا ہے جو اسے اختیار کرتا ہے وہی مشرف بد مذہب عشق ہو جاتا ہے۔ میرے محبوب کی یہ ادا اور عادت ہے کہ اس نے تو کبھی کسی مسلمان' امن وسلامتی والے کو بھی محبت اور رحم سے نہیں دیکھا' اس کی جفاؤں ہی میں میرے لیے زندگی اور راحت ہے۔ اس کی جفاؤں اور دلربا اداؤں اور عشوہ بازیوں سے میرا دل ناشاد اس قدر جل بھن چکا ہے کہ اسے اگر کوئی کافر بھی دیکھ لے تو اس کا دل بھی ضرور پسیج جائے اور اسے مجھ سے ہمدردی ہو جائے۔ مگر میرا محبوب تو بڑا ہی بے نیاز اور بے پرواہ ہے اسے میری آہ وزاری سے کوئی سروکار نہیں۔

(۶)

خوش آں ساعت کہ در کوئی بتاں محی رود سرخوش

بدستے شیشہ در دستے پر از مے ساغرے بیند

(وہ کتنا خوش کن وقت ہوگا جبکہ محی الدین کوچہ بتاں ہیں اس حال میں خوش خوش جارہا ہو کہ اس کے ایک ہاتھ میں صراحی ہو اور دوسرے میں مے سے بھرا ساغر ہو)۔

عاشقوں کے لیے خوشی اور مسرت کی ایک آدھ ساعت بھی عام لوگوں کی صدیوں سے بہتر اور فائق ہوتی ہے۔ اسی لیے ایک عاشق صادق کی اس آرزو اور خواہش کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے لیے اس سے بہتر اور افضل ساعت کوئی اور نہیں ہوسکتی کہ جس لحہ وہ ایک ہاتھ میں بلوریں مینا اور دوسرے ہاتھ میں شراب سے بھرا ہوا جام لیے ہوئ دنیا ومافیہا سے بے پرواہ اور بے خبر خوش خوش جارہا ہو۔ بحوالہ تصوف اس شعر میں قرب و معرفت الٰہی کی جانب اشارہ ہے کہ محی الدین وہ گھڑی کتنی مبارک اور خوش کن ہوگی جب میں معرفت الٰہی کے خم خانہ حق میں ہوں گا اور وہاں پر میں مینائے قدوسی میں سے معرفت کے جام پی رہا ہوں گا۔ وہ لحہ اور وہ ساعت میرے لیے کتنی بڑی اور کتنے زمانوں اور قرنوں پر بھاری ہوگی!

## غزل ۲۸

(۱)

من نمی گویم کہ جور روزگارم می کشد

طعنۂ بدخواہ و بے رحمی یارم می کشد

(میں یہ تو نہیں کہتا کہ زمانے کے جور وستم مجھے ہلاک کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ مجھے تو بد خواہ اور ناسمجھ لوگوں کے طعنے اور اپنے یار کی بے رحمی اور بے رخی مار ڈالتی ہے)۔

عاشقوں کے لیے اس دنیا میں کسی بھی طرف سے کسی بھلی بات کی امید اور توقع نہیں ہوتی۔ عاشقوں کو تو عام مروجہ معاشرتی قدروں کی تہدیم وتخریب کے باعث سدا موردالزام ہی ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس پر مستزاد ناصح اور واعظ انہیں برا بھلا اور خیر وشر کے فلسفوں میں الجھا کر

رکھ دیتے ہیں۔ اس لیے زمانہ عاشقوں کے لیے اور عاشق زمانے کے لیے گویا ہوتے ہی نہیں ہیں۔ دنیا اور زمانہ تو عاشقوں کو واجب قتل اور حق دار سنگ زنی ہی قرار دیتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ ساری کارروائیاں اور تعزیرات وغیرہ کا نفاذ سچے عاشقوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ان سے عاشق مرتے بھی نہیں' عاشق تو صرف بدخواہ اور بدسگال لوگوں کے طعنوں سے اور پھر سب سے بڑھ کر یار کی بے رحمی' اس کی بے رخی' جور و ستم اور جبر و ظلم و سفاکی سے ہلاک ہوتے ہیں۔

(۲)

دور از وے بے طاقتی باشد کہ روز چند بار

محنت و دردے و داغ انتظارم می کشد

(یار کی دوری کے سبب میری بے طاقتی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ میں مشقت' فراق اور انتظار کے داغ اور درد والم سے دن میں کئی بار مرتا رہتا ہوں)۔

محبوب سے دوری اور فراق کوئی معمولی سوغاتیں نہیں ہیں۔ عشاق کے لیے یہی ہجر و فراق ہی تو بہت بڑی نعمتیں ہوتی ہیں۔ قربانی اور جان دینا شیوہ عاشقی ہوتا ہے۔ سچے عاشق اس شیوہ عاشقی اور آئین عاشقاں کو خوب خوب نبھاتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اس ہجر و فراق اور دوری کے لمحوں میں ہر سانس میں مرتے جیتے رہتے ہیں۔ ہر روز وہ انتظار میں ہوتے ہیں اور دل میں انتظار کے روشن داغ لیے ہوئے وہ ہزاروں سینکڑوں بار مرتے رہتے ہیں۔

(۳)

من نہانی عشق می ورزم بہ او' آں تند خو

از برائے عبرت خلق آشکارم می کشد

۔ (میں تو اس سے اپنا عشق خفیہ اور پوشیدہ ہی رکھتا ہوں' لیکن میرا محبوب ہی غصہ ور ہے' وہ دوسروں کی عبرت آموزی کی خاطر برملا مجھے ہلاک کرتا ہے)۔

عاشق لوگ اپنے فہم و ادراک اور حواس و احساس کے ناتوں سے حتی الامکان اپنے عشق کو خفیہ اور پوشیدہ ہی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام شعوری کوششوں اور پردہ

داریوں کے باوجود عاشقوں ہی کے دل و جان اور اعمال و افعال سے یہ عشق ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اس شعر میں عاشق کی اپنی سطح پر بتایا جا رہا ہے کہ وہ تو اپنے عشق کو اپنی کوششوں سے سات پردوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ لیکن اس کا محبوب ہی بڑا ظالم، غصہ ور اور تند خو ہے اس کے مزاج میں شوخی اور تندی ہے، وہ دوسرے لوگوں کی عبرت آمیزی کی خاطر مجھے تختہ مشق بناتا اور سب لوگوں کے سامنے کھلم کھلا ہلاک کرتا ہے۔

(۴)

گر روم در کوچہ، بازیچہ طفلاں شوم
ور نشینم گوشۂ فکر تو زارم می کشد

(اگر میں اپنی اس حالت کے ساتھ گلی کوچہ میں نکل جاؤں تو میں بچوں کا کھیل بن جاؤں اور اگر میں گوشہ نشین ہو جاؤں تو تیری فکر اور تیرا غم مجھے نحیف و نزار کر کے مار ڈالتا ہے)۔

عاشق نامراد اپنے احوال کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ کیا کرے اور کدھر جائے۔ عشق میں بے حد مجبور اور رنجور ہو چکا ہے۔ اس کی کیفیت بڑی ہی عبرت انگیز ہے۔ وہ بتایا ہے کہ اگر وہ اپنی عاشقی کے احوال اور غم و الم لے کر گلی میں نکل جائے تو وہ لڑکوں کا کھیل بن جائے۔ لڑکے اسے کیا کیا القاب اور خطاب دیں۔ اگر وہ چاہیں تو دیوانہ جان کر پتھروں سے مارنا ہی شروع کر دیں اور دوسری صورت میں اگر وہ عاشق گوشہ نشیں ہو کر چھپ کر بیٹھ جائے تو اسے پھر اپنے معشوق کا غم اور فکر کھانے لگتا ہے۔ معشوق کا فکر و غم بڑا ہی بوقلموں اور جان لیوا ہوتا ہے۔ وہ عاشق کو نڈھال، نزار اور نحیف کر کے مار کر ہی چھوڑتا ہے۔

(۵)

شب گزارم در خیالت، روزگارم چوں شود
روز فکرم، نالۂ شب ہائے تارم می کشد

(میں تیرے ہی خیالوں میں رات گزارتا ہوں اور میرے اوقات کس طرح سے گزرتے ہیں۔ اس پر میری حالت شاہد ہے کہ دن فکر و غم میں اور سیاہ راتوں کو نالے مجھے مارے ڈالتے ہیں)۔

اے میرے محبوب میں کن حالوں میں زندگی کررہاہوں اور مجھ پر کیا کچھ بیتتا رہتا ہے۔ اس سے تو بیگانہ اور بے خبر نہیں ہے۔ مجھے یہ بتانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ میں صرف اور صرف تیرے ہی خیالوں کی دنیاؤں میں گم ہوں۔ رات دن تیرا ہی خیال رہتا ہے۔ میرا وقت تیرے ہی خیال وخواب میں بٹا ہوا ہے۔ تم میری حالت اور کیفیت دیکھ کر خود ہی اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں کیونکہ زندہ ہوں' بلکہ زندہ بھی ہوں کہ سانپوں جیسی سیاہ راتیں گریہ زاری اور آہ وبکا میں گزرتی ہیں۔ مجھے میرے شب وروز ہی مارے ڈالتے ہیں۔

(۶)

شوق دیدارت مرای کشت زیں پیش وکنوں

آرزوئے بوسۂ امید کنارم می کشد

(اے میرے پیارے! مجھے پہلے تو تیرے دیدار کا شوق قتل کرتا رہا ہے اور اب تیرے حصول بوسہ اور ہم آغوش ہونے کی آرزو قتل کرتی ہے)۔

عاشق کی صورت حال بتائی جائی رہی ہے وہ ہر حال اور ہر عہد اور ہر دور میں مرتا ہی رہتا ہے۔ اس کے لیے وفا بھی جفا اور جفا بھی جفا ہی ہوتی ہے۔ اس کے لیے وادی عشق ہر دور میں اور ہر حال میں وادئ موت بھی بنی رہتی ہے۔ عاشق کی زبان حال سے بتایا جارہا ہے کہ شروع میں' میں تجھے دیکھنے اور تیرے حسن وجمال کی جھلک پانے کے شوق اور امید میں قتل ہوتا رہا۔ میرا شوق ہی مجھے بار بار قتل کے گھاٹ اتارتا رہا۔ اوراب دوسری سطح پر کہ جب میں اپنے عشق کے صدمات اور ہجر وفراق کے غموں سے پختہ در عشق ہو چکا ہوں۔ تبولیس وتکفیر کی حسرت یعنی بوسۂ محبوب کی آرزو اور ہم آغوش جاناں ہونے کی طلب وتمنا مواتر اور مستقل قتل کررہی ہے۔ گویا میرے لیے ہر عہد میں قتل ہونا ہی لکھا ہے۔

(۷)

می کشد زحمت طبیبے غافل است از ایں کہ او

ہمچو می سوزش جان فگارم می کشد

(طبیب یوں ہی میری خاطر زحمت برداشت کرتا ہے۔ وہ طرح طرح کے جتن کرتا

ہے۔ وہ اس بات سے غافل ہے کہ میری زخمی جان کی سوزش محی الدین کی طرح اسے بھی مار ڈالے گی)۔

میرا مرض عشق کا مرض ہے' اس کی تو کسی معالج یا طبیب کو خبر ہی نہیں ہوتی اور یہ مرض اپنی اصل میں لا علاج ہے۔ اس لیے میرے علاج معالجے کی خاطر طبیب بے چارہ خواہی نخواہی زحمت برداشت کرتا ہے۔ اس طبیب معالج کو اس امر کی خبر ہی نہیں ہے کہ میری یہ جو زخمی اور نحیف و لاغر جان ہے' میرا جسم جو محض ہڈیوں ہی کا ایک پنجر رہ گیا ہے اس جسم و جان کو سوزش عشق ہی نے جلا کر اس حالت تک پہنچایا ہے اور اس کے علاوہ معالج اس بات سے بھی لاعلم ہے کہ میرا علاج کرتے کرتے اسے بھی میرے عشق کی سوزش اور جلن ہی ہلاک کر کے رکھ دے گی۔

## غزل ۱۲۵

⟨۱⟩

روزنے' جز زخم تیرش در سرائے تن مباد
غیر داغ حسرت اوٗ در دلم روزن مباد

(اے کاش کہ میرے جسم کی سرائے میں بغیر اس کے تیر کے زخم کے کوئی سوراخ نہ ہو اور دل کے اندر اس کی حسرت کے سوا کوئی اور کھڑکی وغیرہ بھی نہ ہو۔)

میرے جسم کا جو گھر یا مکان ہے' یہ اگرچہ ظاہری طور پر میرا ہے لیکن دراصل یہ جسم کی سرائے میری نہیں ہے۔ اس گھر کا اصل مالک تو میرا حبیب ہی ہے اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس کے جو در و دیوار ہیں' سب میرے محبوب کی مقدس امانتیں ہیں۔ میں اگر کہوں کہ میری حیثیت ان امانتوں کے امین کی ہے تو مجھے اس کا بھی یارا نہیں ہے۔ میری تو یہ حسرت اور آرزو ہے کہ میری اس سرائے جسم میں اگر کوئی سوراخ روز روزن یا کھڑکی ہو تو وہ بھی تیرے لگائے ہوئے تیر کے زخم ہی کی ہو اور اسی طرح تیری حسرت کی آرزو اور ارمان کے سوا کوئی کھڑکی یا روزن نہ ہو۔

(۲)

عاشق روئے بتاں یارب مبادا ہیچ کس
ور کسے عاشق شود' یارایں بتان من مباد

(یارب! کوئی رخ محبوب کا عاشق نہ ہو یہ بہت بڑا عذاب ہوتا ہے اور اگر کوئی ہو بھی تو وہ ہرگز میرے محبوب کے رخ حسیں کا عاشق نہ ہوا۔)

اے میرے پروردگار! تو بے حد رحیم اور کریم ہے تو اپنے انسانوں پر ہمیشہ مہربانیاں ہی فرماتا ہے۔ میری تو یہ درخواست ہے کہ خدا نہ کرے کوئی بھی شخص کسی محبوب کے حسین اور پرکشش چہرے کا عاشق نہ ہو۔ کوئی عاشق حسن و جمال پر فریفتہ نہ ہو۔ لیکن یہ ممکن تو نہیں ہے۔ پھر بھی اگر کسی کو عشق ہو جائے' کوئی عاشق نامراد اس عشق کے شکنجے میں پھنس جائے۔ تو وہ کم از کم میرے معشوق حسیں کے چہرے کا مشتاق نہ ہو۔

(۳)

کردہ از تیغ جفا ہر لحظ چاکے در دلم
آنکہ از خارلیش ہرگز چاک در دامن مباد

(میرے دشمن جاں نے تو جفا کی تلوار سے میرے دل میں زخم کر رکھے ہیں۔ وہ سدا کا ستم شعار ہے۔ حالانکہ ایسے معشوق کا تو کوئی دوسرا شخص اپنے دامن میں کانٹا بھی برداشت نہ کر سکے)۔

میرا حبیب' میری جان کا دشمن بنا ہوا ہے' اس کے جور و جفا بے انتہا ہیں۔ وہ مدام ظلم پر ظلم کیے چلا جاتا ہے۔ میرے ساتھ تو ہر لحہ اور ہر لحظ تند اور تیز اور ترش ہی رویہ روا رکھتا ہے۔ وہ ہر آن میرے دل میں اپنی جفا' ظلم اور بے رخی و بے اعتنائی کی تلوار سے زخم پر زخم لگاتا رہتا ہے۔ اس کی یہ زیادتی ہمی نے حرز جاں بنا رکھی ہے۔ ورنہ زمانے کا چلن تو ایسا ہے کہ ہمارے علاوہ کوئی اور دوسرا تو اس طرح کے ظالم اور جبر پر مائل محبوب کا معمولی کانٹا بھی اپنے دامن میں برداشت نہ کر سکے۔

﴿۴﴾

جنت عاشق چوں باشد بعد مردن کوئے یار
مرغ جانم را جز آں دیوارو درمسکن مباد

(چونکہ عاشق کے لیے مرنے کے بعد یار کی گلی ہی جنت ہوتی ہے' اس لیے میری یہی آرزو ہے میری جان کے پرندے کا مسکن اسی یار کی گلی کے درودیوار پر ہی ہو)۔

عاشق اپنے مزاج اور اپنی طلب میں سب سے انوکھا ہوتا ہے۔ زندگی بھر وہ اپنے یار کی گلی کا طواف کرتا رہتا ہے' یار کے گلی کوچے میں بار بار جانے سے وہ نہ تو گھبراتا ہے اور نہ کبھی اس کا جی بھرتا ہے۔ وہ یار کی گلی میں ہر بار یوں جاتا ہے کہ گویا جیسے وہ وہاں پہلی بار جا رہا ہے۔ سچے عاشق تو مرنے کے بعد کوئے یار کو جنت سے بھی اچھا اور بہتر تصور کرتے ہیں۔ عاشق صادق یوں کہتا ہے کہ موت کے بعد اس کی جان کے پرندے یعنی روح کا گھر اور مسکن بھی کوچہ یار کے درودیوار ہی بنیں۔ تاکہ وہ موت کے بعد بھی کوئے یار سے دور نہ رہے۔

﴿۵﴾

مہرومہ را روشنی از پرتو رخسار تست
بے رخت ہرگز چراغ مہرومہ روشن مباد

(اے میرے محبوب حق! سورج اور چاند کو تیرے ہی رخسار کے پرتو سے روشنی ملی ہے۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ سورج اور چاند کے چراغ تیرے رخِ منور کی روشنی کے بغیر ہرگز فروزاں نہ ہوں)۔

محبوب کے حسن و جمال کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اے میرے محبوب حسین اور حبیب پرجمال سورج اور چاند جو اس قدر تابندہ اور فروزاں ہیں وہ تو دراصل تیرے چہرے اور رخساروں کے عکس کے باعث ہی منور ہیں۔ اگر ان پر تیرے رخسار کا پرتو نہ ہو تو شمس و قمر بے نور ہی جائیں۔ میری تو خدا سے دعا ہے کہ اے پوری کائنات کے مالک و خالق' سورج اور چاند کے چراغ تیرے رُخِ روشن کے بغیر تاباں اور فروزاں ہی نہ ہوں۔

(۶)

آرزو دارم کہ در عشقت تنِ بیمار من
خالی از افغاں وزاری' فارغ از شیون مباد

(میں یہی آرزو رکھتا ہوں کہ تیرے عشق میں میرا بیمار جسم کسی وقت بھی کبھی رونے دھونے' آہ وزاری اور نالہ وشیون سے خالی نہ ہو)۔

ایک عاشق صادق وارفتگی میں اپنے حبیب کے گوش گزار کر رہا ہے کہ اگر چہ میرا جسم میرے ہجر وفراق اور گریہ زاری کے باعث کانٹا ہو چکا ہے' جان تو ہے مگر جسم سدا سدا کا بیمار رہتا ہے۔ میرا جثہ اب کلبہ احزاں بن چکا ہے اس ساری کاصورت حال کے باوجود بھی میری یہی آرزو ہے کہ اس نحیف ونزار اور علیل و بیمار جسم میں بھی تیرا عشق گھر کیے رہے اور میں تیرے عشق میں کبھی رونے دھونے' آہ وزاری' نالہ وفریاد اور شور وشیوں کی نعمتوں اور سوغاتوں سے محروم نہ رہوں۔

(۷)

تاج شاہی چوں شود باخاک یکساں عاقبت
افسر محی بجز خاکستر گلخن مباد

(فانی ہونا جہاں کا مقدر ہے اور سب کچھ فانی ہے۔ چونکہ تاج شاہی بھی خاک میں مل کر خاک ہو جائیں گے۔ تو پھر اس صورت میں محی الدین یہ چاہتا ہے کہ آگ کی بھٹی کی راکھ ہی میرا تاج شاہی بنجائے)۔

ہر چیز اعلیٰ اور ادنیٰ فانی ہے۔ سب بالآخر فنا ہو کر رہیں گے۔ اس موت کے سامنے کسی بادشاہ یا شہنشاہ کی اور اس کی سلطنت وعظمت اور اس کے اقتدار واختیار کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس کے سامنے کسی کی شان وشوکت اور خلعت وتاج وتخت بھی کوئی معنی نہیں رکھتے۔ سب کو بالآخر خاک کے ساتھ مل کر خاک ہونا ہوتا ہے۔ ایسی بے ثباتی اور ناپائیداری کی حالت میں محی الدین کی یہی آرزو ہے کہ آگ کی بھٹی کی راکھ یا تنور کی راکھ اور خاک ہی اس کے سر کا تاج اور اعزاز وامتیاز بن جائے۔ یا بحوالہ تصوف وہ عشق الٰہی میں جل بھن کر راکھ کی مشت

خاک بن جائے۔

## غزل ۳۰

(۱)

شاخ گل از ناز گہہ گہہ یار یادم می دہد
برگ گل زاں گل رخ رخسار یادم می دہد

(گلاب کی شاخ ناز کبھی کبھی مجھے میرے یار کی یاد دلاتی ہے اور اسی طرح گلاب کی پتی مجھے میرے یار کے گل رخسار کو یاد دلاتی ہے)۔

اس شعر میں ایک عاشق اپنے معشوق کے سراپا کو اپنے سے انداز میں بیان کرتا ہے' اگرچہ عالم نباتات اور پھولوں میں گلاب کے پھول کو اور اس کے پودے کو بڑا خوب صورت' مثالی اور حسین قرار دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے عاشق اپنے معشوق کے بارے میں بتاتا ہے کہ جب کسی گلشن میں گلاب کی کوئی نرم و نازک ٹہنی ہوا میں جھولتی اور مستی کے سے انداز میں لہراتی ہے۔ تو اسے دیکھ کر عاشق کو اپنے معشوق کا چلنا پھرنا اور ناز و انداز یاد آتے ہیں اور اسی طرح گلاب کے پھول کی گلابی سرخ پتی کو دیکھ کر معشوق حسین کے گلابی اور تروتازہ گل رخسار یاد آتے ہیں۔

(۲)

چوں روم درکوہ تا ازیاد او فارغ شوم
می خرامد کبک' زاں رفتار یادم می دہد

(میں تو پہاڑ پر اس مقصد کے لیے جاتا ہوں کہ اس کی یاد سے کچھ عرصہ فارغ ہو سکوں۔ وہ امن و سکون کی جگہ ثابت ہو۔ لیکن وہاں پر جب میں چکور کی چال اور رفتار دیکھتا ہوں تو پھر مجھے اپنے یار حسین کی چال کی یاد آجاتی ہے)۔

میں جب کبھی اپنے محبوب حسین کے ہجر و فراق اور درد دل سے بچنے کی خاطر کسی ویران پہاڑی علاقے میں چلا جاتا ہوں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ میں کچھ مختصر وقت ہی

کے لیے سہی اپنے محبوب کی یاد سے فارغ اور آزاد ہو جاؤں۔ لیکن پہاڑوں اور وادیوں کا تو اپنا ایک حسن و جمال اور پروقار تمکنت ہوتی ہے۔ وہاں پر پرندوں اور درختوں کی اور ہی خوب صورت بہاریں ہوتی ہیں۔ کوہستانی علاقے میں چکور جو چاند کا عاشق پرندہ ہے' وہ اپنی ہی چال دکھاتا ہے۔ کبک نازک خرام جب وہاں اپنی مسحور کن چال سے چلتا ہوا گزرتا ہے تو اس سے پھر مجھے اپنے محبوب کی دلربا چال اور چلنا پھرنا یاد آجاتا ہے اسی طرح میں ایک بار پھر بے تاب ہو جاتا ہوں۔ پھر پہاڑ پر جانا بھی بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۳)

ہر کجا بینم گل با خار می سوزم کہ آں

ہمدمی یار با اغیار یادم می دہد

(میں جب اور جہاں بھی پھول کے ساتھ کانٹا دیکھتا ہوں اس سے جل جاتا ہوں کیوں کہ اس سے تو میرے یار کا مجھے غیروں کے ساتھ بیٹھنا یاد آجاتا ہے)۔

مانا کہ پھولوں کے ساتھ کانٹے ضرور ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان کی موجودگی کی ضرورت کا احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان کانٹوں سے پھولوں کی حفاظت ہو جاتی ہے۔ پھول لوگوں کی دست بُرد اور جانوروں کا چارہ بننے سے بچے رہتے ہیں۔ لیکن میں تو جب بھی اور جہاں بھی پھول کے ساتھ خار کو دیکھتا ہوں تو اسے دیکھ کر میں حسد اور رشک سے جل بھن جاتا ہوں۔ کیونکہ اس حوالے سے مجھے میرے اپنے یار کا غیروں کے ساتھ بیٹھنا اور ان میں رہنا یاد آجاتا ہے۔

(۴)

چوں روم درگلستان کز خویش آسایم دے

بانگ بلبل' نالہ ہائے زار یادم می دہد

(جب بھی میں اس غرض سے گلستان میں جاتا ہوں کہ میں دم بھر کے لیے اپنے آپ کو آرام پہنچا سکوں' لیکن وہاں بلبل کی آوازیں سن کر مجھے اپنی گریہ وزاری یاد آجاتی ہے)۔

گلستان اپنی باغ و بہار فضاؤں سے پھولوں اور ان کی خوشبوؤں' پرندوں کے چہچہوں

اور چہکاروں اور تتلیوں کی خوش اڑانوں کے سحر میں لے لینے والی جگہ ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوائیں بھی جان فزا اور دل خوش کن ہوتی ہے۔ لیکن میرے ساتھ تو اور ہی معاملہ ہوتا ہے۔ مجھے وہاں جا کر سکون و آرام اور ہرگز آسودگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ میرے غموں اور آلام میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باغ میں سدا بلبل کا بولتے رہنا مجھے میرا اپنا رونا دھونا اور مصائب و مشکلات سے شوروغوغا یاد آجاتا ہے اور اس طرح میری بے سکونی کئی چند ہو جاتی ہے۔

⑤

داستان تیشۂ فرہاد کوہ بے ستوں

خار خار سینہ افگار یادم می دہد

(تیشۂ فرہاد اور کوہ بے ستون کی داستان سن کر مجھے کانٹوں سے اپنے سینے کا زخمی ہونا یاد آجاتا ہے)۔

فرہاد کا عشق' اس کا جذبہ صادق اور اپنے معشوق کو خوش کرنے کی مساعی کی داستان بڑی ہی مشہور اور قابل تحسین سمجھی جاتی ہے۔ فرہاد کا وہ تیشہ کہ جس سے وہ تھوڑا تھوڑا کر کے پہاڑ کو توڑتا اور کاٹتا رہا تھا اور کوہ بے ستون ایران کا وہ مشہور پہاڑ کہ جس کو کھود کر فرہاد جوئے شیر لایا تھا' یہ ساری داستان بڑی ہی دلکش عشق و عاشقی کے میدان میں مثالی اور حوالہ جاتی حیثیت رکھتی ہے۔ شاعر بتاتا ہے ہمیں تو یہ داستان فرہاد سن کر اپنے سینے کا کانٹوں سے زخمی ہونا اور ان زخموں کی ٹیسیں اور درد کی لہریں یاد آتی ہیں۔

⑥

رستہ بودم از جفائش و کہ جور روزگار

باز خونریزی آں خونخوار یادم می دہد

(میں تو اس کے جور و جفا سے رست گاری حاصل کر چکا تھا' لیکن زمانے کے صدقے کہ زمانے کی خون ریزیوں نے مجھے پھر میرے محبوب کے ظلم و ستم کی یاد تازہ کر دی ہے)۔

یہ میری خوش بختی کہیے یا غلط فہمی کہ میں تو اپنے تئیں اپنے ظالم محبوب کے ظلم و ستم اور

جور و جفا کو بھول کر ان سے نجات پا چکا تھا میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ اب میں دوبارہ محبوب کی کجرویوں اور بے نیازیوں کی بھینٹ نہیں چڑھوں گا۔ شاید میرا دشمن جاں اب میری جان تک کے در پے نہیں ہوگا لیکن یہ صورت حال یا غلط فہمی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ کیونکہ زمانے نے تو مجھ پر ہر طرح کے ظلم و ستم روا رکھے۔ اس طرح غم ہائے روزگار ہی سے مجھے پھر میرے ظالم محبوب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

۷

جان شیریں سوزدم چوں شعر محی بشنوم

زانکہ شیرینی آں گفتار یادم می دہد

(جب میں محی الدین کے شعر سنتا ہوں تو میری جان شیریں مجھے جلا ڈالتی ہے۔ کیونکہ اس کے شیریں کلام سے مجھے میرے محبوب کی شیریں کلامی کی یاد آجاتی ہے)۔

محی الدین کی شاعری سراسر تصوف اور تفسیر و حدیث کی شرح پر مشتمل ہے۔ ان کا کلام اور شعر بڑے ہی پر اثر اور پر سوز اور شیریں ہیں۔ حضرت محی الدین کا کلام اور پیغام اپنی حلاوت اور اثریت میں روحوں کو بھی شیریں اور پر کیف بنا دیتی ہے۔ اس لیے عاشق نامراد کہتا ہے کہ ان کا اتنا عمدہ اور حلاوت بخش کلام اور سخن شیریں میرے لیے پھر عذاب اور مصیبت بن جاتے ہیں کیونکہ ان کی شیرینی سے مجھے میرے محبوب حسیں کی شیریں گفتاری اور حلاوت کلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

## غزل ۳۱

۱

نمی دانم کہ او تا کے پئے آزار خواہد شد

نگوید ایں ولے آخر ازو بیزار خواہد شد

(میں نہیں جانتا کہ وہ کب تک مجھے آزار پہنچانے کے در پے رہے گا۔ گرچہ کچھ نہیں بتایا، لیکن ایک روز آخر کار وہ مجھے آزار پہنچاتے پہنچاتے بیزار ہو جائے گا۔ تھک ہار جائے

گا)۔

مجھے اس حقیقت کی اور اس کے ارادے کی یکسر کوئی خبر نہیں ہے کہ وہ کب تک اور کہاں تک آزار پہنچانے کی ایذا رسانی میں مبتلا رکھتا ہے۔ معلوم نہیں وہ کتنے زمانوں تک مجھے تکلیفوں اور مصیبتوں میں گرفتار رکھنا چاہے گا اگرچہ وہ اس ضمن میں بالکل کچھ نہیں بتایا اور شاید وہ کچھ بتا کر میرے درد و الم کو کم کرنا نہیں چاہتا اس مقصد کے لیے وہ کوئی زمانی حد مقرر نہیں کرتا کہ اس کے آزاد اور تکالیف کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک روز ضرور آئے گا کہ وہ مجھے آزار پہنچاتے پہنچاتے تھک ہار جائے گا۔

(۲)

بدیں خو چند روزے گر بماند از جفائے او
تنم بیمار خواہد گشت و جاں افگار خواہد شد

(اگر وہ اسی طور چند روز اور مجھے اپنی جفاؤں کا شکار کرتا رہا تو میرا تن بیمار ہو جائے گا اور جان زخمی ہو جائے گی)۔

آزار اور تکالیف برداشت کرنے کی بھی حد اور سکت ہوتی ہے۔ اس کے بعد تو پھر اور ہی احوال ہوتے چلے جاتے ہیں۔ میرا محبوب مجھ پر جو جور و ستم اور جفا کاریاں روا رکھتا ہے‘ میں انہیں خندہ روئی سے قبول کر کے اپنے جسم و جاں پر جھیل رہا ہوں۔ میرے دل کا معاملہ اور ہے مگر یہ جسم و جان کی برداشت کی سکت محدود اور متعین قسم کی ہے۔ اس لیے میں اس بدظنی میں ہوں کہ اگر میری جان کے دشمن محبوب نے اپنے مظالم چند روز اور جاری اور روا رکھے تو ان مظالم سے میرا جسم بیمار ہو جائے گا اور میری جان بھی زخمی اور مجروح ہو جائے گی۔

(۳)

بخواب مرگ شد بخت من و گویند یارانم
کہ تو فریاد و افغاں کن او بیداد خواہد شد

(میرا بخت تو موت کی نیند سو چکا ہے‘ اس کی کوئی خواہش یا آرزو نہیں ہے‘ اور مجھے میرے دوست یار یہ کہتے ہیں کہ خوب فریاد و فغاں کرو کہ اس سے تیرا بخت بیدار ہو جائے

گا۔)

میرے حبیب کی بے نیازیوں کج روائیوں اور سدا سدا کی جفاؤں سے مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم محروم دیدار ہی رہیں گے۔ اس لیے ہی کہا جا رہا ہے کہ ہمارا بخت اور نصیب سو چکا ہے بلکہ مر چکا ہے۔ مایوسیاں اور نامرادیاں اتنی بڑھ چکی ہیں اور ہر طرف محرومیوں ہی کے سائے ہیں۔ ان احوال میں ہماری حالت کو دیکھ کر ہمارے یار ہمیں اور ہی قسم کے مشورے دے رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رونے دھونے میں بہت اثر اور طاقت ہوتی ہے رونے دھونے سے قلب و روح کی آلودگیاں دھل جاتی ہیں' زنگ آلودگی بھی دور ہو جاتی ہے۔ اس لیے مجھے بھی کہا جا رہا ہے کہ میں بہت زیادہ جی بھر کے اور کھل کر رویا کروں کہ اس سے بخت بیدار ہو جائے گا۔

(۴)

مکن بہر خدا عزم گلستاں باچنیں روئے

کہ دانم باغباں شرمندہ از گلزار خواہد شد

(اے میرے محبوب! تو اپنے اس حسین روئے دلکش کو لے کر گلستان میں جانے کا ارادہ نہ کر' کیونکہ میں جانتا ہوں تیرے حسن و جمال کے سامنے باغ بان کو اپنے باغ کو دیکھ کر شرمندگی ہوگی)۔

اے میرے محبوب دلربا' اے میرے یار حسیں! تیرے حسن و جمال کے سامنے سب ہیچ اور ادنی ہیں۔ مانا کہ باغ میں بہت کچھ ہوتا ہے پھولوں اور کلیوں کا معصوم حسن ان کے رنگوں اور تازگیوں کی بہاریں' ہریالیوں' پودوں بوٹوں اور درختوں پیڑوں پر عجیب ہی جوبن ہوتا ہے۔ پورا گلستان گویا جنت بنا ہوتا ہے۔ اس کی فضائیں اور معطر خوشبوئیں جانفزا اور روح افزا ہوتی ہیں۔ اس نہج سے گویا گلستان کا ایک اپنا مسحور کن حسن و جمال اور خوش کن سماں ہوتا ہے۔ لیکن اے میرے سب سے حسین محبوب! اگر آپ نے باغ میں اپنے پر جمال اور حسیں چہرے کے ساتھ عزم کر رکھا ہے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ باغ کا مالی' باغبان آپ کے حسن و ناز کے سامنے اپنے باغ کو دیکھ کر شرمندگی محسوس کرے گا۔

⑤

میفشاں دست چندے درسماع' اے نازنین من

کہ ہوش اے جان من از دست دست افگار خواہد شد

(اے میرے نازنین! میرے لیے تیری ادائیں جان لیوا ہیں۔ وقت سماع ناز وادا کے ساتھ اپنے ہاتھ کو یوں نہ جھٹکا کر۔ کہ اس سے اے جان من! میری ہوش اور دانش زخمی ہو کر رہ جاتی ہے)۔

عاشق دلگیر' اپنے ناز وادا سے معمور محبوب دلربا کی ایک ایک ادا اور جسم و جان کی حرکت اور جنبش پر بھی پیار اور محبت کی نظر رکھتا ہے۔ وہ تو معشوق کی ایک ایک ادا پر پوری دنیا قربان کر سکتا ہے اور جان تک وار سکتا ہے۔ بتاتا ہے کہ میرے عشوہ ناز کے مجسمہ حسین' سماع کی محفل میں جب کبھی تو اپنے ہی ناز وادا کے ساتھ اپنے ہاتھ کو جھٹک کر تو اپنے جذبات واحساسات لطیف کا اظہار کرتا ہے' تو تمہارے اس ہاتھ کے جھٹکنے کے پر کیف اور پر ناز انداز سے میری عقل' میری سمجھ' میری دانش سب زخمی اور گھائل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد ہمیں تو اپنی خبر ہی نہیں رہتی سب متاع دانش یکسر لٹ جاتی ہے۔

⑥

چہ گویم شرح جوریار و درد خویش با مردم

پے تسکین من گویند با تو یار خواہد شد

(اے میرے ہمدم! میں لوگوں کو کیا تفصیل بتاؤں کہ میرے محبوب کے جور وستم کیسے ہیں اور میرے درد کی حالت کیا ہے' وہ دنیا دار لوگ تو میری دلداری اور تسکین کی خاطر مجھے صبر ہی کی تلقین کرتے ہیں)۔

میں تو عجیب مشکل میں ہوں' یار حسین کے ظلم وستم' جور و جفا' ستم ہائے گوناں' کج رویاں اور بے اعتنائیاں ایسی ہیں کہ میں ان کی تفصیل اور شرح لوگوں کو کیا اور کہاں تک بتاؤں۔ ان قہر مانی رویوں کے اندر میری کیا حالت ہے اور مجھ پر سدا کیا بیتتی رہتی ہے' اس سے بھی میں اپنے ہمدرد دوست یاروں کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ اگر کچھ تھوڑا بہت بتاتا ہوں یا بتانے

کی کوشش کرتا ہوں تو سب میری ہمدردی کی خاطر تلقین اور صبر کے ڈونگرے برسانے لگتے ہیں۔ وہ سب مجھے خاموش اور بے نوا کر دینا چاہتے ہیں۔

⟨۷⟩

زاندوہ دل و چاک جگر تا کے برو محی

کہ ایں عشق ست و ایں ہا ہر زماں بسیار خواہد شد

(محی الدین اپنے دل کے رنج وغم اور دردمندی کے ساتھ اور جگر چاک کے ساتھ کب تک گزارہ کرے۔ یہ تو عشق ہے۔ اس میں تو ہر دور میں اندوہ وغم بڑھتے ہی جاتے ہیں)۔

اس عشق کی دنیا میں آ کر محی الدین کے دل کے جھمیلے اور اندوہ بے حد و حساب ہو چکے ہیں۔ اسے تو اس میدان میں غموں پر غم اور صدمات پر صدمات ملتے رہے ہیں۔ دل کی رنجوری اور دردمندی کو کبھی ایک لمحہ بھی سکون نہیں مل سکا۔ جگر بھی ان صدمات اور تفکرات کی بدولت چھلنی ہو چکا ہے۔ اس حالت میں کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ کب تک نبھا سکوں گا۔ کب تک ان غموں اور مصائب کا بوجھ برداشت کر سکوں گا۔ دل و جان گرفتہ ہی نہیں بلکہ وہ تو پارہ پارہ ہو چکے ہیں۔ اس کا انجام اور انتہا کیا اور کہاں ہے۔ لیکن یہ تو وادیٔ عشق ہے۔ میدان عاشقی ہے۔ اس راہ میں دل کے غم اور جگر کے چاک تو مدام بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ عاشق کے نزدیک غموں اور مصائب کا بڑھنا ہی عشق کا ارتقا اور عشق کی ترقی ہوتی ہے)۔

## غزل ۳۴۲

⟨۱⟩

مرا کشتی و گوئی خاک ایں برباد باید کرد

چرا بر دردمندی ایں ہمہ بیداد باید کرد

(اے میری جان کے دشمن تو نے مجھے مار ڈالا ہے اور اب یہ کہتے ہو کہ اس خاک کو بھی برباد اور خاک کر دوں۔ میری اس قدر دردمندی اور غم زدگی کے باوجود بھی مجھ پر اتنے ظلم کیوں روا ہیں)۔

عاشق زار گلہ گزاری نہیں کرتا لیکن صرف اپنے محبوب کی توجہ حاصل کرنے کی خاطر بتا رہا ہے کہ اے میرے حبیب! مجھے تو نے موت کے گھاٹ اتار رکھا ہے۔ میں سدا مرتا رہتا ہوں۔تو اس پر بھی خوش نہیں ہے۔ اب تو مجھ سے یہ بھی کہہ رہا ہے کہ میں اپنے جسم کی اس خاک کو بھی خاک ہی میں ملا دوں۔ مٹی کو مٹی میں ملا کر ہواؤں میں اڑا دوں۔ اس ساری صورت حال میں میں سمجھتا ہوں شاید میری دردمندیاں' آزردگیاں اور اندوہ ناکیاں کسی کام کی نہیں ہیں۔ کیونکہ تو تو مجھ پر پے بہ پے اور مدام اپنے ظلم وستم بڑھائے ہی چلا جارہا ہے۔ مجھ پر ظلم وجور کا یہ سلسلہ کب تک برقرار رہے گا۔ کب یہ مشکل وقت ختم ہوگا۔

(۲)

ہمہ کس از تو دل شادند غیر ازمن کہ غمگینم

نمی گوئی دل ایں ہم زمانے شاید باد کرد

(میرے محبوب! تو نے میرے سوا باقی دوسرے لوگوں کے دلوں کو خوش کیا ہوا ہے۔ صرف میں ہی تو غمزدہ ہوں۔ لیکن تو یہ بھی کبھی نہیں کہتا کہ اس دل حزیں کو بھی کبھی شاد کرنا چاہیے)۔

اس شعر میں شاعر پھر اپنی ہی محرومی اور بدقسمتی کو سامنے لاتا ہے کہ اس دنیا میں تنہا میں ہی ایک ایسا بدقسمت ہوں جس پر غموں کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو غیروں کو تو تو نے بجا طور پر خوشیاں بانٹ رکھی ہیں' ان سب کے دل خوش ہیں۔ لیکن ہر طرح کے غم اور سنگینیاں صرف ہمی پر روا اور جاری ہیں۔ ہماری حالت اور کیفیت' طلب و آرزو اور وارفتگیوں کو دیکھ کر بھی تو کبھی ہمارے دل کو شاد اور خوش کرنے کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

(۳)

شدم پیر از غم تو کز جوانی برو ہم گرجاں

کہ آخر بندہ پیرئے لبسے آزاد باید کرد

(تیرے غم کے اندر میں بوڑھا ہو چکا ہوں' اگر جوانی میں جان دے دیتا تو اچھا تھا۔ اب تو میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور یہ بھی ہے کہ بوڑھے بندہ ملازم کو تو فراغت اور آزادی بخش دی جاتی ہے)۔

اے میرے محبوب دلربا اور حبیب ما! مجھے تیرے ہی غموں نے بوڑھا' کمزور اور لاغر و ضعیف کر دیا ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں جوانی ہی میں اپنی جان دے دیتا' اور اس بڑھاپے کے آلام وصدمات سے بچا رہتا اور یہ بھی زمانے کی ایک روش ہے کہ بوڑھے خدمت گار کو اس کی ملازمت سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ میں جو کہ تیری عنایتوں سے اور تیرے غموں کے بوجھ سے ناتواں اور بوڑھا ہوا ہوں' اب میں تو کہیں اور جا نہیں سکتا' بلکہ میں نے جہاں اپنی جوانی کی قربانی دی ہے اپنا بڑھاپا بھی اسی در پر نچھاور کروں گا۔

(۴)

حکایت ہائے حسن او بغیر ازمن نباید گفت
حدیث شیوہ شیریں برفرہاد باید کرد

(اے دنیا والو! اس کے حسن و جمال کی حکایت میرے بغیر کسی اور سے نہ کی جائے۔ کیونکہ شیریں کے ناز و انداز اور رنگ ڈھنگ فرہاد ہی سے کہنے چاہیں)۔

میرا محبوب حسین' کس قدر دلربا' کس قدر پر از جمال ہے' اس کا حسن کیا کیا قیامتیں ڈھاتا ہے۔ مجھے وہ لحظہ بہ لحظہ کس کس طرح سے اپنی حسین اداؤں سے تباہ و برباد کرتا رہتا ہے' میں اس کے مظالم سے اس کی جفاؤں سے کس کس طور سے گھائل اور تباہ ہوتا رہتا ہوں۔ گویا اس ظالم نازنیں کا حسن و جمال مجھ پر جو کچھ کرتا رہتا ہے وہ میں ہی سب سے زیادہ اور خوب جانتا ہوں۔ اس لیے اگر کسی نے میرے محبوب کے حسن کی کہانی کہنا ہے تو وہ صرف مجھی کو وہ کہانی سنائے اور تفصیلات بتائے۔ کیونکہ دستور خلق یہی ہے کہ شیریں کا تذکرہ شیریں کے عاشق فرہاد ہی سے بیان کرنا بہتر ہوتا ہے اور یہی حق بھی ہے۔ معشوق کا تذکرہ اس کے سچے عاشق ہی سے کیا جانا چاہیے۔

(۵)

چہ عمراست ایں کہ در شب ہا بود ہرکس بخواب خوش
مرا تا روز از دست غمت فریاد باید کرد

(اے لوگو! میری بھی کیا زندگی ہے کہ راتوں کو ہر شخص میٹھی نیند سوتا ہے' مگر میں تو صبح

ہونے تک تیرے غموں کے ہاتھوں نالہ وفریاد ہی کرتا رہتا ہوں)۔

بتایا جارہا ہے کہ ہم عاشقوں کی زندگی بھی عجیب ہی ہوتی ہے۔ انہیں سونے جاگنے اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں ہوتا۔ ساری دنیا راتوں کو محوخواب ہوتی ہے۔ ہر شخص میٹھی نیند کے مزے لوٹتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر سوتا ہے۔ لیکن ہماری قسمت میں سونا' آرام کرنا اور خواب شیریں کے مزے لوٹنا نہیں ہے۔ ہماری صورت تو اور ہی ہوتی ہے کہ ہم شام سے صبح تک تیرے غم واندوہ کے ہاتھوں رات بھر نالہ وفریاد اور آہ وزاری کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے لیے رات رونے دھونے ہی کے لیے ہوتی ہے۔

(۶)

بنائے زندگی حیف است کآخر می شود ویراں

چنیں کارنکو باہرچہ بے بنیاد باید کرد

(افسوس آخر کار اس زندگی کی بنیاد ویران ہو کر رہے گی اور ٹھیک ہے کہ یہ نیک کام ہر بے بنیاد کے ساتھ کرنا ہی چاہیے)۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ''روئے زمین پر (کائنات ارضی میں) جو کچھ بھی ہے' فنا پذیر ہے''۔ (۲۶:۵۵)۔ اس لیے یہ زندگی بھی بالآخر ویران اور فنا ہو کر رہے گی۔ یہ قدرت کا قاعدہ قانون ہے کہ جو کچھ بھی پیدا ہوا ہے اسے فنا ہو کر رہنا ہے اور بقا تو صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ گویا اس کائنات کی ہر شے اور ہر تخلیق اپنی اصل میں بے بنیاد ہے۔ وہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی فنا کی جانب بڑھنے لگتی ہے۔ ہر تخلیق کا انجام اور مقدر صرف فنا ہی ہوتا ہے۔ اس صورت میں فنا ایک امری کام ہے جسے شاعر نے ایک نیک کام قرار دیا ہے کہ یہ نیک کام دنیا کی ہر بے بنیاد شے کے ساتھ ضرور ہونا چاہیے۔

(۷)

مزن محی بے لاف از سخن چنداں کہ جائے نیست

تو شاگردی ہنوزت خدمت استاد باید کرد

(اے محی الدین' لاف زنی سے کام نہ لو' اپنی تعریف وتوصیف کا یہ وقت نہیں ہے۔

ابھی تو شاگردی ہی میں ہے۔ ابھی تو تمہیں اپنے استاد کی خدمت کرنے کی ضرورت ہے)۔

اے محی الدین! تیرے یہ شعر یا سخن طرازیاں کچھ بھی نہیں ہیں' ان پر تجھے کسی طرح کے زعم کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے کلام اور سخن پر تجھے لاف زنی کرنا بھی زیب نہیں دیتا اور جان لو کہ کسی طرح کی ڈینگ مارنے کا نہ تو موقع ہے اور نہ مقام ہے۔ بلکہ خاموشی اختیار کرنی ضروری ہے اور ابھی صرف یہی جان لو کہ تم تو ابھی خام کار ہو اور شاگردی ہی میں ہو اور ابھی تو تمہیں اپنے استاد کی مزید خدمت کرنے کی ضرورت ہے۔

## غزل ۳۳

(۱)

دل ناشاد من شاید کہ روزے شادماں گردد
ولے مشکل کہ آں نامہر ہرگز مہرباں گردد

(میرے ناشاد دل کو ممکن ہے کسی روز خوشی مل ہی جائے' میں اس خوش فہمی میں ہوں۔ مگر اس نامہربان کا مجھ پر مہربان ہو جانا مشکل بات ہے)۔

عاشق زار بتاتا ہے کہ عین ممکن ہے میرا خالق و مالک میرے مغموم اور ناخوش دل نامراد کو کسی روز کوئی خوشی دے ہی دے اور کچھ عرصہ کے لیے ہی سہی مجھے بھی قعر الم وظلم سے نکلنے کا موقع مل ہی جائے۔ یہ سب کچھ تو ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کسی صورت میں ممکن نہیں کہ وہ جنم جنم کا اور سدا کا نامہربان اور ظالم اور جفاؤں کا پتلا ہے' وہ کبھی ہم پر مہربان ہو جائے یہ امر محال ہے اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ جفا پیشہ محبوب جذبہ رحم سے یکسر عاری ہے۔ اس لیے اس سے نرمی یا مہربانی کی امید رکھنا عبث ہے۔

(۲)

مراگر شادیئے دل در رسد ناگہ براں ماند
کہ در شہرے غریبے آمدو بے خانماں گردد

(اگر مجھے ناگاہ اور اچانک خوشی مل جائے تو وہ میرے لیے انہونی ہوگی۔ وہ تو ایسے

ہوگی جیسے کسی شہر میں کوئی غریب مسافر آئے اور بے خانماں ہو جائے)۔

عاشق زار کو کسی جانب سے کبھی کوئی خوشی ملنے کی ہرگز توقع ہی نہیں ہوتی' وہ تو سدا مایوسی ہی سے ہمکنار رہتا ہے۔ اس لیے وہ بتاتا ہے کہ اگر کبھی کسی حوالے سے ایسی کہیں سے کوئی خوشی یا انبساط و نشاط اچانک مل بھی جائے تو ناپائیدار اور سراسر عارضی اور بے ثبات ہی ہوگی۔ وہ فوراً ہی جاتی رہے گی' کیونکہ خوشیاں اور آسودگیاں تو ہماری قسمت میں ہیں ہی نہیں۔ بفرض محال کوئی ہنگامی قسم کی یا کوئی اچانک خوشی ملے گی تو وہ شعلہ مستعجل سی ہوگی۔ یا اس خوشی کی مثال اس مسافر کی سی ہوگی جو کسی شہر میں اترے لیکن وہ فوراً ہی بے گھر اور بے آسرا ہو جائے۔

(۳)

چنیں کام روز زاں بدخو' بلا انگیز می بینم
عجب نبود کہ روز فتنہ آخر زماں گردد

(اے دنیا والو! آج میں اس بدخو ظالم کے ہاں جو بلائیں اور مصیبتیں دیکھ رہا ہوں' انھیں دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ عجب نہیں ہے کہ یہ فتنہ آخر زماں جیسا ہی دن نہ ہو)۔

بتایا جا رہا ہے کہ میرا محبوب حسین ہر روز نئے سے نئے فتنے برپا کرتا ہے اور میری جان کو سدا جلاتا رہتا ہے۔ آج وہ ایک اور نئے ہی فتنے کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ اس کا یہ جو فتنہ دجالی ہے اس کو دیکھ کر یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ آخر کا زمانہ آ گیا ہے اور اس کا فتنہ بھی برپا ہو جائے گا۔ اور وہ جو فتنہ آخر زماں ہے' وہ تو لوگوں کو سراسر گمراہ کرنے والا ہوگا۔ اس میں گمراہی کے ساتھ تباہی اور بربادی بھی ہوگی اور وہ فتنہ دجال ہوگا۔

(۴)

اگر بار دل من آسماں خواہد کہ بردارد
نہ جنبد ہیچ گہہ از جائے چوں من ناتواں گردد

(میں یہ دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر میرے دل کا بوجھ آسمان اٹھانا چاہتا تو وہ اپنی

جگہ سے ہل بھی نہ سکتا اور وہ بھی میری طرح ناتواں اور کمزور ہو جاتا)۔

اس کے عشق و محبت کا جو میرے دل پر بوجھ ہے وہ بے حد و حساب ہے۔ اس بوجھ کو صرف ہمی ہیں جو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر ہمارے دل کے اس بوجھ کو آسمان بھی اٹھانا چاہے تو یہ بوجھ اس کے لیے بھی بہت وزنی اور بھاری ہوگا۔ وہ اس بوجھ ثقیل کو اٹھا کر ہل بھی نہیں سکے گا۔ اور وہ ہمارے دل کا بھاری بوجھ اٹھائے تو وہ بھی ہماری ہی طرح بے جان' ناتواں اور نحیف و نزار ہو کر رہ جائے گا۔

اس شعر میں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کی جانب بھی اشارہ موجود ہے کہ جس میں بتایا گیا ہے کہ "ہم نے (کائنات کی لافانی سچائیوں اور صداقتوں کی) امانت عظیم آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کے سپرد کرنا چاہی اور پیش کش کی۔ لیکن انہوں نے یہ بار گراں اٹھانے سے پہلوتہی کی اور ڈر گئے۔ مگر انسان (ضعیف البنیان) نے اس امانت گراں مایہ کا بوجھ اٹھالیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم ہے۔ بڑا نادان ہے۔" (۷۲:۳۳)

⑤

برآں بودم کہ دل را مرہم بہبود خواہد شد
چہ دانستم کہ جانم را بلائے ناگہاں گردد

(میں بھی کتنا سادہ لوح اور خوش فہمی کا شکار ہوں۔ میرا وہم و گمان تھا کہ تیرے درد عشق سے میرے زخمی دل کی بہتری کے لیے مرہم بنے گا۔ مجھے اس کی ذرا بھی خبر نہیں تھی کہ اس سے تو الٹی ہماری جان ناگہاں مصیبت میں پھنس جائے گی)۔

عاشق ناصبور بتاتا ہے کہ اس کا خیال تھا کہ محبوب سے اس کا عشق اور وارفتگی' اس کے لیے باعث زیست بنے گی' اور درد عشق سے اس کی روح اور جان کے عوارض جاتے رہیں گے۔ محبوب کے عشق سے اس کے زخمی دل کو مرہم میسر آ جائے گا۔ عاشق زار نے اپنے عشق کے حوالے سے اس قدر زیادہ امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ لیکن عملی طور پر راہ عشق میں بالکل اس کے برعکس ہوا' اس کے لیے محبوب کا عشق غم لازوال اور درد و کرب بن کر اس کی جان پر ہی سوار ہو گیا۔ یوں پھر ان کے لیے "پائے رفتن نہ جائے ماندن" یعنی نہ جانے کی طاقت اور نہ رہنے کی جگہ والی صورت حال بن جائے گی۔

۶

اگر جامے جدا از لعل میگوں تو می توشم

ہماں جاخوں شود در چشم خونریزم رواں گردد

(اگر میں تیری شراب سرخ کے علاوہ کوئی اور جام شراب پیوں۔ مجھے وارفتگی کے لیے کچھ نہیں چاہیے۔ تو یہ اسی وقت سرخ خون بن جائے اور میری خونی آنکھوں میں سے خون کے آنسو بن کر بہنے لگیں)۔

اس شعر میں عاشق دل آزاد کی وفاداریا ورارتکاز محبت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس شعر میں بحوالہ تصوف بھی بات کی گئی ہے اور عاشق یہ عزم اور وعدہ کرتا ہے کہ اسے جو عشق الٰہی میں وحدت اور تقرب حق کی شراب ملی ہے وہی بے مثال ہے اور وہ سرخ اور لعل گوں بھی ہے۔ اس کی مستی اور کیف سب سے افضل اور جداگانہ ہے۔ اس لیے جو لوگ اس شراب وحدت کو ایک بار چکھ لیتے ہیں پھر وہ کہیں کے نہیں رہتے۔ اس شراب حق کی مستی اور کیف لازوال میں عاشق اس طرح اقرار کرتا ہے کہ اگر اس سرخ شرابی جام کے علاوہ میں کوئی اور جام نوش جاں کروں تو میری خون برساتی آنکھوں میں سے خون کے اشک رواں ہو جائیں۔ گویا عاشق صادق اپنی محبت اور وفاداری کا یقین اپنے ہی ایک جذباتی انداز میں دلا رہا ہے۔

۷

غم محی بخور زاں پیش کز سودائے زلف تو

برآرد سر بہ شیدائی و رسوائے جہاں گردد

(اے میرے محبوب اپنے محی الدین کی فکر کر۔ نہیں تو وہ تیری زلفوں کی جھلک سے دیوانہ ومستانہ اور رسوائے جہاں ہو جائے گا)۔

اے میرے حبیب' تجھے اپنے محی الدین کی فکر ہی نہیں ہے۔ وہ تو تیرے غم اور جذبہ عشق سے نڈھال ہو چکا ہے۔ شاید اس نے تو ابھی تیرے حسن و جمال کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی۔ اگر تو نے اس پر توجہ نہ کی اور اس کے واویلوں اور آہ وزاری کو نہ دیکھا تو' وہ روز بد بھی ضرور آپہنچے گا کہ جب تیری زلفوں کی ایک جھلک اسے دنیا و مافیہا سے بے گانہ اور لاتعلق کر

دے گی اور یوں وہ دیوانہ ہو جائے گا۔ وہی پھر تیرے لیے موجب رسوائی بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی دیوانگی بہرصورت آپ کے اور آپ کے حسن و جمال کے لیے وہ باعث رسوائی بن سکتی ہے اس تناظر میں تجھے اس کی ''خبر'' ضرور لینی چاہیے۔

## غزل ۳۴

(۱)

نویدم می رسد ہر دم کہ ایں سُو یار می آید
روم از جاںگر دانم کہ او دشوارمی آید

(ہر لحہ مجھے یہی نوید ملتی ہے کہ میرا یار ادھر آ رہا ہے' ہاں وہ ادھر آ تو سکتا ہے' مگر میں جانتا ہوں کہ اس کا اس طرف آنا دشوار ہے)۔

مجھے تو ہر دم اور ہر لحہ یہ خوشخبری سی ملتی ہے کہ وہ یار میری جانب ادھر آ رہا ہے' مجھے تو یہ بھی خبر ہے اور اس کی اداؤں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ میری جانب کبھی نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ مجھ پر اس قدر عنایت اور مہربانی فرمائے۔ اس کا اس طرف میرے لیے آنا ایک دشوار اور مشکل امر ہے۔ اور اگر سچ مچ مجھے یقین ہو جاتا کہ میرا وہ محبوب جس کا یہاں آنا دشوار ہے' وہ واقعی ادھر آ رہا ہے تو میری خوشی کی کوئی انتہا ہی نہ رہتی۔ میں خوشی سے مر نہ جاتا اگر اعتبار ہوتا۔ لیکن صورت احوال یہ ہے کہ مجھے اس کے نہ آنے کا یقین اور اعتبار ہے۔

(۲)

خدایا یک نفس بلبل رہا کن ماجرا با من
کہ سرد گلعذار من سوئے گلزار می آید

(اے خدا! لحہ بھر کے لیے بلبل کو رہا کر دے تاکہ وہ بھی بے تکلف ہو کر بھی اپنا ماجرا مجھے سنا سکے' کیونکہ میرا پھول سے گالوں والا محبوب باغ کی جانب آ رہا ہے)۔

اے میرے پروردگار میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ تو تھوڑی دیر کے

لیے بلبل کو رہا کر دے۔ بلبل بے چاری ہمیشہ باغ میں واویلا کرتی رہتی ہے۔ وہ سدا شوروغوغا کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ اس کی بھی کئی حسرتیں اور آرزوئیں ہوں گی۔ یہ بھی کچھ عرض معروض کرنا چاہے گی۔ میرا محبوب حسین، بہت ہی پر جمال ہے' اس کے پھولوں جیسے گلابی رخسار ہیں۔ اس کے حسن و جمال سے سب متاثر ہوں گے' وہی میرا حبیب اس باغ کی جانب آرہا ہے۔ صوفیانہ نقطہ نظر سے بلبلِ شوریدہ سے ''روح'' بھی مراد لی جاتی ہے۔

(۳)

سرم کر دی جدا ازتن و لیکن ہم چناں باشد

فغاں از سینہ اشک از دیدہ خوں بازمی آید

(اے میرے پیارے محبوب! یہ تیرے عاشق کی انتہائے عشق ہے کہ تو نے اگرچہ میرے سر کو میرے تن سے جدا کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود میرے سینے میں سے فریاد نکل رہی ہے اور خونی آنکھوں میں سے اشک بہہ رہے ہیں)۔

میرے حبیب میں ہر حالت میں اور ہر صوت میں تمہارے ہی لیے ہوں۔ میری حیات وممات بھی تیری ہی ہے۔ اس لیے میرے نزدیک زندگی یا موت دونوں برابر ہیں کیونکہ زندگی منقطع ہونے سے میری چاہت اور محبت میں کوئی کمی تو واقع نہیں ہوسکتی۔ میرا درد میرے دل سے جدا نہیں ہوسکتا۔ اے میرے دل و جان کے مالک تو نے دیکھ لیا ہے کہ اگرچہ تو نے میرے سر کو میرے تن سے جدا بھی کر دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میری طلب و آرزو اور محبت و چاہت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ سر کٹنے کے باوجود بھی میرے سینے میں سے شوروغوغا' فریاد اور آہ وزاری بلند ہورہی ہے۔ اور میری خون برسانے والی آنکھوں میں سے بدستور خون کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

(۴)

بروز غربت و خواری بدہ آں آرزو بامن

کہ چوں آں یاد می آید ازیں ہم عارمی آید

(اے میری جان کے مالک! غربت اور خواری کے دن میری آرزو پوری کر دینا'

کیونکہ وہ کڑا دن جب مجھے یاد آتا ہے تو اس سے مجھے عار محسوس ہونے لگتی ہے)۔

اس شعر کو تصوف کے حوالے سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب انسان اپنے اصل سے بچھڑ کر عالم بالا میں سے زمین کی دنیا میں آیا یا یہ دنیا تو بڑی کثیف ہے۔ گویا انسان اپنے اصل سے جدا ہونے کے بعد مدام اپنے اصل ہی سے ملنے کی طلب اور آرزو کرتا رہتا ہے۔ اس لیے وہ جدائی اور علیحدگی کا وقت بڑا کٹھن، سخت اور کڑا دن تھا۔ انسان جب اس سے جدا ہونے کے سخت اور کٹھن دن کو یاد کرتا ہے تو وہ ایک ندامت اور عار محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے فریاد کی جارہی ہے کہ اے میرے مولیٰ! غربت اور ذلت دن میں میری آرزو ضرور پوری کر دینا۔ اسی سے میں قعر مزلت اور ندامت کی گہرائی سے نکل سکوں گا۔

۵

هنوز اندک بود گر چاک سازم سینہ خود را
چنیں کز عشق آں بدخواہ غم بسیاری آید

(اگر میں اپنے سینہ کو چیر کر بھی رکھ دوں تو میرے محبوب کے سامنے یہ سب کچھ بھی کم ہے۔ کیونکہ اس وقت اس بے وفا اور دشمن جاں محبوب کے جو غم میں برداشت کر رہا ہوں وہ بہت ہی زیادہ ہیں)۔

اگر میں اپنے ظالم اور ستم شعار محبوب کے سامنے اپنے سینہ کو چیر کر رکھ دوں اور جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دوں تو اس سے بھی میرے محبوب پر کوئی اثر نہیں ہوگا' اس کا دل ہرگز نہیں پسیجے گا' اس کو اپنے عاشق صادق پر ذرہ برابر بھی رحم نہیں آئے گا۔ بلکہ یہ سینہ چاک کرنا اور جگر پارہ پارہ کر دینا اس کے سامنے بہت ہی کم اور ناچیز سا عمل ہوگا۔ اس دشمن جاں سے لو لگا کر میں جو غم' صدمات اور مصائب برداشت کر رہا ہوں کہ وہ اتنے دلدوز اور الم ناک ہیں کہ میرا سینہ چاک کرنا بھی معمولی عمل ہو کر رہ جائے گا۔

۶

شوم بے طاقت از گاہے نہم سر برسر زانو
بگوشم بسکہ فریاد دل افگار می آید

(میں جب کبھی بے طاقت اور کمزور و ناتواں ہو جاتا ہوں تو میں سر اپنا سر اپنے زانوں

پر رکھ دیتا ہوں' کیونکہ میرے زخمی اور مجروح دل کی فریاد برابر کانوں میں سنائی دے رہی ہوتی ہے)۔

جب کبھی میں اپنے محبوب کے رویوں سے' اس کی بے وفائیوں سے تھک ہار جاتا ہوں تو اس وقت میں اپنے جسم و جان میں ایک کمزوری اور ناطاقتی محسوس کرتا ہوں۔ محبوب کی جفا کاریاں مسلسل میری ناطاقتی اور ناتوانی میں اضافہ ہی کرتی چلی جاتی ہیں۔ اس کمزوری اور نقاہت کے دوران میں میں اپنا سر فطری طور پر اپنے زانو پر رکھ دیتا ہوں۔ تو اس وقت بھی مجھے میرے کانوں میں میرے زخمی اور گھائل دل کی صدائیں بدستور لہروں کی صورت میں مجھے سنائی دیتی رہتی ہیں۔ یہ بھی مدام طلب و آرزو کی حالت ہے۔

۷

مسلماناں دل و دیں رانگہدارید چوں محی

کہ می گویند باز آں دلبر عیار می آید

(اے مسلمانو! تم بھی محی الدین ہی کی طرح اپنے دل اور دین کی حفاظت اور نگہداشت کرو' کیونکہ کہا جا رہا ہے وہ عیار اور چالاک دلبر پھر اس جانب آ رہا ہے)۔

محی الدین اپنے مسلمان بھائیوں کو تلقین کے سے انداز میں اس صورت حال سے باخبر کر رہے ہیں کہ اے مسلمان لوگو! ہر حال میں تم اپنے دین اور دل کی خیر مناؤ۔ ان کی حفاظت اور نگہداشت پر پوری توجہ دو۔ بتایا جا رہا ہے کہ میرا جو محبوب حسین ہے وہ بڑا ہی ہوشیار' چالاک' بڑا ہی مکار' مکروفریب اور عیاری کا بھی وہ ماہر ہے۔ وہ اس کوچے میں آ رہا ہے۔ اس لیے وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے ضرور گمراہ کر ہی لیتا ہے۔ اس کی فریب کاریوں اور چالاکیوں سے باآسانی بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے اے لوگو! تم سب ہوشیار اور باخبر ہو جاؤ۔ اس شعر سے ایک اشارہ خفیف سا ابلیس اور شیطان کی جانب بھی پایا جاتا ہے کیونکہ شیطان اپنی طاغوتی سلطنت کے لیے ہر حیلہ اور مکروفریب آزماتا ہے اور انسانوں کو راہ راست سے بھٹکانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ اس شعر کا زیادہ اور غالب تاثر یہی ہے۔ اس کا تعلق ابلیس سے بھی بنتا ہے کیونکہ مصرع اولا میں مسلمانوں کو تخاطب کر کے پھر دین و دل کی حفاظت کے لیے باخبر کیا گیا ہے اور پھر "دلبر عیار" سے بھی۔ چالاک اور مکار شیطان ہی کے مماثل سوجھائی دے رہا

ہے۔

## غزل ۳۵

۱

وقت مستی بلبلاں آمد

گوئیا گل بہ بوستاں آمد

(بلبلوں کی مستی کا وقت آگیا ہے' گویا گلستان میں فصل گل آگئی ہے)۔

جب باغ میں فصلِ بہار آتی ہے تو اس کے ساتھ ہی باغ کی ساری چہل پہل اور خوشیاں اور پرندوں کے چہچے اور چہکاریں بھی لوٹ آتی ہیں۔ خزاں کی لمبی رات کے بعد موسم بہار کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ خزاں میں گلستان کے اندر ایک طرح کی اداسی اور ویرانی ہوتی ہے۔ اس ویرانی کو لنڈ منڈ بے برگ و بار درخت' صرف چھوٹی چھوٹی چھڑیوں کی مانند پودوں کی ننگی ٹہنیاں ہی رہ جاتی ہیں۔ صحن جہاں پھول اور ہری ہری گھاس ہوتی ہے وہ خشک چرچراتے پتے اور ان پر پھدکتے اور چھلانگیں لگائے مٹیالے رنگ کے جھینگر پھدکتے ہوئے ٹڈے اور کہیں کہیں چھپکلیاں اور زمین رنگ گرگٹ ہی ہوتے ہیں۔ پھر ایک مدت کے بعد جب باغ میں پھول آنے لگتے ہیں تو اس کے ساتھ پرندے بھی غول درغول آنے لگتے ہیں۔ گویا بہار پرندوں کی مستی کی اور پرندوں کی مستی فصل گل کی غماز ہوتی ہے۔

۲

مجلس عاشقاں مست خدا

سرخوش ایں جائے تواں آمد

(یہ تو خدا کے عاشقان سرمست کی مجلس ہے۔ یہاں اللہ والوں کا مجمع ہے۔ اس جگہ پر خوشیاں منانے والوں کی آمد نہیں ہوسکتی)۔

وہ لوگ جو اللہ والے ہوتے ہیں جو اپنے محبوب حقیقی کے عشق کے مارے ہوتے ہیں۔ وہ تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ اور اس دنیا کی خوشیوں اور شادمانیوں سے بہت دور

ہوتے ہیں' یہی نہیں وہ تو دنیا میں زندگی کی بجائے موت کی تمنا کرتے ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ صرف موت کی تمنا کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں جان دینے کے متمنی رہتے ہیں۔ (6:62)۔ اللہ سے پیار کرنے والے تو اپنے اللہ کے حضور گڑگڑانے والے ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی دنیا کی چاہت اور دنیاوی خوشیوں اور شادمانیوں والا نہیں ہوتا۔ ان اللہ والوں کی مجلس میں دنیا والوں کی ہرگز گنجائش نہیں ہوتی۔

(۳)

بلبل آنجا' خموش و حاضر باش
بشنو ایں سرّ کہ درمیاں آمد

(اے بلبل اس جگہ پر خاموش ہو جا اور حاضری میں ہی رہ۔ غور سے سن کہ یہ راز کہاں سے آ رہا ہے)۔

اے عندلیب نالہ کناں وہاں پر خاموشی اختیار کرنا ہی دستور ہے اور تو ایک شوریدہ سر پرندہ ہے۔ تیرے لیے خاموش رہنا اور صبر کرنا اگرچہ ایک محال امر ہے۔ لیکن تیرے لیے اب لازم ہے کہ تو خاموش رہے لیکن تیرا یہاں حاضر اور موجود رہنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی سنو کہ درمیان میں یہ اسرار یعنی راز اور بھید کی باتیں کہاں سے پہنچ رہی ہیں۔ تصوف کی دنیا میں بعض صورتوں میں روح کو بھی بلبل ہی کے مماثل سمجھا جاتا ہے۔

(۴)

عاشق رنگ و بوئی اے بلبل
پائے گل جائے تو ازاں آمد

(اے بلبل! تو تو صرف رنگ و بو کی عاشق ہے۔ تو رنگوں پر مرتی ہے۔ اسی لیے تیری جگہ تو صرف پھول کے قدموں ہی میں ہوتی ہے)۔

اے بلبل شوریدہ' ترا شور و غوغا سب بیکار ہے۔ تیرا پیار اور تیرا عشق صرف اور صرف ظاہری ہے۔ تو ظاہری رنگ روپ پر مرتی ہے۔ تجھے صرف حسن و جمال سے پیار ہے۔ تو پھولوں اور کلیوں کے رنگوں پر جان چھڑکتی ہے اور انہی ظاہری باتوں کے لیے ہی تو کرلاتی اور

نغمے الاپتی رہتی ہے۔ بے رنگ روپ پھول اور کلیاں تجھے دکھائی ہی نہیں دیتیں۔ عاشق صادق کہتا ہے کہ اے بلبل تو صرف ظاہری جسم اور حسن و جمال اور رنگ روپ اور اس کی خوشبوؤں سے ہی پیار کرتی ہے۔ اسی لیے تیری ادنیٰ چاہت ہی کی وجہ سے تجھے پھول کے صرف قدموں ہی میں جگہ ملتی ہے۔

۵

ماکہ سر مست صبغۃ اللہ ایم
جائے ما باغ لا مکاں آمد

(ہم چونکہ اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، اسی لیے ہمارا مقام باغ لامکاں میں ہے)۔

بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے جانا بہت بڑی بات اور فضیلت کا مقام ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں ارشاد باری بھی یوں موجود کہ اہل ایمان سے یوں فرمایا جارہا ہے کہ ''کہہ دیجئے ہم نے تو اللہ تعالیٰ (کے ہدایت کردہ نظام زندگی) کا رنگ اختیار کرلیا ہے۔ ہم نے اسی کی عبودیت (کے رنگ کو دل و جان سے) قبول کرلیا ہے۔'' (۲:۱۳۸)۔ بتایا جارہا ہے کہ ہم چونکہ صبغۃ اللہ میں رنگے ہوئے ہیں اس لیے ہمارا مقام عالم قدس میں ''لامکاں'' ہے جس کی اطراف اور جگہ معین نہیں ہے۔

۶

چشم تو بر گل جہان و مرا
دیدہ بر خالق جہاں آمد

(اے بندہ جہاں! تیری آنکھ جہاں کے پھول پر ہوتی ہے لیکن ہمارا دیدہ خالق جہاں پر ہوتا ہے)۔

اس شعر میں ایک بار پھر عام عاشق رنگ و بو اور عاشق صادق کے امتیاز کو سمجھایا گیا ہے کہ عام عاشق تو دنیاوی حسن و جمال کا طلب گار ہوتا ہے۔ وہ ظاہرداری پر اپنی جان چھڑکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس عاشق صادق کبھی تخلیق پر نہیں مرتا۔ اس کے لیے مخلوقات کا

حسن کچھ معنی اور مقام نہیں رکھتا ہے' اس کی نظر مخلوقات کے بجائے خالق پر ہوتی ہے۔ اس شعر میں چشم اور دیدہ اور پھر گل جہاں اور خالق جہاں کے الفاظ استعمال کر کے شعری حسن بھی پیدا کیا گیا ہے۔

(۷)

رو که بازاری و بیا زاری
جائے بازاریاں دکاں آمد

(اے کم ظرف انسان تو یہاں سے چل دے' تو ایک بے وقعت شے ہے۔ بازاری چیزوں کا مقام تو صرف دکان ہی ہوتا ہے)۔

اس شعر میں پھر تخاطب بلبل سے ہے اور اسے بتایا جارہا ہے کہ تو تو ایک بازاری پرندہ ہے' سدا شوروغوغا کرنا ہی تیرا کام ہے' تجھ سے تو صرف رنج وغم ہی آتا ہے کیونکہ تیرا شور دوسروں کے لیے باعث آزار ہوتا ہے اور اس بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ بازاری کی حیثیت صرف معمولی ہوتی ہے۔ وہ عام اور معمولی بھی ہوتا ہے۔ بازاری لوگوں کو سدا غیر معتبر سمجھا اور جانا جاتا ہے اور بازاری کا مقام صرف اور صرف دکان ہی ہوسکتا ہے۔ ہاں بازاری اشیاء میں ان کی بے جا چمک دمک اور بناوٹ ہی انہیں بازاری بناتی ہے۔ اس شعر میں ''بازاری'' اور ''زاری'' الفاظ سے ایک اضافی غنائی حسن بھی پیدا کیا گیا ہے۔

(۸)

باش تا من بنالم اے بلبل
کایں ہمہ خلق در فغاں آمد

(اے بلبل ذرا رک جاؤ۔ تیرے نالوں میں نہ جان ہے اور نہ اثر آفرینی۔ مجھے نالہ کرنے دو' میں اس طرح نالہ کروں گا کہ اسے سن کر سارا جہاں فریاد کناں ہو جائے گا)۔

اے سدا شوریدگی میں رہنے والی بلبل! ایک لمحے کے لیے اپنے نالوں کو روک دے۔ انہیں کچھ عرصہ اپنے سینے میں روکے رکھو۔ تو تو سدا سدا بولتی ہی رہتی ہے۔ اس سے دوسروں پر اثر ہو یا نہ ہو واویلے کرنا تیرا شعار ہے۔ اس لیے اب تو اگر دم بھر کو رک جائے اور اپنے نالے

کو اپنے سینے میں تھامے رکھے تو اس فرصت کے وقت میں نالہ کروں۔ میں رولوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس طرح سے روؤں گا کہ اسے سن کر فریاد و فغاں میں میرے ساتھ پوری کائنات شریک ہو جائے گی۔ اس لیے تیرے نالے اور میری آہ وزاری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۹)

دم مزن پیش ما کہ نالہ تست
نالۂ کز سر زباں آمد

(اے بلبل! ہمارے سامنے دم نہ مار۔ اپنے نالوں کے شور کو بند کر لے۔ ہم تیرے نالے کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں یہ تو صرف تیری زبان ہی سے نکل رہا ہے)۔

اے بلبل شوریدہ! تو مدام شور شرابے میں رہتی ہے۔ تیری دیوانگی تجھے جنونی بنائے رکھتی ہے۔ تیری پریشانی اور حیرانی ہی تجھے دیوانہ بنائے رکھتی ہے۔ اسی لیے تو سدا اپنی ہی لے میں نغمے الاپتی رہتی ہے۔ اے بلبل ناصبور ہمیں تیری اس آہ وزاری اور نالہ وفغاں کی حقیقت کا علم ہے۔ تیرے نالے اور تیری زاری صرف تیری زبان ہی کی نوک سے نکلتی ہے۔ یہ دل کی گہرائی میں سے تو ہرگز نکل کر نہیں آتی اور ہم سمجھتے ہیں کہ اسی لیے یہ بے اثر اور بے ثمر بھی ہے۔

(۱۰)

نالہ ماشنو کہ بردرِ دوست
گوش نہ ازمیاں بماں آمد

(ہم جو درِ دوست پر نالہ زاری کرتے ہیں' اسے غور سے سنو معلوم ہوگا کہ یہ نالہ تو کہیں اور ہی سے آتا ہے)۔

عاشق صادق اپنی ایک خاص حالت اور کیفیت میں بلبل سے موازنے کے سے انداز میں مخاطب ہے اور اس پر واضح کر رہا ہے کہ ہم جو اپنے حبیب اولیٰ کے حضور نالے کرتے رہتے ہیں۔ وہ کوئی یوں ہی سے تمہاری طرح کے نوک زبان سے صرف شور پیدا کرنے والے

ہی نہیں ہیں۔ ہمیں تو اس کا احساس اورادراک ہی نہیں ہے کہ ہمارے نالے کیسے نکل رہے ہیں۔ وہ کہاں سے آرہے ہیں۔ ان نالہ زاریوں کے بارے میں ہمیں صرف یہ ضرور معلوم ہے کہ یہ تو لامکاں میں سے ہم پر نازل ہو کر عیاں ہوتے ہیں۔

(۱۱)

عاشقاں در جہاں نمی گنجند

ایں قفس چوں ترا مکاں آمد

(عاشق کے سمانے کے لیے تو پورا جہاں بھی ناکافی ہے۔ عاشق کے لیے بہت بڑی سلطنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اے بلبل تو بتا کہ یہ قفس کس طرح سے تیرا مکان بنا ہوا ہے)۔

اصل عشق والے عاشق صادق قید نہیں کیے جاسکتے۔ انہیں قید کرنے کے لیے جہاں کا یہ پنجرہ اور قید خانہ بالکل ناکافی اور تنگ ہے۔ عاشق حقہ تو کسی بھی پنجرے میں سمایا ہی نہیں جاسکتا۔ اے بلبل ناداں تیرے لیے یہ چھوٹا سا قفس یا پنجرہ کیسے تیرا مکان بنا ہوا ہے۔ تو اس میں کب تک قید رہے گا۔ بحوالہ تصوف قفس سے مراد انسان کا جسمانی قالب اور ہڈیوں کا پنجرہ بھی ہوتا ہے۔ جب روح اس کے اندر مقید رہتی ہے وہ بے قرار اور بے تاب ہی رہتی ہے۔ لیکن اسے اس قید خانے سے رہا ہو کر بالآخر عالم لاہوت یعنی اس پہلے وطن میں جانا ہوتا ہے کہ جہاں وہ تخلیق ہوئی تھی۔ اس عالم میں محو وفنا نہیں ہے۔

(۱۲)

عشق تو باگل ست روزے چند

عشق ما عشق جاوداں آمد

(تیرا عشق تو صرف پھول کے ساتھ صرف چند روزہ ہے جبکہ میرا عشق تو عشق جاودان ہے)۔

اے بلبل! تو ظاہری پھول کی عاشق ہے۔ تو اسی پھول ہی کے رنگ و بو اور تازگی پر مرتی ہے اور پھر تیرا عشق عارضی سا معدودے چند دنوں کا ہوتا ہے۔ اور اسی لیے اس عشق

سے تجھے جو میسر آتا ہے اس سے بھی تو خوب آگاہ ہے۔ لیکن اے مفاد عاجلہ پر مرنے والے عندلیب یہ رنگ روپ اور حسن و جمال تمام عارضی اور فناہ کی گھاٹ اتر جانے والے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس ہمارا عشق تو عشق جاوداں ہے وہ ہمیشہ اور مدام قائم رہتا ہے۔ اس جاودانی عشق کے لیے موت مقدر نہیں ہے اور اس کے ثمرات بھی بے حد و حساب بلکہ جاوداں ہی ہیں۔

﴿۱۳﴾

خانماں آب و گل بخود نازی

ایں روش راہِ نازکاں آمد

(اے نادان بلبل! تو نے تو مٹی اور پانی کے گھر پر ہی ناز کرنا سیکھ لیا ہے۔ یہ فانی اور دنیاوی چیزیں ہیں۔ یہ بے وقعت ہیں۔ جبکہ یہ روش تو صرف نازک مزاجوں کی راہ ہے)۔

اے بلبل! تو بھی ایک عجیب مخلوق ہے تو سراپا شور و غل اور نالہ و فغاں ہے۔ لیکن اس کے باوجود تو فانی چیزوں سے عشق کرنے والی ہے۔ اسی لیے تو نے پانی اور مٹی یعنی فانی گھر ہی کو سب کچھ سمجھ کر اس پر ناز کرنا اپنا شیوہ عشق بنا رکھا ہے۔ حالانکہ تجھے کیا خبر کہ یہ سب تو ''عالم ناسوت'' یعنی دنیاوی اور عالم اجسام ہیں۔ اس راہ کو تو صرف بزدل اور کمزور لوگ ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ جو سچے اور عاشق حق ہیں' ان کی نگاہ اور طلب ہمہ وقت عالم لاہوت پر ہوتی ہے۔ وہ عالم سراسر لامکاں ہے اور بے سمت اور اطراف و اکناف کا بھی پابند نہیں ہوتا۔

﴿۱۴﴾

محی آثارِ قدرت حق دید

چو بہار آمد و خزاں آمد

(محی الدین! ہم نے تو قدرت حق کے آثار اس وقت سے دیکھ رکھے ہیں کہ جب موسم بہار اور موسم خزاں ایک کے بعد دوسرا آیا تھا)۔

محی الدین! اللہ والوں کے اور ہی پیمانے اور معیار ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی

قدرت سے سب کچھ دکھاتا رہتا ہے۔ ان حق کے طالبان کے لیے اللہ کی جانب سے کوئی پردے اور پوشیدگیاں ہرگز نہیں ہوتیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مقربین کو جو چاہتا ہے دکھاتا' سناتا اور عطا فرماتا ہے۔ ایسے اللہ والوں پر اللہ جل شانہ وعم نوالہ وعز برہانہ اپنے آثار یعنی علامات اور نشانیاں اور امور دکھاتا رہتا ہے۔ بلکہ اہل تصوف تو یہاں تک بتاتے ہیں کہ سچے عاشقوں اور عشق میں صدق وصفا والوں نے فصل بہار یعنی عالم لاہوت اور موسم خزاں یعنی عالم ناسوت بھی یکے بعد دیگرے دیکھ رکھے ہیں۔

## ردیف: ر

قطعہ

اے قصر رسالت از تو معمور
منشور لطافت از تو مشہور
خدام ترا غلام گشتہ
کیخسرو و کیقباد و فغفور

(یارسول ﷺ! رسالت کا قصر آپ کی وجہ سے معمور ہے۔ لطف وکرم کا منشور آپ ہی کے الطاف سے مشہور ہے۔ کیخسرو' کیقاباد اور فغفور (ایران اور چین کے عظیم حکمران) سب آپ کے خادموں کے غلام ہیں)۔

یارسول اللہ! نبوت ورسالت کا جو عظیم الشان محل ہے جو حضرت آدم علیہ السلام لے کر نبی آخرالزمان ﷺ یعنی آپ ﷺ کی ذات تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ نبوت اور رسالت کی ایک عظیم الشان کہکشاں ہے۔ اس میں انبیاء اور رسولوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ یہ سب نبی پیغمبر جن کی تعداد عرف عام میں ایک لاکھ چوبیس ہزار بھی بتائی جاتی ہے۔ یہ تمام انبیاء اور رسول اللہ تعالیٰ کے قاصد اور پیغام رساں ہیں۔ وہ سب سفارت الٰہی کرتے رہے ہیں۔ وحی حق کے تحت وہ اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے۔ وہ سب برگزیدہ اور صالحین تھے' وہ خود بھی وحی الٰہی پر عمل کرتے رہے اور انسان کو بھی اس پر کاربند ہونے کی تلقین کرتے رہے۔ سب انبیاء اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام کے مطابق عملاً نظام خداوندی کے مطابق فلاح

بخش معاشرہ قائم کرتے رہے کہ جس میں اللہ کی رحمتوں اور الطاف و اکرام سے لوگ زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہوتے رہیں۔ یا نبی اللہ ﷺ! الطاف و اکرام اور رحمتوں اور برکتوں کے جو بھی آئین اور منشور ہیں وہ سب آپ ﷺ ہی کے دم قدم سے ہیں۔ کوئی کوئی آئین' کوئی لطف و کرم اور رحم اور مہربانی اور بادشاہت کا بڑے سے بڑا حاکم اور حکمران ایسا نہیں جو تیرے غلاموں کے خادموں میں سے نہ ہو۔

## غزل ۳۶

### ۱

در جملہ کائنات گویند
صلوات تُو تا دمیدن صور

(یا نبی اللہ! کائنات کی تمام مخلوق ہمہ وقت' مدام صور پھونکنے تک آپ ﷺ پر درود و صلوٰۃ بھیجتی رہے گا)۔

درود فارسی زبان کا لفظ ہے جو ہمارے ہاں ''صلوٰت'' کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ علمی اردو لغت میں اس لفظ کے جو معنی لکھے گئے ہیں وہ یوں ہیں: درود بمعنی صلوٰت' رحمت' تحسین' شاباش' استغفار' حمد' سلام' دعا' تعریف' تسبیح اور وہ تحفہ حمد و سلام جو پیغمبر ﷺ پر بھیجا جائے وہ دعا جو رسول مقبول ﷺ مقبول کا نام آتے ہی طلب رحمت کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ اس تناظر میں فرمایا گیا ہے کہ'' یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کائنات کی کل مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مدام صلوٰت پڑھتی رہے گی اور درود و سلام اور تحسین و تبریک کا سلسلہ صور پھونکے جانے تک ہمہ وقت جاری و ساری رہے گا۔ یہ درود و سلام اور حسن عمل کی تائید و تحسین آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر کے عملی درود و سلام اور صلوٰت کی صورت میں مجسم بھی ہوتی رہے گی۔

(۲)

معراج تو بقاب قوسین

جبریل بہ راہ بماندہ دور

(یاحبیب اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی معراج تو قرب الٰہی کی انتہا یعنی قاب قوسین تک تھی جبکہ جبریل امین راہ میں بہت دور رہ گیا)۔

بتایا جارہا ہے کہ معراج انسانیت پر حضور نبی اکرم ﷺ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک ایسا قرب ہوا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی قرب ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں اس بارے میں یوں ارشاد موجود ہے کہ ''ان کے مابین دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔'' (۹:۵۳)۔ ''قاب قوسین کے بعد ''اوادنیٰ'' کا لفظ بڑھایا گیا ہے' یعنی دو کمانوں کے ملانے والوں کا تعلق بھی بہت شدید ہوتا ہے مگر آنحضرت ﷺ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اس سے بھی قریب تھا یعنی انسانی تعلقات جس قدر قرب ثابت اور ظاہر کر سکتے ہیں ان سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کا اپنے پروردگار سے تعلق ہے۔ اس قرب و تعلق کے مقابلہ میں جبریل علیہ السلام راستے ہی میں بہت دور گئے تھے۔

(۳)

ہم حلقہ بگوش تست غلماں

ہم بندہ کمترین تو حور

(یارسول اللہ ﷺ! یا نبی اللہ ﷺ! غلمان آپ ﷺ کے فرمانبردار اور مطیع ہیں اور حوریں بھی آپ ﷺ کی کمترین خدمت گزار ہیں)۔

یارسول اللہ ﷺ! جنت والوں کی خدمت پر مامور غلمان سب آپ ﷺ کے مطیع اور آپ ﷺ کے حکم و اذن کے تابع ہیں۔ اور اسی طرح جنت کی وہ حسین و جمیل اور لولوء والمرجان قسم کی تمام حوریں آپ ﷺ کی ادنیٰ ترین' نہایت ہی کم درجہ اور سب سے کمتر خدمت گزار ہیں۔ سب حور و غلماں آپ ﷺ کی غلامی اور خدمت گزاری میں نازاں اور اپنے بخت عظیم پر فخر کناں ہوں گی۔

﴿۴﴾

بنوشتہ خدائے از پیش آدم
از بہر رسالت تو منشور

(یا حبیب اللہ ﷺ! یا نبی اول و آخر ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی رسالت کا منشور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی پہلے لکھ دیا تھا)۔

یا نبی اللہ! آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کا منشور تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے تخلیق فرما لیا تھا۔ اس بارے میں کئی احادیث شریف میں بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور گرامی قدر حضرت محمد ﷺ کا نور ہی تخلیق فرمایا تھا اور دیگر تخلیقات اس کے بعد کی گئیں۔ گویا آنحضرت ﷺ کا نور ہی باقی تمام تخلیقات کی وجہ تخلیق بنا۔ اس کے علاوہ حضور نبی کریم ﷺ کے اسمائے عالی میں آپ ﷺ کا ایک نام اول بھی ہے۔ آپ ﷺ اپنے مرتبہ نبوت و رسالت میں بھی اول ہیں اور بحوالہ تخلیق بھی اول ہی ہیں۔

﴿۵﴾

از ہیبت غیرت تو موسیٰ
دیدار خدا نہ دید بر طور

(اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کی غیرت کی ہیبت سے طور پر دیدار نہ کر سکے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیدار حق کی درخواست کی تھی کہ ''رب ارنی'' یا اللہ مجھے اپنا جلوہ دکھا دے۔ اس کے جواب میں ارشاد باری ہوا تھا کہ ''لن ترانی'' تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا جس کے نتیجے میں ایک ایسی بجلی چمکی کہ موسیٰ علیہ السلام خود بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اور اس تجلی سے کوہ طور بھی جل گیا۔ بعض مفسرین یوں بھی بتاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے یہ دیدار نہ کر سکے تھے' کیونکہ یہ دیدار تو صرف حضرت محمد ﷺ کے لیے مخصوص تھا۔

(۶)

روشن ز وجود تست کونین

اے ظاہر و باطنیت ہمہ نور

(یارسول اللہ ﷺ! دونوں جہاں آپ ﷺ کے وجود مسعود سے روشن ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ تو ظاہر و باطن نور ہی ہیں)۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش موجود نہیں ہے کہ کونین یعنی دونوں جہاں ہر دو عالم دین و دنیا سب آپ ﷺ ہی کے وجود مبارک کے باعث ہی سے روشن ہیں۔ جان لینا چاہیے کہ نور صرف مادی روشنی ہی نہیں ہوتا بلکہ فکر و بصیرت اور علم و عقل کی روشنی بھی نور ہی کہلاتی ہے' اسی اعتبار سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو ''سراجاً منیرا'' بھی فرمایا ہے۔ ''اے نبی مکرم ﷺ! تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ ہدایت کی جانب دعوت دینے والا ہے اور (آفاقی نظام معرفت الٰہی کا) سراج منیر ہے۔'' (۴۶:۳۳) یہ سب اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو ظاہری و باطنی نور کے طور پر آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔

(۷)

اے سید انبیائے مرسل

وے سرور اولیائے مستور

(یا حبیب اللہ! آپ ﷺ نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں۔ اور یہ سرداری آپ ﷺ ہی کو زیبا ہے۔ اور مخفی و پوشیدہ اولیائے کرام کے سرور بھی آپ ﷺ ہی ہیں)۔

نبی وہ برگزیدہ بندہ حق ہوتا ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی علم حاصل کرتا ہے اور پھر اس علم کو دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے اور اسی طرح رسول بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا پیغام دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ ہر رسول کا یہ منصب بھی ہوتا ہے کہ وہ پیغام الٰہی کے مطابق ایک معاشرہ عملاً بھی متشکل کرتا ہے اور بعض حوالوں سے ہر نبی رسول ہوتا ہے اور ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی شخصیت کے دو منصب ہوتے ہیں۔ حضور پاک ﷺ نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں۔ سب اولیائے کرام کہ جو اپنے آپ کو مستور رکھتے ہیں۔ آپ

ﷺ ان سب کے سردار، حاکم اور امیر ہیں۔ وہ سب آپ ﷺ کی بادشاہت میں ہیں۔

⟨۸⟩

گل از عرق تو یافتہ بوئے

شد شہد در اندر زنبور

(پھول کو آپ ﷺ کے پسینہ مبارک سے خوشبو ملی ہے اور شہد کی مکھی کو شہد بھی آپ ﷺ ہی کی بدولت یا آپ ﷺ کے پسینہ مبارک سے میسر آیا ہے)۔

عموماً انسانی پسینہ خوشبو دار نہیں ہوتا بلکہ انسانی پسینہ تو کئی طرح کی الائشوں اور ناگوار باسوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جناب رسالت مآب ﷺ کا پسینہ نہایت خوشبو دار اور معطر تھا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ پھول کو آپ ﷺ کے پسینے سے معطر و معنبر خوشبوئیں میسر آئی ہیں۔ اور اسی طرح شہد کی مکھی اور زنبور میں اگرچہ زہر بھی ہوتا ہے اور ان کا ڈنگ زہر کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے باوجود اس زہریلے حشرہ کے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ نے شہد پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھی ہے۔ شاعر بتاتا ہے کہ شہد کی مکھی کو بھی یہ شہد آپ ﷺ ہی کے پسینے کی بدولت ملا ہے۔

⟨۹⟩

ہر کس بہ جہاں گناہگار ست

گشتہ بہ شفاعت تو مغفور

(یا شفیع المذنبین! یا شافع! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اس جہاں میں ہر شخص گناہگار ہے اور ان کی بخشش آپ ﷺ کی سفارش سے ہوگی)۔

اکثر احادیث شریف میں آیا ہے کہ گناہگاروں کی بخشش حضور نبی کریم ﷺ ہی کی سفارش سے ہوگی۔ یوں بھی آیا ہے کہ قیامت کے روز صرف حبیب کبریا حضرت محمد ﷺ ہی تمام امم کی سفارش کریں گے۔ آپ ﷺ ہی کو سفارش کرنے کا اذن اور حق حاصل ہوگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ جو غفور و رحیم ہے، وہ آپ ﷺ کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔ یوں ہزاروں لاکھوں گناہگاروں کی بخشش ہو جائے گی۔

﴿۱۰﴾

محی به غلامی تو زد لاف

از راه کرم بدار معذور

(محی الدین نے' یا نبی اللہ! آپ ﷺ کی غلامی کا دعویٰ کیا ہے۔ از راہ لطف و کرم اسے معذور ہی رکھنا)۔

محی الدین' اپنی انکساری کے عالم میں بتاتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے لاف زنی کرتے ہوئے لوگوں میں اس امر کا چرچا کر رکھا ہے کہ میں یا نبی اللہ آپ ﷺ کا غلام ہوں۔ میں نے یقیناً بہت بڑی بات کہہ دی ہے۔ میری اس لاف زنی پر مجھے سزا نہ دیجئے گا۔ میری یہ گستاخی ہے کہ میں نے چھوٹے منہ سے ایک بڑی بات کر دی ہے کہ میں آپ ﷺ کا غلام ہوں۔ یا حبیب اللہ ﷺ! میری اس گستاخی پر میرا مواخذہ نہ کیجئے گا۔ مجھے ہر طرح کی جواب طلبی اور وضاحت سے معذور ہی رکھیے گا اور مجھے معاف فرما دیجئے گا۔

## غزل ۱۷

﴿۱﴾

گر نخواہی بود اندر جنت وصل یار

قصر دوزخ عاشقاں خواہند کردن اختیار

(اگر جنت کے اندر محبوب کا وصال نہ ہوا تو پھر اے لوگو! ہمارے لیے جنت یا دوزخ کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور عاشقان حق دوزخ کی گہرائی میں رہنا پسند کریں گے)۔

عاشق کی یہ فطرت ہے اور یہ اس کی سرشت میں ہے کہ وہ ناصبور ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں عجلت پسند بھی ہوتا ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ وہ جنت میں جانے کے باوجود بھی صبر کا دامن نہیں تھام رہا بلکہ اپنی اذیت پسندی اور آہ وزاری کی عادت کے باعث ظلم وستم سہنے کی خو ہو جانے کے سبب بڑی ہی بے تابی سے کہہ رہا ہے کہ اگر جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر بھی محبوب کے وصال سے وہ محروم رہا تو وہ پھر اپنے آپ کو جہنم کی گہرائیوں کے سپرد کر دے گا اور

اسے جہنم میں رہتے ہوئے بھی تکلیف نہ ہوگی۔ عاشق صادق کی یہ ناصبوری فطری ہے لیکن اس کے باوجود ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے لقاء سے نوازے گا اور ان کا لقائے رب پر ایمان ہوتا ہے۔ (۴۶:۲)۔ (۲۴۹:۲)

(۲)

حور عیں ہر چند می دارد جمال باکمال

تو برابر باتجلیے جمال حق مدار

(موٹی آنکھوں والی حوریں مانا کہ باکمال حسن و جمال والی ہیں۔ یہ سب دنیا والوں کی طلب و آرزو ہوں گی۔ لیکن ان کے حسن کا تجلئ جمالِ حق سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا)۔

قرآن مجید میں ''حور عین'' کا ذکر آیا ہے کہ وہ خوب صورت حوریں ہوں گی۔ اس کا ترجمہ موٹی آنکھوں والی غزال چشم حوریں بھی کیا گیا ہے۔ ان جنتی حوروں کے حسن و جمال میں قرآن مجید ہی میں بتایا گیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص طریق سے تخلیق کیا ہے، وہ کنواری ہوں گی، پر کشش اور ہم عمر بھی ہوں گی۔ ''ان میں قاصرات الطرف حوریں (باحیا، محفوظ نگاہ) ہوں گی جنہیں قبل ازیں نہ کسی انسان نے مس کیا ہوگا نہ جن نے، وہ حوریں گویا وہ یاقوت (سرخ) اور مرجان (سفید) کی طرح خوب صورت ہوں گی۔'' (۵۵:۵۶۔۵۸)۔ اس قدر حسن و جمال والی حوریں اللہ جل شانہ کی تجلی جمال کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ محبوب حق کا جمال و حسن سب سے بڑھ کر اور سب سے فائق تر ہے۔

(۳)

عابداں نظارہ نتواں کردیک حور بہشت

گر بدارد عاشقان مست را در انتظار

(عابد لوگ جنت کی حوروں کا نظارہ کرنا فراموش کردیں گے۔ اگر محبوب حقیقی اپنے عاشقان مست سے وعدہ دیدار کر کے انہیں زحمت انتظار میں رکھے گا)۔

محبوب حقیقی کے لقا کے بارے میں صرف منکر لوگ ہی ایمان نہیں رکھتے۔ لیکن مومنوں کو تو یہ یقین ہے کہ انہیں ضرور اپنے رب کے ہاں جانا ہے۔ لیکن بحوالہ فرمان الٰہی ''یہ اہل ایمان اپنے رب سے ملنے والے ہیں (ان کے سینے تو علم وعرفان سے روشن ہیں)۔'' (۲۹:۱۱) ۔مگر وہ لوگ جنت میں رہتے ہوئے بھی لقاء کے انتظار میں اس قدر وارفتہ اور ناصبور کیفیت میں رہتے ہیں کہ انہیں کب لقائے ربی ہوتا ہے۔ اس لقائے ربی کا انتظار دیکھ کر عابدان پاکباز جنت کی حوروں کا انتظار کرنا چھوڑ دیں گے۔

(۴)

جام مالا مال دردہ اے خدا خمر طہور

اندر و لغوے نہ باشد نئے صداع و نئے کار

(اے خدا! ہمیں شراب طہور کے مالا مال جام عطا کر دینا اور یہ عین تیرے وعدے کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس کے اندر نہ دیوانگی ہے' نہ دردسر اور نہ خمار ہی موجود ہے)۔

قرآن مجید میں جنت کے سکون بخش مشروبات کا بھرپور ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندگان الٰہی پر یوں بھی مہربانی فرمائے گا کہ'' اور انہیں اعتراف خدمت کے صلے میں پروردگار ''شرابا طہورا''۔ یعنی پاک شراب پلائے گا۔'' (۷۶:۲۱)۔ اس شراب کے بارے میں یوں ارشاد باری آیا ہے کہ'' جس میں نہ لغویت ہے نہ گناہ کا کام (تنازعو الکاس)'' (۵۲:۲۳) اور مزید یوں بھی ارشاد باری ہے کہ اہل جنت اور بندگان الٰہی کو''بادستہ آپ خورے اور لبالب جام پیش کیے جائیں گے۔ جس سے نہ تو انہیں دردسر ہوگا اور نہ (خمار کے باعث) عقل میں فتور لاحق ہوگا۔'' (۵۶:۱۸۔۱۹)۔ مومن لوگ اپنے محبوب حق سے اللہ کے وعدے کے مطابق شراب طہور کے وہی لبالب جام طلب کرتے ہیں)۔

(۵)

گر بیند در جہنم یک تجلئ جمال

بشگفد گل ہائے رنگا رنگ در وے صد ہزار

(اگر جہنم پر محبوب حقیقی کی تجلی کی ایک لپک بھی پڑ گئی تو جہنم میں بھی رنگا رنگ ہزاروں

پھول کھل جائیں گے۔ وہ جہنم بھی جنت سے بہتر ہو جائے گا)۔

جہنم جو ایک بہت بری اور نار اور تپش والی آگ کی جگہ ہے۔ اگر میرا محبوب حقیقی اس کی طرف ایک نظر بھی کر لے یا میرے محبوب کے حسن و جمال کی ایک ادنیٰ سی بھی تجلی اس پر پڑ گئی تو اس سے وہ آگ اور تپش کا سمندر دوزخ بھی گل و گلزار بن جائے گا۔ اس کی حدت' شدت اور آگ کی لپٹیں اور بھڑکتے ہوئے شعلے سب ہزاروں رنگ رنگ کے پھولوں میں بدل جائیں گی۔ وہی جلانے اور اذیت پہنچانے والا جہنم راحت بخش گل و گلزار بن جائے گا۔

(۶)

روئے زرد عاشقاں' رنگیں کند در روز حشر

تخت زریں بہشت و خانہائے زرنگار

(اے لوگو! اس حقیقت کو جان لو کہ روز حشر عاشقوں کے چہرے کی زردی ہی سے جنت کے سنہری زریں تخت اور زرنابی محلات کو رنگین و حسین بنایا جائے گا)۔

جنت میں محلات اور قصور سب سونے کے بنے ہوئے ہوں گے۔ اسی طرح جنتی لوگوں کے لیے برائے نشست جو سونے کے زریں تخت ہوں گے' ان سب کو عاشقان حقہ کے چہروں کی زردی اور رنج والم اور ہجر و فراق کی پیلاہٹ ہی سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے گا۔ ان سب کی زیب و زینت اور سج دھج بنانے کی خاطر اور گوناں گوں سنہری رنگوں سے انہیں مرصع کرنے کی خاطر بھی روئے عشاق کی زردی ہی کام آئے گی۔ اس شعر میں عشاق کے چہروں کی زردی' پژمردگی اور پیلاہٹ کو کہ جسے وہ لوگ اپنے ہجر و فراق کے دور میں معشوق کے جور و جفا کے بعد گریہ اور آہ وزاری کر کے کماتے ہیں' اس کو بہت اہم مقام اور مرتبہ بخشا گیا ہے۔

(۷)

سایہ طوبیٰ و جنت' حوض کوثر را کجاست

آں حلاوت ہا کہ باشد در وصال کردگار

(طوبیٰ کے سایوں میں' جنت اور حوض کوثر میں وہ شیرینی اور مٹھاس ہرگز نہیں ہے جو

اس پروردگار کے دیدار اور لقا میں موجود ہے)۔

طوبیٰ جنت کا ایک وہ عظیم الشان درخت ہے جس کا پھل نہایت شیریں اور میٹھا ہوتا ہے۔ اسی طرح جنت کی فضائیں اور ہوائیں بھی راحت و آرام میں بھی حلاوت اور مٹھاس اور پھر سب سے بڑھ کر حوض کوثر تو اپنی مٹھاس' شیرینی' ذائقے اور لذت اور تسکین بخش مشروب اور مصفا و مطہر شربت کی وجہ سے سب پر فائق ہے۔ ان سب نعمائے جنت کی شیرینی' حلاوت اور مٹھاس لقائے ربی اور دیدار الٰہی کے مقابلے میں ہیچ اور کمتر ہوں گی۔ اس شعر میں لفظ "وصال" سے مراد وحدت میں فنا ہونا کے بھی ہوتے ہیں۔ گویا سچے عاشقوں کے لیے فنا فی اللہ ہونا بھی ایک حلاوت اور سکون و راحت بخش درجہ اور مقام ہے۔

(۸)

اندروں خلوت کہ آنجا رہ نیابد جبریل

می رود از فارسیؒ سلماں بلال از زنگبار

(آپ ﷺ کی خلوت میں جہاں جبرائیل امین علیہ السلام کو بھی جانے کا یارا نہیں ہوتا وہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ حبشی کو شرف باریابی حاصل ہوتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی غلامی کا اعجاز ہے)۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن رسالت ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ مصاحب حبیب کبریا علیہ السلام بھی تھے۔ آپ ﷺ اور دوسرے لوگ آپ کی ادائی کلمات اذان کو بہت پسند فرماتے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ زنگبار یعنی حبشہ کے حبشی تھے۔ اسی طرح ایرانی النسل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ زہد' قناعت' توکل' عبادت' صداقت' امانت' عدالت اور دیگر اوصاف حسنہ میں حضور نبی اکرم سے درس اور فیض یاب یافتہ تھے۔ بلال اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آنحضرت ﷺ سے نہ کوئی نسبت تھی اور نہ رشتہ داری' اس کے باوجود آپ ﷺ کی مصاحبت میں وہ بلند مقام کے حامل تھے۔ لیکن ان کے مقابلے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کی وحی کے امانتدار اور رسول کریم ﷺ پر وحی لایا کرتے تھے انہیں بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں آنے کی ایک عار تھی۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارسی سدا شرف باریابی سے فیض یاب رہتے تھے۔

﴿۹﴾

تن بہ نعمت ہائے جنت می شود پرورده لیک
جاں بباید پرورش از دیدن پروردگار

(جنت کی نعمتوں سے تن بدن پرورش پاتا ہے اس سے جسم کو آسودگی ملتی ہے۔ لیکن پروردگار کے دیدار سے جان کو پرداخت و پرورش میسر آتی ہے)۔

اس شعر میں بتایا یہ جارہا ہے اس دنیا میں عام اور اکثر لوگ جو عبادت الٰہی کرتے ہیں' وہ اول تو طلب دنیا کی ہوس ہی میں گرفتار رہتے ہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوزخ سے نجات کے طلب گار اور جنت کے حصول کے امیدوار ہوتے ہیں۔ گویا ان لوگوں کی یہ ساری طلب و آرزو جسمانی پرورش ہی کے حوالے سے ہوتی ہے۔ لیکن وہ شے جو روح ہے جس کے سبب سے جسمانی زندگی بھی ہے وہ تو دنیا یا جنت میں یا ان دونوں کے بھی حصول سے پرورش نہیں پاتی۔ روح کی پرورش صرف اور صرف دیدار پروردگار ہی سے غذا اور پرورش حاصل کرتی اور اس کو لقائے رب ہی سے ارتقاء اور سکون میسر آتا ہے۔

﴿۱۰﴾

گر برانگیزی زخاک گور وبنمائی جمال
خلق مسکیں راز گریہ دیدہ ہا گردو غبار

(اے اللہ یہ تیری نوازش ہوگی کہ اگر تو ہمیں خاک قبر سے اٹھا کر اپنا حسن و جمال دکھانا چاہے گا تو مسکین خلق تیرے حسن و جمال کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو گرد و غبار کرلے گی)۔

اے میرے محبوب' میرے خالق و مالک! جب تو ہمیں روز محشر قبروں میں سے اٹھا کر اپنے وعدے کے مطابق اپنا حسن و جمال دکھانا چاہے گا تو یہ ایک بہت بڑا ہنگامہ خیز کام ہوگا۔ ہر ایک کے بس اور ظرف کی بات نہیں ہے کہ وہ حسنِ حق کو دیکھنے کی تاب لا سکے جو سچے اور وارفتہ صادق ہوتے ہیں وہ تو اپنے محبوب اور حبیب کو دیکھ کر گریہ وزاری اور آہ و بکا کرتے ہیں۔ ان کا دل پانی بن کر آنکھوں سے رواں ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس روز قیامت میں آپ کے حسن و جمال کی جھلک تمام مسکین' عاجز اور ناتوان و بے چاری خلقت رو رو کر اور گریہ زاری

کر کے اپنے ذوق دید میں اپنی آنکھوں کو گرد و غبار کر لے گی۔

﴿۱۱﴾

وعدہ دیدار گر در قعر دوزخ می کنی

می کشد در چشم ' آتش را ' خلائق سرمہ دار

(اے میرے محبوب حق' میرے دل و جان کے مالک پروردگار! ہم تو صرف اور صرف تیرے لقا کے طلب گار ہیں۔ اگر تو یہ وعدہ کر لے کہ تو جہنم کی گہرائی میں اپنا دیدار کرائے گا تو تمام مخلوق دوزخ کی ساری آگ کو اپنی آنکھوں میں سرمے کی طرح سے لگائے گی)۔

اے اللہ! تو اپنی مخلوق کا خالق و مالک ہے۔ اس کا تیرے ساتھ یہ رشتہ تو ضرور ہے کہ تو نے اسے تخلیق کیا ہے۔ اور پھر تیرا یہ بھی وعدہ ہے کہ تو اپنی اس مخلوق کو اپنا لقا اور دیدار بھی کرائے گا۔ اس پر مخلوق کا بھی ایمان اور ایقان ہے۔ اس وعدے پر اگر میرے اللہ! تو یہ اشارہ کر دے کہ تو دوزخ اور نار جہنم کی اتھاہ گہرائی میں اپنا دیدار کرائے گا' تو تیرے سچے بندوں کے لیے یہ بہت بڑی سعادت ٹھہرے گی کہ وہ دوزخ کی ساری جلتی' بھڑکتی اور شعلہ بار آگ کو بھی اپنی آنکھوں کا مبارک اور مقدس سرمہ بنا کر لگاتی رہے۔

﴿۱۲﴾

محی گر دیدار رحمت' بایدت از عزوجل

دامن مرداں بگیرو صبر کن تا روز بار

(اے محی الدین تو اگر اللہ کے دیدار رحمت کا طلب گار ہے تو اس کے لیے صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ تجھے چاہیے کہ تو مردان حق کا دامن تھام لے اور قیامت تک صبر کرتا رہے)۔

اے محی الدین! دیدار حق اور لقائے ربی کوئی معمولی اور یوں ہی سا کام نہیں ہے۔ یہ ہر عاشق زار کا حق تو نہیں ہے' اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اپنی مرضی اور ارادہ ہے۔ دیدار رحمت کی طلب و آرزو بہت بڑی بات اور چاہت بدوش خواہش ہے۔ تصوف کی دنیا میں مرد نہ تو عورت ہوتا اور نہ مخنث بلکہ وہ مرد حق ہوتا ہے۔ مرد حق ہی مرد کامل بنتا ہے۔ مرد مجموعہ ہوتا

ہے بہادری' جرأت' شجاعت' استقامت' صبر' ایثار اور قربانی کا۔ اس مرد پر آدمیت اور انسانیت بھی بجتی ہے۔ اس لیے اے محی الدین تو اگر دیدار رحمت کی طلب وجستجو میں ہے تو پھر تو کسی ''مرد'' حق کو اپنا مرشد بنالے اور اس کے ساتھ ساتھ روز قیامت تک صبر اور انتظار سے کام لے۔

## غزل ۲۴۸

(۱)

دوست می گوید کہ اے عاشق اگر داری صبور

از فراق ما منال و صبر کن تا نفخ صور

(مجھے میرا محبوب کہتا ہے کہ اگر تجھ میں صبر ہے تو پھر تو میری جدائی میں رونا دھونا بند کر دے اور صور پھونکنے تک صبر سے کام لے کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

میرا محبوب مجھے میری بے قراری' ہجر وفراق اور جدائی کے بدلے میں اور ہی قسم کے فلسفے میں الجھا رہا ہے۔ اس نے اپنے جور و جفا اور ظلم وستم سے میرے عشق اور میرے صبر کو کئی بار آزما رکھا ہے۔ اس کے باوجود وہ مجھے یہ تلقین کر رہا ہے کہ اگر میرے اندر صبر اور تحمل و برداشت کا مادہ موجود ہے تو میں مزید صبر سے کام لیتا رہوں۔ اور پھر وہ صبر بھی صور پھونکنے کے دن تک انتظار کرتا رہوں۔

(۲)

اندراں مجلس کہ بیند خلق دیدار خدا

از جگر ہائے کباب عاشقاں باشد بخور

(جس محفل میں مخلوق اپنے خالق کا دیدار کرے گی' یہ روز محشر کا مقام ہوگا۔ وہاں پر عاشقوں کے جگر جلیں گے اور ان سے فضائیں مہکیں گی)۔

بیان کیا جاتا ہے وہ مجلس کہ جس میں مخلوق کو یہ موقع ملے گا کہ وہ اپنے خالق و مالک اللہ کا دیدار کرے۔ وہ بہت بڑی مجلس ہوگی۔ جس طرح دنیاوی محافل و مجالس کو عدد ولوبان کا

کی اگر بتیوں سے خوشبو بار اور عطر بیز بنایا جاتا ہے۔ اس مجلس خاص میں عاشقوں کے کباب شدہ جگر (دل اور جان) عود و لوبان کی مانند جلیں گے اور ان کے دھوئیں سے وہ مجلس معطر و معنبر ہو گی۔ عشاق کے سوختہ دل و جان جل کر ان محفلوں کی فضاؤں اور ہواؤں کو عطر بیز کریں گے۔ یہ بھی گویا اس وقت دیدار پر بھی وارفتگی ہی میں ہوں گے۔

﴿۳﴾

آنکہ از خواب خوشت بیداری سازد' منم

چوں بگوئی تو گناہانم بیامرز اے غفور

(اے میرے بندے! جو تجھے خواب خوش سے بیدار کرتا ہے وہ میں ہی ہوں' ورنہ تو موت کی نیند سو رہا ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب تو اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے مجھے رب غفور کہہ کر پکارتا ہے)۔

بندہ جب اپنے گناہوں کے احساس سے بوجھل ہو جاتا ہے تو پھر اگر وہ تائب ہو کر راہ راست پر آنا چاہے تو اس کا غفور و رحیم رب اس کی مدد کرتا ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ غفلت اور گمراہی کی میٹھی نیند سے بیدار کر دیتا ہے۔ اس بیداری کے بعد جس وقت وہی گناہگار بندہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کر کے اپنی گم کردہ راہ پر دوبارہ گامزن ہو جاتا ہے تو بھی اس موقع پر اللہ غفار ہی اسے اپنے دامن رحمت اور غفران میں لے لیتا ہے۔

﴿۴﴾

گور گہوارست و تو طفلی و دایہ لطف دوست

خوش بخوابایند و خوابت داد تا یوم النشور

(اے اللہ کے نیک بندے! قبر تو ایک گہوارہ ہے اور تو بچہ ہے اور لطف دوست تیری دایہ ہے۔ اس لیے تم خوشی کے مزوں میں سوتے رہو' اس نے تجھے یوم نشور تک گہری نیند سلا دیا ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد تم قبر میں آ گئے ہو' لہٰذا اس قبر کو اب تم ایک جھولا یا گہوارہ تصور کرو' اور اس گہوارے میں تمہاری حیثیت ایک شیر

خوار بچے کی سی ہے۔ لیکن تمہیں اس کی کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ خود مجھے ایک دایہ کی طرح اپنی نگاہ اور تحفظ میں لیے ہوئے ہے۔ اس سے بڑھ کر تمہاری خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے یہاں پر اللہ نے تمہیں خود ایک ذمہ دار مامتا سے بھی بڑھ کر اپنی نگہداشت میں لے رکھا ہے۔ اس لیے اب تم یوم النشور یعنی قیامت تک خوشی سے مزے لے کر سوتے رہو اور قیامت کے روز پھر مزید الطاف واکرام کا انتظار کرتے رہو۔

⑤

نور ایماں درد دل و دل بارگاہ نور حق
خوش چراغے گردہد در پیش نور النور نور

(اے نیک دل انسان۔ یہ حقیقت جان لے کہ جب تمہارے دل میں نور ایمان ہوگا اور تمہارا دل بارگاہ نور حق بنے گا۔ تو پھر وہ کتنا اچھا چراغ ہوگا جو اس نور اعلیٰ نور فضاؤں میں چمکے گا)۔

اس شعر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص بندوں کے مراتب اور مناصب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے دل کو نور حق کی تجلیوں سے بھر دیتا ہے تو پھر اس وقت وہی نورانی دل اللہ کی اپنی بارگاہ حق بن جاتا ہے۔ اس صورت حال میں جو نورانی چراغ روشن ہوتا ہے اس کی کیفیت تو گویا نورٌ علیٰ نور کی سی ہوتی ہے۔ اس میں صرف نور قدسی ہی چمکتا ہے یہ وہ نور حق ہوتا ہے جس کا فیض عالم ملکوت اور عالم جبروب کو پہنچتا ہے۔

⑥

اے گنہگاراں شمارا بیشک آمرزد خدا
بربود از پوستین کیش و سنجاب و سمور

(اے گنہگارو! بیشک تمہیں تمہارا خدا معاف فرمادے گا۔ بخشش کے لیے اسے تمہارے ظاہری لباس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ خواہ تم نے کیش، سنجاب یا سمور کی پوستین پہن رکھی ہوگی)۔

عاصیوں اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو اللہ غفور و رحیم اور غفار و ستار کی رحمتوں اور غفرانی وسعتوں کا احساس دلایا جارہا ہے کہ اے گناہگارو! تمہارے لیے یہ نوید

خداوندی ہے کہ تمہارا رحیم و کریم خالق و مالک تمہیں ضرور بخش دے گا۔ وہ تمہارے گناہوں کو نہ صرف معاف فرمادے گا بلکہ ان کو بدستور چھپائے بھی رکھے گا۔ لیکن اس کیلیے شرط صرف یہ ہے کہ تم اللہ التواب کے سامنے اعتراف گناہ کر کے توبہ کر لو کیونکہ اس کا دامن رحمت وغفران بڑا ہی وسیع ہے۔ اسے تمہارے گناہ معاف فرماتے ہوئے اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا تم کیش کے نرم بالوں کا لباس پہنتے تھے یا سمور ریشم یا ملائم پشم زیب تن کرتے تھے۔ وہ سب کو بخش دے گا۔

(۷)

دارد از نور الٰہی چہرہ تو آگہی

زردی روئے تو باشد سرخی رخسار حور

(تیرا چہرہ چونکہ نور الٰہی کی معرفت رکھتا ہے۔ جنت میں قیامت کے روز اس لیے تیرے چہرے کی زردی سے حور کے رخسار کے لیے سرخی بنائی جائے گی)۔

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ جل جلالہ کے سچے عاشقوں کے چہرے زرد پژمردہ اور پیلے ہوتے ہیں۔ یہ زردی انہوں نے اس لیے کمائی ہوتی ہے کہ وہ لقائے الٰہی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ کے نور سے خاص معرفت ہوتی ہے۔ اس حسن لازوال کی اثر و تاثیر عاشقوں کو سدا سوختہ دل اور زرد حسن لازوال کی اثر و تاثیر عاشقوں کو سدا سوختہ دل اور زرد روہی رکھتی ہے۔ اس لیے ایسے صادق عاشقوں سے بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے چہروں کی یہ زردی چونکہ اللہ کے نور سے متعارف ہے' اس لیے اس زردی کو جنت کی حوروں کے رخساروں کی سرخی کے طور پر زینت دے کر سجایا جائے گا۔

(۸)

حور عین ' خال سیہ زد برزخ از رنگ بلال

از حبش بنگر چہ خوش مشاطہ کردہ ظہور

(حسین اور موٹی آنکھوں والی حور نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سیاہ رنگ سے چہرے پر تل بنایا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ حبش سے کتنی اچھی اور باہنر مشاطہ کا ظہور ہوا ہے)۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی غلام تھے لیکن عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت انہوں نے یہ رتبہ پایا کہ اکثر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی انہیں سیدنا کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ مسجد نبوی کے موذن خاص تھے۔ ان کی شان کو فضیلت بخشتے ہوئے شاعر نے ان کے سیاہ فام ہونے کو اس لیے نہایت اہم اور وقیع و معتبر کہا ہے کہ جنت کی موٹی اور حسین آنکھوں والی حوروں کو مزید حسین و جمیل بنانے کی خاطر اور ان کی رعنائی کو چار چاند لگانے کے لیے ان کے رخساروں پر جو سیاہ تل بتایا گیا ہے، وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی کی سیاہ رنگت سے لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ذرا خوش ذوق مشاطہ کی مشاطگی ملاحظہ ہو کہ وہ حسن حور کو دوبالا کرنے کی خاطر کیا کیا عظیم سنگھار مادے استعمال کر رہی ہے۔

⟨۹⟩

در تجلی ایں ندا آمد کہ خواہد دیدنم
ہر کہ بر من خاطر خود کرد شب، روز حضور

(تجلی حق کے وقت یہ ندا آئی کہ میرا دیدار تو صرف وہ شخص کر سکتا ہے کہ جس نے میری خاطر رات بھر کی محنت سے حضوری کا دن بنا لیا ہے)۔

جب اللہ تعالیٰ کی تجلی کے وقت غیبی انوار دلوں پر منکشف ہوئے تو اس وقت جناب حق سے یہ ندا بھی سنائی دی کہ اے لوگو! میرے دیدار کا صرف وہی شخص حق دار ہے کہ جو میری محبت میں اپنی سیاہ راتوں کو رو کر اور گریہ وزاری میں گزارتا ہے۔ اسی کے لیے ہمارا لقا ہے جو راتوں کے چراغوں میں اپنے خون جگر کو جلاتا اور یوں وہ دن کو بھی حضوری حق کا دن بنالیتا ہے۔ آہ صبحگاہی اللہ کے حضور میں بے حد مقبول ہوتی ہے۔ اس لیے کہ تضرع کو ذات باری تعالیٰ بے حد پسند اور مقبول فرماتی ہے۔

⟨۱۰⟩

چوں بروں آئی ز دنیا، پیشوا آیم ترا
گویم اے محی خوشی چوں کو فتی زیں راہ دور

(جب تم دنیا کی طلب و چاہت سے نکل آؤ گے تو پھر میں تمہارا پیشوا بن جاؤں گا۔ اس

وقت میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا کہ تم (اے محی الدین بہت لمبا سفر کر کے کیسے اس جگہ پہنچے ہو)۔

دنیا کی محبت اور طلب میں بڑی کشش ہے۔ یہ انسان فانی کے ساتھ ایک حسین ساحرہ کی طرح چمٹی ہوئی ہے۔ اس لیے ترک دنیا اور اہل و عیال سے لاتعلق ہونا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ مومنوں کے لیے دنیا و آخرت دونوں کی خوشگواریاں ہیں (۲:۲۰۱) لیکن جب دنیاوی مفاد اور مفادِ اخروی کا مقابلہ ہو تو اس وقت دنیاوی مفاد ہیچ ہو جاتے ہیں اور وہ بلاشبہ کم اور ادنیٰ دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ''متاعِ دنیا تو قلیل ہے اور اہل تقویٰ کے لیے تو بہت اچھی نعمت آخرت ہے۔'' (۴:۷۷)۔ اس لیے ہی کہا گیا ہے کہ جب تم اس دنیا کی طلب کے احاطہ سے نکل آؤ گے تو پھر کائناتی رہنمائی اور پیشوائی حاصل ہوتی ہے اور اسی وقت پکارا جاتا ہے کہ اے محی الدین! تم بہت طویل سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہو اس لیے تمہارا تو استقبال کیا جانا چاہیے۔

## غزل ۳۹

### ۱

عشق و بدنامی و درد و غم بما شد یار غار

تا محمد ﷺ وار باشد عاشقاں را چار یار

(عشق، بدنامی، درد اور غم یہ چاروں میرے یار غار ہیں ہاں مجھے ان کی ضرورت ہے اور حضرت محمد ﷺ کی طرح عاشقوں کے بھی چار یار تو ہونے چاہئیں)۔

بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح جناب رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کے چار یار یعنی چار نہایت ہی معتمد دوست اور ساتھی۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کریم رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ اسی طرح ولایت عشق میں عاشقوں کے بھی غار یار ہوتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے یہ چاروں یار اجل صحابہ کرام تھے۔ چاروں ہی سچے، پکے اور صادق دوست تھے۔ اگرچہ صرف جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی وہ یار غار تھے کہ جو ہجرت کے شروع میں تین دن تک حضرت نبی کریم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ غار میں رہے تھے۔ لیکن وسیع معانی میں حضور پاک ﷺ کے چاروں یار کو یار غار ہی کا لقب دیا جاتا ہے۔ بہر

صورت جس طرح رسول اللہ ﷺ کے چار یار خاص تھے۔ اسی طرح میدان عشق میں عاشقوں کے چار یار عشق' بدنامی' درد اور غم ہونے چاہئیں۔ یہ چاروں یار اصل میں سچے ساتھی اور راز دار اور غم گسار ہوتے ہیں۔

﴿۲﴾

آرزوئے یار داری یار می گوید بیا
تا کند دلداریئے تو در دل شب ہائے تار

(تو اپنے یار کی آرزو رکھتا ہے تو اس کی طلب میں ہے۔ اور یار تمہیں کہتا ہے آؤ کہ سیاہ راتوں میں تیری دلداری کروں)۔

تو بھی سب لوگوں کی طرح یار کی طلب و آرزو رکھتا ہے۔ تیرا بھی دل چاہتا ہے کہ وصال یار ہو اور ہجر و فراق کی سیاہ راتیں ختم ہوں۔ تیری اس خواہش اور آرزو پر یار تجھ سے کہتا ہے کہ آؤ کہ میں تمہاری دلداری کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اصل حقیقت تو یہی ہے کہ سچے عاشقوں کو وصال کی نہیں مدام ہجر و فراق ہی کی طلب و آرزو ہوتی ہے' کیونکہ وہ جب تک ہجر و فراق میں ہوتے ہیں' ان کی طلب اور جستجو جوان اور بحال رہتی ہے۔ وصال تو ان کے لیے موت کا پیغام ہوتا ہے۔ ویسے بھی سچے عاشقوں کو اپنی تاریک راتیں سجانے کی نہیں آہ سحر گاہی سے راتوں کو طویل تر کرنے ہی میں زندگی اور زندہ رہنے کی توانائی ملتی ہے۔

﴿۳﴾

چشم تر یک نیم شب گو اے خدا در من نگر
پس شما روزے نظر را شصت وسہ صد برشما

(تم آدھی رات کے وقت صرف ایک بار اپنی چشم تر سے اپنے خدا سے درخواست کر کہ مجھ پر نظر ہو۔ پھر تم فریاد نیم شبی کے کرشمے تو دیکھو۔ تو تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ رات دن میں تین سو ساٹھ بار تمہیں محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے)۔

تصوف کی دنیا میں دن رات کے آٹھ پہروں کو تین سو ساٹھ ثانیوں یا لحظوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (اور سال کے بھی تین سو ساٹھ دن ہی شمار ہوتے ہیں) اور اس اعتبار سے سچے

عاشق ایک ثانیہ یا ایک لحظہ بھی اس محبوب حقیقی کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہتے۔ اس حوالے ہی سے بتایا جارہا ہے کہ اے دوست اگر تو راتوں کو گریہ زاری کرنے والا ہے۔ اس رونے دھونے اور گڑگڑانے سے شدت غم کے ساتھ تیری پلکیں بھیگی اور آنکھیں نم رہتی ہیں۔ تو اس کیفیت میں اگر تو ایک بار بھی اپنے حبیب اور محبوب حقانی کو پکارے تو اس کے جواب میں وہ اپنے بندے پر چوبیس گھنٹوں میں تین سو ساٹھ مرتبہ محبت اور شفقت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور بندے سے دریافت کرتا ہے کہ بتا تو کیا مجھ سے چاہتا ہے۔

④

یار گفت بر جاکہ باشی باتوام یادت کنم

از چنیں یارے فراموش کردہ تو یاد دار

(میرے یار نے کہا تم جہاں بھی ہو تیرے ساتھ میں ہوں' اور تجھے میں یاد بھی کرتا ہوں اور اے دوست تو نے اپنے ایسے یار کو بھلا رکھا ہے' کیا مجھے اس بات کی خبر ہے)

اپنے بندے سے اللہ جو مالک و خالق ہے وہ بتا رہا ہے کہ اے میرے دوست میں تو سدا کا تیرے ساتھ ہوں' تو جہاں بھی ہے یا جہاں بھی جاتا ہے تیرے ساتھ میں ہی ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے دوست کے طور پر پکار رہا ہے اور یہ اللہ کی ایک صفت عالی ہے کہ وہ مومنین کا خدا ہوتا ہے' وہی مومنین کا ولی ہے ''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے'' (۲:۲۵۷) یہی نہیں بلکہ وہ پروردگار حقیقی تو اپنے بندوں اور دوستوں کو یاد کرتا رہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ولی اور دوست ہو جانا بندے کے لیے ایک عظیم فضیلت اور شرف انسانیت ہے۔ لیکن اے بندے تو نے تو اپنے اس دوست کو بھلا رکھا ہے۔ کیا یہی تمہارے دوستی اور عاشقی کا معیار ہے کہ تو اس دوست کو یاد نہیں کرتا جو تجھے کبھی فراموش نہیں کرتا۔

⑤

روح تو مرغیست کز نزد خدا آمد بہ تن

بے خدا مرغ خدائے راکجا باشد قرار

(اے بندے! تیری روح ایک پرندہ پنچھی ہے جو تیرے جسم میں اللہ کی طرف سے آئی

ہوئی ہے۔ وہ اسی کی امانت ہے۔ خدا کے اس پرندے کو خدا کے علاوہ کسی اور جگہ کہاں سکون اور قرار میسر آ سکتا ہے)۔

انسانی جسم کے اندر ''روح'' ایک الوہیاتی توانائی ہے جس کی نمود انسانی ذات کی شکل میں ہوتی ہے۔ یہ روح انسانی جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی بلکہ آگے چلتی ہے۔ اس روح کو اللہ نے قرآن مجید میں ''امر ربی میں سے'' بھی قرار دیا ہے۔ ''کہہ دیجئے روح میرے پروردگار کے فرمان سے رواں ہے اور اے انسانو! تمہیں جو دیا گیا ہے وہ تو بہت ہی محدود اور قلیل ہے''۔ (۸۵:۱۷)۔ چونکہ روح کا مستقل ٹھکانہ انسانی جسم ہی نہیں ہے۔ اس لیے وہ اس جسم میں عارضی طور پر رہتی ہے' اسی لیے اس روح کو ایک سیلانی پرندے سے مشابہ قرار دے دیا گیا ہے۔ مسافر پرندے وقتی طور پر رہنے والے مقامات کو جائے سکون نہیں سمجھتے' انہیں سکون اور قرار ان کے اصلی آبائی مقام ہی پر ملتا ہے۔ اسی طرح روح کو بھی ابدی اور امری سکون اس کے پروردگار کے سوا کہیں اور مل ہی نہیں سکتا۔

## ⟨۶⟩

ساقیا زاں مے کہ گفتی می دہم در آخرت
کم نخواہد شد کہ در دنیا کنی جامے نثار

(ساقیا! جس شراب کے بارے میں قیامت کو دینے کا وعدہ ہے۔ وہ وعدہ تو برحق ہے لیکن عمومی طلب زیادہ ہو چکی ہے' اس لیے اس کا ایک جام مجھے اس دنیا میں بھی دے دو۔ اس ایک جام سے یہ کم تو نہیں ہو جائے گی)۔

اس شعر میں پینے والے کے حسن طلب کو خوب شاعرانہ رنگ میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کو اہل جنت کو جو مشروبات ملیں گے وہ سب قیامت کے بعد کے وعدے ہیں۔ لیکن اے ساقی! ہم اس وقت اتنا لمبا انتظار تو ہرگز نہیں کھینچ سکتے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان جاموں میں سے تو ہمیں ایک جام اس دنیا ہی میں پلا دے اور ہمارے اس ایک جام سے تیرے میکدے میں کون سی کمی واقع ہو جائے گی۔ بحوالہ تصوف اس جام سے مراد دیدار الٰہی بھی ہے جس کی تمنا عاشق صادق اس دنیا میں بھی کر رہا ہے۔

⟨۷⟩

کاروانہا در بیابانہا ہلاک انداز عطش

ابر رحمت رابیار و قطرہ چندیں بیار

(اے اللہ! متعدد کاروان بیابانوں میں پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ اے پروردگار! رحمت کے بادل لے آ اور چند قطرے برسا دے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ صحراؤں اور بیابانوں میں تھکے ماندے لوگوں کے کاروان گرمی کی شدت' موسم کے مصائب و آلام' تھکن اور غریب الوطنی کی حالت میں پیاس کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ وہ سرابوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور ریگستانوں کے طوفانوں اور بگولوں کا شکار ہو کر موت کے گھاٹ اتر رہے ہیں۔ پانی کی بوند بوند کو وہ خود اور ان کے نڈھال جانور ترس رہے ہیں۔ اے انسانوں اور تمام جانداروں پر رحم کرنے والے پروردگار عالم! رحمت کے بادلوں میں سے پیاسی سرزمین اور پیاس سے مرتے انسانوں کے لیے بارش کی چند بوندیں برسا دے۔ اس سے اے رحیم و کریم رب! یہ لوگ ایک بار پھر زندہ ہو جائیں گے۔ یہ سب تیری رحمت کے شکر گزار ہوں گے۔

⟨۸⟩

باز دارد شیشہائے مے صراحی ہائے شاہ

اشترے مستے کہ نہ افسار دارد نہ مہار

(بادشاہ نے شراب کے جاموں اور صراحیوں پر پابندی لگا رکھی ہے' لیکن مست اونٹ تو کھلا پھر رہا ہے۔ اس کے پاؤں بھی نہیں بندھے ہوئے اور مہار بھی نہیں ہے)۔

بادشاہ وقت نے شراب نوشی اور میخانوں پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ اس طرح شیشے کے حسین جام' بلوریں گلاس' کاسۂ دہاقا (چھلکتے ہوئے جام) سب غائب ہو گئے ہیں۔ اسی طرح مے کے بڑے ظروف صراحیاں' صراحیوں کی لمبی گردنیں' سرخ شرابوں کے شیشوں اور ان سب کی قلقل بھی ختم ہو گئی ہے۔ ساقی کی ناز برداریاں' عشوہ طرازیاں اور ادائیں بھی سب قصہ پارینہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ لیکن اس ساری صورت حال کے باوجود بھی مست شتر اسی طرح

اپنی مستیوں میں بڑی آزادی اور بے نیازی کے ساتھ پھر رہے ہیں۔ ان کے پاؤں بھی بندھے ہوئے نہیں اور وہ بے مہار بھی ہیں۔ یہاں اس شعر میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ عاشقان دل گرفتہ پر پابندی اور قدغن لگا رکھی ہے جبکہ معشوقان جہاں سب آزاد، بے پردہ اور بے نیاز ہیں۔

(۹)

خاک آدم راکہ تو تسخیرمی کر دی ہنوز

کوفتادہ، برسر مستان، حضرت ایں خمار

(اے خدا تو نے آدم کی خاک کو جو مسخر کیا تھا۔ اسے وعدہ الست کا پابند بنایا تھا۔ آپ کی درگاہ کے مستوں پر ابھی تک اسی کا نشہ موجود ہے)۔

اس شعر میں یوم الست کی جانب اشارہ ہے کہ جب انسان تو جسمانی طور پر وجود خاکی میں مجسم نہیں ہوا تھا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب روحوں کو جمع کر کے یہ پوچھا تھا کہ ''الست بربکم'' یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اس پر روحوں نے جواب میں کہا تھا ''بلیٰ'' یعنی کیوں نہیں تو ہی ہمارا رب ہے۔ گویا اس دن کو روز میثاق یعنی پروردگار کی الوہیت پر قول و قرار کا دن بھی کہا جاتا ہے۔ اس دن گویا تمام روحوں کو دیدار الٰہی ہوا اور سب کی سب مسخر ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس دن کی شکست و ریخت ایسی تھی کہ آج تک اس کا نشہ اور خمار عاشقاں حقہ پر موجود ہے۔ آج تک اسی دیدار حق کے نشہ میں سب مستان حق سرشار ہیں، ان کے رگ و پے میں آج بھی اس نشے کی لہریں اور ہلکورے موجود ہیں۔

(۱۰)

شاہ می گوید مرا کہ حاضر قندیل باش

عاشق مجنوں و مستم آہ دست از من بدار

(بادشاہ کا حکم ہے کہ میں قندیل کے پاس رہوں، چونکہ میں عاشق مجنوں اور مست بھی ہوں، اس لیے اے میرے خدا مجھ سے یہ پابندی اٹھا لے)

اس شعر میں بادشاہ سے مراد سب بادشاہوں کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے اور قندیل کو ہم دنیا

سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا چکا چوند بھی اور رنگ و آہنگ اور رنگینیوں سے بھری ہوئی بھی ہے۔ اس میں تمام دنیاوی حسن بھی ہے اور رعنائیاں بھی ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس دنیا میں بھیجا ہوا ہے۔ میں اس شمع جہاں کے پاس حاضر بھی ہوں اور اس کی روشنی سے مستفید و مستنیر بھی ہو رہا ہوں' لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر مسلمہ ہے کہ میں مجنوں کی طرح کا سر پھرا ہوا دیوانہ اور بے سُدھ قسم کا عاشق ہوں۔ میں صرف دیوانہ مجنوں ہی نہیں ہوں بلکہ مست الست بھی ہوں' میں یہاں پر کس وقت تک خاموش اور پابند پہلوئے شمع رہ سکتا ہوں۔ اے میرے پروردگار تو نے مجھے اس امتحان اور آزمائش میں کیوں ڈال رکھا ہے۔

۱۱

برسر ہر موئے مشتاقاں' زبان دیگر است

از پے دیدار تو بیتاب در لیل ونہار

(مشتاقان دید کا ہر سر مو ایک زبان بن چکا ہے اور زبان نہیں بلکہ انسان بن چکا ہے اور اب وہ تیرے دیدار کے لیے دن رات بے تاب ہے)۔

اے میرے محبوب حق اور میرے جسم و جان کے مالک! یہ تیرے عاشق اور مشتاقان دیدار ولقا کب تک ہجر و فراق کے یہ صدمات برداشت کرتے رہیں گے۔ میرا سراپا اور اس کا ذرہ ذرہ سب تیری دید کے لیے تڑپ رہا ہے۔ میرے جسم کے ہر بال اور ہر روئیں نے ایک ایک زبان کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ او ہر زبان تیرے دیدار کے لیے فریاد اور التجا کر رہی ہے میں تو محسوس کر رہا ہوں کہ اسی طلب وفریاد دیدار ہی میں میری صدیاں بیتی جا رہی ہیں۔

۱۲

در دل شبہا بگریم' گویم آں دلدار را

یا دلے دہ یادل کز بے دلاں بردی بیار

(میں تاریک راتوں میں روتا ہوں۔ آہ وگریہ زاری کرتا ہوں۔ اور اپنے دلدار سے کہتا ہوں' یا جواب میں ہمیں اپنا دل بھی دو یا ہمارا دل بھی واپس کر دو)۔

اس شعر میں بھی عاشق زار کی بیتابیاں ہی بیان کی گئی ہیں۔ عاشق بے چارہ دل دے کر نہ زندوں میں رہتا ہے اور نہ مرنا ہی اس کے بس میں ہوتا ہے۔ اپنے حبیب کے سامنے اسے اپنے مصائب و آلام لے جانے کا بھی یارا اور حوصلہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے بس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ تو ضرور کرتا ہے۔ اس کے بس میں صرف راتوں کی تاریکی میں رونا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ خوب روتے ہیں اور رو رو کر اپنے محبوب سے صرف یہ یاد دہانی کراتے ہیں کہ ہمیں ہمارا دل واپس کر دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہمیں جواباً اپنا دل دے دیں۔

﴿۱۳﴾

گر رسم روزے بدوزخ قصہ خود گومش

تا بگرید برمن بے چارہ آتش زار زار

(اگر کسی روز میں دوزخ میں گیا تو میں اپنے دل کا قصہ اس دوزخ سے کہوں گا تا کہ مجھ بے چارے کی حالت پر آتش دوزخ زار زار رونے لگے)۔

عاشق زار کی حالت بڑی ہی عجیب ہوتی ہے۔ وہ سوختہ دل اور جگر چھلنی والا ہوتا ہے۔ اس کی آہ وزاری میں بھی آگ کے شعلے اور حدت کی لپٹیں ہوتی ہیں۔ اس کی سانسیں بھی جلانے کا موجب بن جاتی ہیں۔ وہ سراپا درد و غم و الم اور انتظار میں انگارہ بن چکا ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ہر آگ ہیچ ہوتی ہے۔ اسی لیے ایک عاشق اپنی اس حالت میں کسی روز دوزخ میں خود جا کر اپنے عشق کا حال کہنا چاہتا ہے تا کہ عشق حبیب میں اس قدر جلنا مرنا سن کر دوزخ کی آگ بھی ششدر رہ جائے اور عاشق کی زیادہ الم ناک آگ کو دیکھ کر وہ بھی زار زار رونے لگے۔ یا اسے بھی اپنی آگ زیادہ الیم محسوس نہ ہو۔

﴿۱۴﴾

تا قیامت محی خواہد خواند ایں ابیات را

خلق عالم ہم بہ پائے من روند ہم پائیدار

(محی الدین تا قیامت ان ابیات کو پڑھے گا۔ یہ مواعظ کہے گا لوگ اس پر توجہ دیں گے۔ اور خلق عالم میرے ہم قدم چلے گی اور پختہ یقین اور ارادے کے ساتھ میری راہ کو اختیار

کرے گی)۔

شیخ محی الدین غوث الاعظم خود اپنے اشعار اور ابیات کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میرے ان اشعار کو تا قیامت تک خلق خدا بھی میرے ہی طرح پڑھتی رہے گی۔ میں نے اپنے اشعار میں جو حق کی راہیں خلق عالم کو سوجھائی ہیں' لوگ ان راہوں پر باآسانی چل سکیں گے۔ شعرمحی الدین کو خود ان کا پڑھنا یہی ہے کہ لوگ ان کے ابیات کو پڑھتے رہیں گے جب تک یہ ابیات زندہ رہیں گے۔ بحوالہ شاعری او رابیات بھی محی الدین زندہ رہیں گے اور لوگ بڑی چاہت' استقامت اور خوشی کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلنا باعث فخر و عزت سمجھیں گے۔

## غزل ۱۴۰

(۱)

طبلِ قیامت بکوفت آں ملکِ نفخ صور

کاتب دستور ماست مالک یوم النشور

(صور پھونکنے والے فرشتے نے طبل قیامت بجادیا ہے اور ہاں یہ سچ ہے جس نے ہماری قسمت لکھی ہے وہی یوم قیامت کا مالک ہے)۔

اسرافیل فرشتہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے صور پھونکنے پر مامور ہے۔ اس نے ہیبت ناک آواز والا اور کلیجوں کو پھاڑ دینے والا قیامت کا نقارہ بجادیا ہے۔ اس طرح اب سب لوگوں کا حشر نشر ہونے والا ہے۔ دنیا میں جس نے جو کچھ کمایا ہوگا وہ اس کے نامہ اعمال کی صورت میں اس کے سامنے آجائے گا۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہوگا۔ شاید ایک عاشق حق ہے جو یہ کہہ رہا ہے کہ میری تقدیر کو جس نے لکھا اور بنایا ہے' اس یوم النشور کا وہی تو مالک ہے۔ اس نے میری تقدیر میں جو کچھ عشق و مستی لکھ دی تھی میں تو عمر بھر اسی میں جکڑا رہا۔ اس تقدیر سے انحراف کرِنا نہ ممکن تھا اور نہ وہ میرے بس اور اختیار میں تھا۔

(۲)

سر زلحد برکنیم خیمہ بہ محشر زدیم
بے خدا اندر لحد چند بہ باشم صبور

(ہم قبر میں سے سر کو نکال کر اور باہر آ کر میدان محشر میں خیمہ گاڑ دیں گے۔ قبر کے اندر ہم اس کے دیدار کے بغیر کب تک صبر کریں)۔

عاشق ذات الٰہی ہنگامہ محشر کے حوالے سے بتاتا ہے کہ جب اسرافیل دوسری بار صور پھونکے گا تو سب لوگ اللہ کے حکم کے ساتھ زندہ ہو کر اپنی اپنی قبروں میں سے نکل آئیں گے۔ تو اس وقت ہم بھی قبر میں سے سر نکالتے ہی محشر میں خیمہ گاڑ دیں گے۔ یہاں پر اگرچہ سب لوگوں کو حساب کتاب کے لیے زندہ کیا گیا ہوگا' لیکن عاشق صادق کو اس حساب کتاب کی کوئی فکر لاحق نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ تو پھر ایک استقامت کے ساتھ میدان حشر میں اپنا خیمہ گاڑ دے گا اور بڑی ہی بے صبری کے ساتھ اب وہ قبر سے نکل کر خیمے کے اندر انتظار میں پڑ جائے گا کہ اس کا حبیب کب اسے اپنا دیدار کراتا ہے۔ قبر کی طرح یہاں میدان حشر میں بھی انتظار کھینچنا اس کے لیے دوبھر ہوگا۔

(۳)

از سر شوق و نشاط پائے بنہم بر صراط
تاز دم گرم ما گرم شود آں نشور

(اے لوگو! ہمیں کوئی ڈر خوف اور خدشہ نہیں ہے۔ اس لیے ہم بے خطر از سر شوق و نشاط پل صراط پر قدم رکھیں گے تاکہ ہماری گرم سانسوں کی حرارت سے میدان نشور گرم ہو جائے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ وہ پل صراط جو دوزخ کے اوپر ہے۔ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اس پر سے بروز قیامت ہر نیک و بد کو گزرنا ہوگا۔ نیک بندے اس پر سے گزر کر بہشت میں چلے جائیں گے اور بد لوگ کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔ اس پل صراط پر سے ہم تو بڑے شوق اور خوشی کے ساتھ قدم رکھیں گے۔ اکثر لوگ اس پل صراط کے

تصور ہی سے مر مر جائیں گے۔ بہر صورت اس پل پر ہم تو اس نیت کے ساتھ پاؤں رکھیں گے تا کہ ہماری سانسوں کی حدت اور گرمی سے میدان محشر میں گرمی پیدا ہو اور ہمیں ہمارے محبوب حقیقی کا دیدار جلد از جلد حاصل ہو۔

(۴)

اے کہ ندادی تو مال' در طلب آں جمال
مابہ تو بگذاشتیم دیدن دیدار حور

(اے زاہدو! طلب حسن و جمال حق کے لیے تم نے وہ مال خاص یعنی دل نہ دیا جس کے دینے کی ضرورت تھی۔ اس لیے اب تمہارے لیے ہم نے صرف دیدار حور ہی رکھا ہوا ہے)۔

حور و قصور کی طلب کرنے والے عامی لوگ ہوتے ہیں۔ وہ تو نرے زاہد خشک ہو کر رہ جاتے ہیں۔ خوب پرہیز گار' تھوڑے پر قناعت کرنے والے اور عبادت گزار ہوتے ہیں۔ وہ ظاہری احکام پر تو خوب عمل کرتے ہیں مگر محبت و عشق الٰہی کی قدر و قیمت سے ناواقف ہی رہتے ہیں۔ اس لیے ان زاہدوں کے لیے جنت اور جنت کی ساری رنگینیاں ہی رکھی گئی ہیں' ان کے لیے تو دیدار حور ہی سب کچھ ہوگا۔ اگر وہ بھی سچے عاشقوں کی طرح اپنی متاع دل کو حضور حق میں پیش کرتے تو وہ بھی حق دار دیدار حق ہوتے۔

(۵)

مست خدائیم ما کے' بخود آئیم ما
ساقی ماچوں خداست' بادہ شراب طہور

(ہم تو خدا کے مست ہیں۔ ہم اپنے آپ میں کیسے آئیں؟ ہماری یہ مستی ازلی اور امری ہے۔ اس پر ہمارا بس نہیں ہے۔ ہمارا ساقی تو خود خدا ہے اور ہماری مے شراب طہور ہے)۔

اے لوگو! ہم تو اپنے پروردگار کے مست اور متوالے ہیں۔ ہماری مدہوشی معمولی اور ہماری بے خودی عام سی نہیں ہے۔ ہم ایسے نشے میں ہیں کہ ہمارا ہوش میں آنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اے دنیا دار لوگو! اے زاہدان خشک! اس حقیقت کو تم جان لو کہ ہمارا ساقی تو خود ہمارا

محبوب خود ہی ہے اور اس نے ہمیں جو مے پلائی وہ شراب طہور ہے۔ خدا کے خود ساقی ہونے اور شراب طہور پلانے کے حوالے سے قرآن مجید میں یوں آیا ہے کہ: ''اور انہیں اعتراف خدمت کے طور پر پروردگار پاک شراب پلائے گا۔'' (۷۶:۲۱)۔ گویا یہ انہیں مزید پاکی بخشنے والا مشروب ملے گا۔

(۶)

وقت تجلی ازو دیدهٔ بینا بجوئے

او چوں نماید جمال چشم تر از اوست نور

(اے نیک دل بندے! اپنے اللہ سے تجلی کے وقت کے لیے دیدہ بینا مانگ لو۔ کیونکہ جب وہ حسن و جمال دکھاتا ہے تو چشم تر کے اشک ہی اس وقت بصیرت کا نور بنتے ہیں)۔

اے بندہ ناداں! تو اس اللہ جل جلالہٗ عم نوالہ وعز برہانہٗ کی تجلی کو دیکھنے کے لیے اپنے اللہ سے ایسی چشم بینا مانگ لے جو غیب کا حال جاننے والی ہو جو دل پر غیبی انوار کے انکشاف کو بخوبی دیکھ لے۔ اس میں اللہ اور غیر اللہ میں امتیاز کرنے کا مادہ اور بصیرت ہو۔ اے نامحرم! اللہ تعالیٰ کو اور اس کے لازوال حسن جمال کو دیکھنے کے لیے چشم تر کے اشک ہی نور بصیرت کا کام دیتے ہیں۔ انہی اشکوں ہی سے پھر بندہ حق بہ تائید ایزدی سب کچھ دیکھتا ہے۔

(۷)

نور نماید در نظر زانکه تجلی حق

باتو کند آنچہ کرد باحجر کوه طور

(تجھے نور اس لیے نظر نہیں آتا ہے (کہ تیری ناطاقتی کے باعث) تجلی حق تیرے ساتھ وہی سلوک کرے گی جو کوہ طور کے پتھروں کے ساتھ کیا تھا)۔

اللہ کا نور دنیا جہاں کو منور کرنے والا نور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو نور السموات والارض ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ نور بھی ہر شخص کو دکھائی نہیں دیتا۔ اس نور کو دیکھنے کے لیے بھی قلبی بصیرت ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر تجلی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلووں کا اظہار ہوتا ہے اس میں غیبی انوار عشاق کے دلوں پر منکشف ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور کو

دیکھنے سے عاری رہتے ہیں' وہ تجلی کی تاب نہیں لا سکتے۔ تجلی تو وہ جلوہ اور اللہ نور السموات والارض کی نورانی جھلک ہوتی ہے جسے برداشت کرنا ہر شخص کے بس میں نہیں ہوتا۔ جو لوگ اس تجلی کے متحمل نہیں ہوتے' ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تجلی وہی سلوک کرتی ہے جو کوہ طور پر تجلی حق نے اس پہاڑ کے پتھروں کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی انہیں جلا کر رکھ دیا تھا۔

(۸)

ہر کہ بہ نزدیک اوست دولت جاوید یافت

روئے سعادت ندید آنکہ ازو ماند دور

(جو اس کے نزدیک ہوا اس نے ''دولت جاوید'' پالی۔ وہ قرب کی دولت بہت بڑی نعمت ہے۔ اور جو اس سے دور رہا وہ سعادت اور نیک بختی کو نہ دیکھ پایا)۔

اس شعر میں تقرب الٰہی کا ذکر موجود ہے۔ اس قرب سے مراد یہ ہے کہ اسماء وصفات کے اعتبار سے بندہ علم ومعرفت میں مستحکم ہو جائے' یوں کوئی بھی چیز اس کے مقصود سے اسے دور نہ کر سکتی ہو' اس اعتبار سے بندہ حق کو جو قرب یعنی منزل اور مرتبہ میسر آتا ہے' وہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ایسا ہی قرب الٰہی بندہ خدا کے لیے ایک طرح کی دولت جاوید' یعنی ہمیشہ اور سدا حاصل رہنے والی دولت ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو بدقسمتی سے اپنے اللہ سے دور ہوتے ہیں وہ تو گویا ہر طرح کی سعادت' خوش بختی اور نیک اندیشی سے بہت دور رہ جاتے ہیں' ان کے لیے قرب خداوندی حاصل کرنا ایک امر محال ہو جاتا ہے اور یوں ادبار و آلام ہی انہیں گھیر لیتے ہیں۔

(۹)

مژدہ وصل خدا گر بہ لحد بشنویم

زندہ شود جان و تن پیشتر از نفخ صور

(اگر ہم لحد میں بھی وصل حق کی نوید سنیں گے تو اس خوشخبری سے قبر کے اندر ہی ہماری جان اور تن نفخ صور سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے)۔

از روئے قرآن وحدیث ہر ذی روح کو قیامت سے پہلے ایک بار مرنا ہوگا اور پھر وہ

جب دوسری بار نفخ صور ہوگا تو وہ دوبارہ جی اٹھے گا۔ اصل حقیقت اور صورت تو یہی ہے۔ لیکن سچے عاشقوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر قیامت سے پہلے ہی قبر کے اندر بھی انہیں وصال خداوندی کی خوش خبری سنادی جائے تو وہ اس نوید خوش کن پر قبروں کے اندر ہی صور اسرافیل پھونکے جانے سے پہلے ہی زندہ و پائندہ ہو جائیں گے۔ انہیں صور اسرافیل کی پابندی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ ان کے لیے کوئی قاعدہ قانون قدغن کا موجب نہیں بنے گا۔ گویا یہ عشاق حقہ کا اعزاز و امتیاز ہوگا۔

(۱۰)

حور چوں آرا کنند روبسوئے ما کنند
چشم نگہدار ازاں دوست بودبس غیور

(جب زیب و زینت والی حور ہماری طرف منہ کرے گی۔ تو اس وقت ہم اپنی نگاہیں نیچی رکھیں گے کیونکہ دوست بہت ہی غیور ہے)۔

عشاق گرامی سے یہ بتایا جارہا ہے۔ اے دوستو! جب جنت میں تمہارے سامنے جنت کی آراستہ و پیراستہ اور زینت و زیبائش سے بھرپور' اپنی خوش اداؤں اور عشوہ نازیوں کے جلو میں حوریں آئیں تو اس وقت بھی تمہیں صبر و استقامت اور یار کے ادب و اداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے' اس وقت بھی اگر کوئی عاشق اپنے یار کی موجودگی میں حوروں وغیرہ کو دیکھے گا تو اس سے محبوب حقیقی کو لاج آنے کا احتمال ہے کیونکہ وہ بڑا ہی غیور ہے۔ اس لیے بھی نہایت احتیاط و حزم کی ضرورت ہے۔

(۱۱)

مست تو قصر بہشت کردہ بہ زیرو زیر
ورنہ کند زانکہ نیست ہستی او بے قصور

(تیرے مست تو بہشت کے قصور کو زیروزبر کردیں گے۔ وہ سب تہس نہس کردیں گے۔ کیونکہ یہ ان کا مقصود نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ کیا تو سمجھنا چاہیے ان کی ہستی بے قصور نہیں ہے)۔

جو صحیح اور عاشقان صادق اور سچے مست حق ہوں گے' ان کی نظر میں جنت کے

عالیشان اور آسودگی بخش قصور اور محلات کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ وہ جنت میں محلات اور حور و قصور کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ ان کا اول و آخر مدعا و منشا تو صرف اور صرف دیدار حق ہی ہے۔ اس لیے وہ ان محلات اور قصور کو اس مقصد کی راہ میں رکاوٹ محسوس کریں گے۔ اس لیے وہ ان کو زیروزبر اور تہس نہس کر کے ہی دم لیں گے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ عشاق خام کار ہیں اور وہ بے قصور نہیں ہیں۔

﴿۱۲﴾

گرچہ تو قصر بہشت کردہ عنبر سرشت
از جگر سوختہ می برم آنجا بخور

(اے اللہ! اگر تو نے بہشت کے محلات وقصرات کو عنبر سے معطر کر رکھا ہے تو یہ تیرا نظام مشام ہے لیکن اس جگہ ہم بھی اپنے جگر سوختہ کو جلا کر لوبان اور عود کی خوشبوؤں کا سماں پیدا کریں گے)۔

مختلف احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں اور متعدد اور لاتعداد نعمتوں اور رنگینیوں کے ساتھ ساتھ ہوائیں اور فضائیں بھی خوشبوؤں سے مہک رہی ہوں گے۔ یہ جنتی خوشبوئیں سینکڑوں ہزاروں میلوں سے اپنی عطر بیزی کا اظہار کرنا شروع کر دیں گی۔ اسی طرح جنت کے جو خوب صورت زمرد اور مروارید اور دیگر بیش قیمت موتیوں سے بنے ہوئے محلات ہوں گے، وہ بھی اندر اور باہر سے من پسند خوشبوؤں میں رچے بسے ہوں گے۔ یہ سب خوشبوئیں دل خوش کن، راحت بخش، جانفزا اور خوشیوں اور مسرتوں میں اضافہ کرنے والی ہوں گی۔ وہاں پر عاشق لوگ بھی اپنے جلے ہوئے جگر کو جلا کر عود و لوبان کی خوشبوؤں سے اور معطر باس کا سماں پیدا کریں گے۔

﴿۱۳﴾

می کنم من بہر دوست ہر نفسے ماتمے
محی ماتم زدہ کے کند اے دوست شور

(میں اپنے دوست کے لیے ہر لمحہ ماتم کرتا ہوں۔ اس کے غم والم سے نڈھال ہو چکا

ہوں۔ اے محی الدین' ماتم زدہ شخص بھلا شور وشغب کرتا ہے!)

عاشق کی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے معشوق اور محبوب کے لیے ہر سانس پر اور ہر لحہ ماتم کرتا رہتا ہے۔ یوں وہ ہمہ وقت نالہ وفریاد کرتا اور سر وسینہ کو پیٹتا رہتا ہے۔ اسے اس کے اسی عمل سے صبر وسکون میسر آتا ہے۔ گریہ وزاری ہی اصل میں تو آئین عاشقی ہوتی ہے۔ عاشق ہر عہد اور ہر مرحلے پر ماتم کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس نالہ وفریاد' نوحہ گری اور سوگ و شیون میں فریاد اور واویلا بھی ہوتا ہے۔ عاشقان حقہ انہی مصروفیات میں جیتے ہیں' چونکہ یہ سب کچھ گریہ وزاری ان کی اختیاری اور وارد کی ہوئی نہیں ہوتی' اس لیے انہیں اس کی خبر ہی نہیں' اسی لیے تو کہا جارہا ہے کہ ماتم زدہ شخص کب شور اور واویلا کرتا ہے۔ اس کے بجائے وہ تو خاموش رہتا ہے۔ لیکن ہر لحہ ماتم کناں رہنا عاشقوں کی امتیازی علامت اور وصف عاشقی ہے۔

## غزل ۱۴۱

### ①

اے ذکر ترا در دل ہر دم اثرے دیگر
وے از تو بملک جاں دارم خبرے دیگر

(اے میرے محبوب! میرے اللہ! تیرا ذکر دل میں ہر سانس پر نیا اثر کرتا ہے اور مجھے تیرے بارے میں نئی خبریں بہم پہنچاتا ہے)۔

اے میرے حبیب' اے میرے پروردگار! میں جب جب تیرا ذکر کرتا ہوں اس سے میرے دل پر نئے سے نیا اثر ہوتا اور میری کیفیات ہی بدلتی رہتی ہیں۔ ذکر سے انسانی ذات میں جو تغیر وتبدل ہوتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ارشاد موجود ہے کہ "ان کے دل اللہ کے ذکر سے خدا ترسی سے لبریز ہو جاتے ہیں۔" (۳۵:۲۲)۔ اور یوں بھی کہ "اللہ کے ذکر سے ان کے دل اس صاحب جلال و جبروت ذات کی عظمت کے تصور سے لرز اٹھتے ہیں۔" (۳:۸)۔ اللہ کے اس ذکر سے بندے پر اللہ کے بارے میں بھی نئی سے نئی بات کا علم ہوتا ہے' کیونکہ "وہ خداوند قدوس' ہر آن نئی شان میں جلوہ گر ہے۔" (۲۹:۵۵) اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ نئی آن بان اور شان عالم روحانی میں بھی ہوتی ہے اور عالم رنگ و بو میں بھی۔

۲

از تیر ملامتہا داریم دل مجروح
جز لطف تو مارا نیست واللہ سرے دیگر

(اے میرے پروردگار! ملامت کے تیروں سے ہمارا دل مجروح ہے' واللہ آپ کے لطف وکرم کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے)۔

اے ہمارے محبوب حق' اے دلوں کو سکون بخشنے والے پروردگار' لوگوں اور ناسمجھ دنیا کی ملامتوں' لعنتوں اور سرزنشوں کے تیروں سے ہمارا دل چھلنی ہو چکا ہے۔ اس سے ہر طرف زخم ہی زخم ہیں۔ اس درد والم کے عذاب کو ہم بڑی خاموشی اور صبر کے ساتھ برداشت کر رہے ہیں۔ اس صورت حال میں اے خدا اگر ہمیں تیرے الطاف و اکرام' مہربانیوں اور عنایات فراواں کا سہارا نہ ہو تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ تیرے لطف وکرم ہی سے ہم مجروح دل کے ساتھ زندہ ہیں جبکہ دنیا والے تو ہمیں لعن طعن کے تیروں سے گھائل کرتے رہتے ہیں۔

۳

سلطان جمال تو تا جلوہ دہد خود را
برساختہ از بر دل آئینہ گرے دیگر

(اے بندہ خدا! تیرا مقام عالی ہے۔ تیرے جمال کے بادشاہ نے اپنا جلوہ دکھانے کے لیے آئینہ دل کی خاطر ایک خاص آئینہ گر کو متعین کیا ہے)۔

ہر طرح کا حسن و جمال اس اللہ الجمیل ہی کی طرف سے ہے اور وہی ہر حسن و جمال کا مرکز اور منبع ہے۔ اس اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی حسن اور جمال ہی ہے اور اس پروردگار کے تمام اسما اور صفات حسن وخوبی والے ہیں۔ اللہ کے سب اسماء الحسنٰی اچھے' احسن اور حسین تر ہیں بلکہ ''جتنے بھی اسمائے حسنہ ہیں یعنی حسین وجمیل نام ہیں۔ سب اسی اللہ ہی کے ہیں۔'' (۱۷:۱۱۰)۔ اس لیے شاعر بتاتا ہے کہ اسی سلطان جمال نے اپنا حسن و جمال دکھانے کی خاطر کئی ذرائع اور صورتیں اختیار کر رکھی ہیں۔ وہ اپنے حسن و جمال کا اظہار براہ راست بھی کرتا رہتا ہے اور اپنی مخلوقات اور تخلیقات کے ذریعے سے بھی کرتا رہتا ہے۔ یوں ہر آن اس کا نیا

سے نیا حسن و جمال سامنے آتا رہتا ہے۔

۴

ہر معرکہ محشر آہے بہ زند عاشق
ہر دم اگرش شخصے بیند نظرے دیگر.

(ہنگامہ محشر میں عشاق اس وقت آہ و بکا کرنے لگیں گے جب کسی اور کی نظریں ان کے محبوب کو دیکھیں گی)۔

ہر عاشق کی یہ فطری خصلت ہوتی ہیں کہ وہ اپنے محبوب اور معشوق کو بلا شرکت غیرے صرف اور صرف اپنی ہی ملکیت اور اپنے ہی لیے مخصوص سمجھتا ہے۔ مگر وہ محبوب حقیقی اور سب کا حبیب پروردگار تو کسی ایک شخص کا خدا نہیں ہے وہ سب کا خالق و مالک ہے۔ لیکن جب معرکہ محشر میں یہ دیکھیں گے کہ ان کے محبوب کی جانب دوسرے لوگ بھی دیکھ رہے ہیں وہ جذبہ رقابت میں آہ و بکا اور واویلا کرنا شروع کر دیں گے۔

۵

آں مے کہ بما دادی روز الست اے دوست
لطفے کن و مارا دہ جامے قدرے دیگر

(اے دوست! تو نے جو مے ہمیں روز الست دی تھی۔ از راہ الطاف اسی میں سے تھوڑا سا ایک جام ہمیں پھر عطا کر دے)۔

روز الست جب روحوں سے وعدوں لیا گیا' اس روز اللہ جل جلالہٗ عم نوالہ وعز برہانہ نے روحوں سے براہ راست مکالمہ کیا۔ اس وقت روحوں کو جو انبساط و اہتزاز حاصل ہوئی' جمال وصوت محبوب سے انہیں براہ راست فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اس ملاقات اور مکالمے اور تجلیات الٰہی سے روحوں پر ایک خاص مستی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ سب پر ایک مدہوشی اور سرشاری چھا گئی۔ عاشق ارواح کے لیے وہ جلوے اور تجلیاں اپنے اثر و تاثیر میں شراب طہور سے افضل اور بہتر تھیں۔ اسی لیے عاشق زار پھر اپنے دوست سے یہ درخواست کر رہا ہے کہ وہی روز الست والا شراب کا صرف ایک جام اور عطا ہو جائے تا کہ اس سے وہ دوبارہ

دنیا اور آخرت تک مدہوش و مست ہو سکے۔

(۶)

در خدمت حق گر تو مردانہ کمر بندی
بخشد بہ تو ہر لحظہ تاج و کمرے دیگر

(اگر تو خدمت حق میں مردانہ وار کمر بندی کر لے۔ تو پھر وہ اللہ تجھے ہر لحظہ نیا تاج اور نئی کمر عطا کرتا رہے گا)۔

حق کی خدمت کرنے سے مراد ہے اطاعت حق کرنا اور حق کی اطاعت کرنا بھی دراصل انسان کے اپنے ہی مفاد اور بھلائی میں ہے کیونکہ جو اتباع خداوندی میں رہتا ہے وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا اور مشقتوں سے بھی بچا رہتا ہے۔ اور اسی ضمن میں یوں بھی ارشاد باری ہے کہ "جس نے اطاعت کی وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا۔" (۳۳:۷۱) گویا حق کی خدمت اطاعت واتباع حق ہی ہے۔ اس لیے جو اللہ کے اس کام میں لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ بحوالہ انسان صرف اطاعت ہی مقبولیت کہلاتی ہے۔ اگر کوئی خدمت حق میں لگا رہے گا اللہ اسے بدستور استقامت اور استحکام بخش دیتا ہے۔

(۷)

در خانہ بے روزن، یعنی لحد تاریک
بر جان تو خواہد تافت شمس و ترے دیگر

(اے بندے اگر تو حق کی خدمت کرنے والا ہے حق کا طلب گار اور حق شناس ہے تو تاریک قبر کے اندر بھی تیرے لیے نور حق کا نیا چاند اور نیا سورج چمکے گا)۔

اس حقیقت میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں ہے کہ "وہ بندے جو صحیح بات کا اتباع کرتے ہیں ان کے لیے اللہ کے ہاں بشارت ہے۔" (۳۹:۱۷)۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یوں بھی وعدہ ہے کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔" (۳:۱۸۲)۔ اور اسی طرح یوں بھی ارشاد باری ہے کہ "پس تو میرے بندگان برگزیدہ میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔" (۸۹:۲۹۔۳۱) اس لیے وہ لوگ جو اتباع حق میں ہوں گے اللہ تعالیٰ

ان کی تنگ و تاریک قبروں کو بھی اپنے انوار کے شمس و قمر سے منور رکھے گا۔

۸

یارب تو بہ مشت خاک از بسکہ نظر کردی
پیدا شدہ جان و دل از رہگورے دیگر

(اے اللہ! تو اس مشت خاک انسان پر ضرور خاص نظر کرم فرماتا ہے اسی باعث ہر لحظہ کوئی نہ کوئی صاحب نظر ضرور پیدا ہوتا ہے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ انسانوں کے ساتھ خاص محبت اور خاص وابستگی ہے کہ اللہ انسانوں کو کبھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ نے تو اس مشت خاکی بنی آدم کو خاص وقار عظمت اور احترام بخش رکھا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر بستی کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ ان رسولوں سے بڑا اور کون صاحب نظر ہو سکتا ہے۔ رسولوں کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد مومنین اور اولیاء اللہ خدا کے ولی ہوتے ہیں اور مومنین جس قدر صاحب نظر' فکر و خرد کے مالک اور عقل و دانش والے ہوتے ہیں' ان کا تو کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی مومنین کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ: ''اور جب انہیں آیات الٰہی کا درس موعظت دیا جاتا ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ سمع و بصر کی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان پر غور کرتے ہیں۔)'' (۲۵:۷۳)

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''مومن کی فراست سے ڈرو''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صاحب نظر اور اہل فکر اصحاب سے خالی نہیں رکھتا بلکہ ہر لحظہ نیا سے نیا صاحب نظر پیدا کرتا رہتا ہے۔

۹

قربان شدہ جان و دل از رہگذر عشقت
عشرت نتواں کردن از رہگورے دیگر

(اے محبوب! تیرے عشق کی راہ اختیار کر کے میں نے جان و دل قربان کر رکھا ہے۔ میرے پاس یہی کچھ تھا۔ اس لیے اب کسی اور راہ پر عیش و راحت نہیں ہے)۔

اے میرے حبیب! میں نے صرف تیرے ہی عشق کی راہ کو پکڑا اور اسی راہ میں میں نے اپنے دل و جان تجھ پر قربان کر دیئے ہیں۔ یہی تیری راہ ہی میرے لیے جادہ منزل بنی ہوئی ہے' اس پر گامزن رہ کر مجھے جو کیف و سرور حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور راہ پر ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے اے میرے پروردگار! میں تیری یہ راہ عشق چھوڑ کر نہ کہیں جاسکتا ہوں اور نہ مجھے یہ راہ چھوڑنے کی ضرورت ہے کیونکہ جو لطف و سرور اور عیش و راحت اس راہ پر ہے وہ کہیں اور ہو ہی نہیں سکتی۔

﴿۱۰﴾

در آئینہ دل دیدہ محی رخ یار و گفت
اے ذکر ترا در دل ہر دم اثرے دیگر

(محی الدین نے آئینہ دل میں رخ یار دیکھا تو کہا: اے میرے محبوب تیرا ذکر میرے دل میں ہر لحہ ایک نیا سے نیا اثر پیدا کرتا ہے)۔

آئینہ دل کے حوالے سے قرآن مجید میں ایک مقام پر اس طور آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ المرء اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ ''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان اور اس کے دل کے مابین حائل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے مقاربات روحانی کے بلند مقامات سہل ہو جاتے ہیں۔'' (۸:۲۴)۔ گویا اس طور انسان کو اسی روحانی تقرب کے باعث اسی یار حقیقی کا چہرہ دکھائی دینے لگا ہے۔ واہ' میرے پروردگار! تیرے ذکر نے تو میرے لیے نئی سے نئی دنیائیں پیدا کرنی شروع کر دی ہیں۔

## غزل ۴۲

﴿۱﴾

اے کہ می نالی ز دوراں جور یار من نگر
اضطراب از من نگر' صبر و قرار من نگر

(اے بندہ ناصبور! تو دوراں سے شکوہ کرتا ہے۔ تمہارا رونا دھونا بیکار اور بے سود ہے۔

میرے یار کے جور وستم دیکھو۔ میرے اضطراب کو دیکھو اور میرے صبر و قرار کو دیکھو)۔

اے بندۂ شکوہ کناں! تو گردش دوراں کے ہاتھوں تنگ آکر فریاد کرتا ہے اور شکوہ شکایت کرتا ہے۔ تیری تو صورت حال آہ وشیون اور گلہ گزاری کی نہیں ہے۔ تیرے رنج وغم تو اس قدر دردناک اور اذیت بخش نہیں ہیں۔ تم میرے محبوب کے جور وستم کو دیکھو وہ تو پہاڑوں سے بھی بڑے ہیں۔ میرے اضطراب' میری بے تابی اور بے قراری کو دیکھو اور اس کے ساتھ ساتھ ذرا غور کرو توجہ کے ساتھ میرے صبر و قرار' میری برداشت' خاموشی اور شکیبائی کا بھی اندازہ کرو۔ پھر تمہیں صحیح صورت حال کا احساس ہوگا کہ کس کو زیادہ گلہ گزاری اور نالہ وفریاد کی ضرورت ہے۔

(۲)

جانب گلشن مرو کاں یک دو روزے بیش نیست
پر از اشک لالہ گوں دائم کنار من نگر

(اے نو وارد!! تیرا جذبہ جوان ہے۔ جانب گلشن نہ جاؤ' ایک دو دن اور ٹھہر جاؤ۔ میری گود اور پہلو کو دیکھ لو جو لالہ گوں اشکوں سے بھرے ہوئے ہیں)۔

اے دوست! میری درخواست ہے کہ تم باغ میں نہ جاؤ۔ باغ کی بہاریں اور فضائیں تمہیں راس نہیں آئیں گی۔ میں تو تجھے یہ بھی مشورہ دیتا ہوں کہ چند روز تک تم گلشن میں جانے کے ارادے سے بھی باز رہو' ٹھہرے رہو۔ گلشن میں جانے کے بعد کیا حال ہو جاتا ہے' اور عاشق زار پر کیا بیتتی ہے۔ اس کا اندازہ تم میری آغوش کو دیکھ کر بخوبی لگا سکتے ہو۔ میری آغوش لہو رنگ لالہ گوں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہے۔

(۳)

اے کہ می گوئی ندادم دل بہ خوباں' ہیچ گہ
سوئے میداں آو ترک' شہسوار من نگر

(اے کہ تو جو کہتا ہے کہ تو نے کسی محبوب حسیں کو دل نہیں دیا۔ ذرا میدان میں اور میرے ترک شہسوار کو آکر دیکھ)۔

اے مخاطب! تو یہی کہتا رہتا ہے کہ تو نے کبھی کسی دل لبھانے والے محبوب اور کسی معشوق حسین کو دل نہیں دیا۔ تو کسی کافر ادا معشوق کے گیسوئے خمدار کا اسیر نہیں ہوا۔ تجھے بڑا زعم ہے کہ کوئی حبیب خوش ادا تجھے نہیں لبھا سکا۔ یہ تمہارے سب دعوے درست اور بجا سہی' لیکن میں کہتا ہوں کہ' آؤ' ذرا میدان میں تو آکر دیکھو۔ اور میرے ترک شہسوار کو دیکھو! اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ تو اس معشوق حسین کے سحر سے کس طرح نکل کر جاتا ہے۔ پھر دیکھا جائے گا تو کس قدر مضبوط اور محفوظ ہے۔ وہ میرا محبوب تو ترک معشوق ہے۔

(۴)

سینہ ام پر داغ و چہرہ گل گل از خونین اشک
یک زماں سوئے من آباغ و بہار من نگر

(میرا سینہ داغوں سے بھرا ہوا وہ داغوں کے چراغوں سے روشن ہے۔ اور چہرہ خونین آنسوؤں سے گلاب کا پھول بنا ہوا ہے۔ اس کے سامنے گلستان ہیچ ہیں۔ لحہ بھر کو میرے پاس آؤ اور میرے باغ و بہار کو دیکھو)۔

ذرا میرے حسن و جمال کو دیکھو۔ میرا سینہ داغ داغ ہو چکا ہے۔ میرے دل کے یہ داغ میرے لیے روشن چراغ ہیں جو ہر موسم اور دور میں جلتے رہتے ہیں۔ تم میرے چہرے کو بھی تو ملاحظہ کرو' صدیوں سے خونیں اشکوں نے میرے اس چہرے کو گلاب کے پھول کی طرح سرخ اور روشن بنا رکھا ہے۔ یہ چہرہ کس طرح سے سدا پھول کی طرح سے مہکتا رہتا ہے۔ ایک لحظہ بھر کے لیے میرے پاس آکر تو دیکھو میرے گلشن جاں پر کس طرح سے بہار آئی ہوئی ہے' کیسی باغ و بہار حالت ہے۔

(۵)

باشدت رحمے فند در دل بیائی سوئے من
حال زار من بہ بیں شخص نزار من نگر

(شاید تیرے دل میں رحم آجائے۔ میری جانب آؤ۔ میرا حال زار دیکھو اور مجھ سے نحیف و نزار شخص کو تو دیکھو)۔

اے دوست! ذرا اور دعشق میں میری حالت کو تو دیکھو' عشق نے میرے صحن بدن پر کیا کیا گل کھلائے ہیں' انہیں تم اپنی نگاہوں سے دیکھ لو' شاید تجھے یہ میری حالت زار دیکھ کر مجھ پر رحم آ جائے اور تم مجھ پر ترس کھانے لگو۔ میرا حال کس قدر خستہ اور خراب ہو چکا ہے۔ میں جسم و جان سے بھی کمزور' ناتواں اور ضعیف و زبوں ہو چکا ہوں۔ از راہ لطف و کرم مجھ پر رحم کرو۔

(۶)

گر تو داری میل خوباں ٭ دیدہ عبرت کشا

سینہ پر سوز و چشم اشک بار من نگر

(اگر تیرے دل میں محبوب سے راہ و رسم اور دوستی ہے تو عبرت کی آنکھوں کو کھولو' میرے پر سوز سینہ کو اور اشک بار آنکھوں کو دیکھو)۔

اے نادان! اگر تجھے کسی سے محبت ہے۔ تجھے کسی محبوب سے رغبت اور دوستی حاصل ہے یا تو اپنے دل میں کسی معشوق حسین کے لیے محبت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں تجھے احتیاط و حزم سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ بلکہ تمہیں تو نگاہ عبرت سے میرے سوز عشق سے معمور سینے کو دیکھنا چاہیے اور میری سدا کی خون برساتی آنکھوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

(۷)

شکر کن محی کہ در راہ تو خارے بیش نیست

ہر طرف صد کوہ غم در رہگزر من نگر

(اے محی الدین! شکر ادا کرو کہ تیری راہ میں زیادہ کانٹے نہیں ہیں۔ تیرا راستہ صاف اور بے خطر ہے۔ جبکہ میری راہ گزر میں تو ہر طرف غم کے سینکڑوں پہاڑ ہیں)۔

اے دوست اپنے اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنی قسمت پر صد ہزار تحسین تبریک کرو۔ تمہاری خوش قسمتی تو مثالی ہے کہ تمہارے راستے میں مشکلات' مصائب اور کلفتیں نہیں ہیں۔ اس راہ میں کانٹے بھی زیادہ نہیں۔ تمہیں تو اپنی خوش بختی پر ناز کرنا چاہیے۔ ادھر ہماری حالت دیکھو۔ ہماری منزل دور بہت دور ہے۔ راہ کٹھن اور دشوار گزار ہے۔ اس کے علاوہ ہماری راہ میں غموں کے سینکڑوں دیو ہیکل پہاڑ حائل ہیں۔ غم و الم کے ان عظیم الجثہ پہاڑوں کو عبور کرنا کوئی آسان

کام نہیں ہے۔

## غزل

(۱)

ہر کہ درپیش تو برخاک بمالد رخسار
ملک و کونین مسخر بودش لیل و نہار

(جو بھی تیرے حضور میں مٹی پر اپنے رخسار رگڑتا ہے تجھے اے اللہ یہ عمل انسانی بے حد پسند ہے۔ اس لیے شب و روز' ملک اور کونین' دونوں جہاں اس کے سامنے مسخر ہو جاتے ہیں)۔

سب سے بڑی بات حضورِ حق میں بندے کی انکساری اور فروتنی ہوتی ہے۔ بندے کی عجز اور عاجزی ہی کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت ہے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قاعدہ و قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ عجز و تضرع کو پسند فرماتا ہے۔ بلکہ اللہ تو اپنے بندوں پر سختیاں' مصائب اور مشکلات پیدا ہی اسی لے کرتا ہے تاکہ لوگوں میں عجز و نیاز پیدا ہو۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں اس طرح سے ارشاد باری ہے کہ ''اور ہم نے جب بھی کسی قریہ میں کوئی نبی بھیجا (تو وہاں رہنے والوں اور نہ ماننے والوں کو) سختیوں اور نقصانات میں مبتلا کر دیا تاکہ ان میں عجز و تضرع پیدا ہو''۔ (۷:۹۴)

تضرع کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کر کے اس سے طاقت چاہنا۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون عذاب کا اس لیے ہے کہ لوگ دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہو کر عاجزی اختیار کریں۔ اس طرح جو عاجزی اختیار کرتا ہے' اس کے لیے کونین مسخر ہو جاتے ہیں۔

(۲)

دگراں گر بقدم برسر کوئے تو روند
من بسر بر سر کوئے تو روم مجنوں وار

(دوسرے لوگ اگر تیرے کوچے میں قدموں کے بل بغیر شوق اور ذوق سے چلتے ہیں

تو میں تیرے کوچے میں مجنوں کی طرح وارفتگی اور عشق فراواں میں سر کے بل چلتا ہوں)۔

عاشق عام لوگ نہیں ہوتے۔ یہ میدان عشق میں اترنے سے پہلے ہی اپنی زندگی کا سودا کر لیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے اس وادی میں داخلہ ہی تب ممکن ہوتا ہے کہ بندہ سب سے پہلے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دے اور یوں موت سے پہلے ہی موت کو قبول کر لے۔ اس آئین عشق میں کوئے یار کا گشت کرنا گویا عاشقوں کی سنت اور دستور ہوتا ہے۔ عام لوگ تو کوئے یار میں قدموں سے چلتے ہیں۔ لیکن سچے عاشق تو سر کے بل چلنے کو بھی ناکافی جانتے ہیں۔

﴿۳﴾

درکشائی کہ تو محبوب کریم افتاد ست

می نماید بتو ہر دم زمکیں رو دیدار

(اے میرے محبوب! دروازہ کھول دیجئے کہ آپ تو میرے کریم محبوب ہیں۔ ہمیں تو آپ ہر دم دیکھتے رہتے ہیں۔ اک ذرا ہمیں بھی دیدار کرنے دیجئے)۔

اے میرے محبوب! آپ سدا سدا کے کریم وحلیم ہیں۔ آپ بہت نوازشات کرتے ہی رہتے ہیں۔ یہ تھوڑی بات ہے کہ ہم سے ادنیٰ آپ سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ یہ تیرا کوئی معمولی کرم ہے کہ تو ہمارا محبوب اور حبیب ہے۔ تو ہی ہمارا معشوق حسیں ہے۔ یہ بھی تیرا بے حد جود وکرم ہے کہ تو ہمیں سدا دیکھتا رہتا ہے۔ تیرا دیکھنا تیری شان کے عین مطابق ہے۔ لیکن اے محبوب ہم تو تیری دید اور دیدار کو ترستے رہتے ہیں۔ اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ہمارے دلوں کے پردوں کو ہٹا دے تا کہ ہم بھی آپ کا دیدار کرنے کے لائق ہو سکیں۔

﴿۴﴾

حق آنست کہ سوزند و دہندش برباد

بس کہ خاکستر او جوش کند دریا سار

(حق تو یہ ہے کہ تیرے طالب کو جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے۔ اے پروردگار! اگر یہ راکھ دریا میں ڈالی جائے تو وہ راکھ بھی دریا کی طرح جوش مارنے لگے گی)۔

تیرے دیوانوں اور چاہنے والوں کا تیرے مقابلے میں اصل درجہ اور مقام تو یہی ہے کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے کہ وہ کس بلند و مرتبہ ذات سے عشق کرنے والے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جلانے کے بعد ان کی راکھ کو بھی ہواؤں میں اڑا دینا چاہیے تا کہ ان کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے اور وہ اس حالت میں ہی تڑپتے مرتے رہیں۔ ان کی یہ خاک اگر دریا میں ڈال دی جائے تو یوں وہ راکھ بھی دریا میں دریا ہی کی طرح جوش اور طغیانیاں مارتی رہے گی۔

۵

کاسۂ سر ہمہ از لطف خدا بر درِ دیر
تا کہ کافر بکشاید زمیانش زنار

(لوگو! عاشق زار کے قتل ہونے کے بعد اس سر کا کاسہ بت خانے کے دروازے پر اس لیے پڑا ہوا ہے تا کہ کافر اپنی زنار کھول دے)۔

بت خانے کے دروازے پر کسی عاشق کے سر کا کاسہ پڑا ہوا ہے۔ جس بھی عاشق کا یہ کاسہ سر ہے' وہ تو بڑا ہی سعید اور عزیز تھا' کیونکہ اس کے محبوب نے از راہ لطف و کرم اس کاسۂ سر کو قبول کیا۔ یہ در دیر پر پڑا ہے۔ اس لیے جو زنار عیسائی' یہودی اور مجوسی اپنی شناخت کے لیے پہنتے ہیں' اس سے تو وہ اپنے آپ کو منوانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس زنار پوشی میں وہ خواہشات نفسانی کی غلامی میں چلے جاتے ہیں۔ اس لیے بتایا جا رہا ہے عاشق کا کاسہ سر بت خانے کے دروازے پر اسی لیے پڑا ہے تا کہ زنار پوش اپنی زنار کھول دیں اور دیکھیں کہ عاشقوں کا کیا مقام و مرتبہ ہوتا ہے۔

۶

جوش مئی' می زد و می گفت کہ چوں مست شوم
ہیچ ہم صحبت خود را نگذارم ہشیار

(جوش مے کی زد میں جب عاشق آتا ہے تو اس کی حالت اور کیفیت اور ہی ہو جاتی ہے۔ تو پھر وہ کہتا ہے کہ جب میں مست ہو جاؤں گا تو پھر کسی ہم صحبت کو ہوش میں نہیں آنے

دوں گا)۔

جو عاشق صادق عشق حق میں شراب معرفت پی لیتا ہے۔ اس کی کیفیت وہ خود ہی جانتا ہے۔ یعنی جب وہ مئے عشق الٰہی سے جوش میں آتا ہے تو اس کا تو وہی وقت ہوش کا ہوتا ہے۔ اس پر جوش وقت پر وہ کہتا ہے کہ جب میں مدہوش مست اور وارفتہ عشق الٰہی ہو جاؤں گا۔ اس وقت میں پھر اپنے کسی بھی ہم صحبت کو ہوشیار ہونے یا ہوش میں نہیں آنے دوں گا۔ اس وقت میں تو یہی چاہوں گا کہ میرے سب ہم جلیس میرے ہی رنگ میں رنگے جائیں گے۔ سب میری ہی طرح مے معرفت سے سرمست ہو جائیں گے۔

(۷)

عشق حق می رود اندر دل ہر عاشق زار
بادہ اندر رگ و پے بیش ندارد رفتار

(عشق حق ہر عاشق زار کے دل میں اس سرعت اور برقی رو کی سی تیزی کے ساتھ چلتا ہے کہ اس تیزی کے ساتھ شراب بھی رگ و پے میں سرایت نہیں کرتی)۔

حق تعالیٰ کا عشق تو برق رفتار ہوتا ہے۔ اس کی تیزی اور سرعت کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عشق جب کسی عاشق زار کے دل میں آتا ہے تو پھر وہ عشق بے حد تیزی اور تندی سے چلتا ہے۔ جسے عشق حق ہو جائے وہ تو دنیا کا خوش قسمت ترین شخص بن جاتا ہے۔ اس عاشق معزز میں یہ عشق صادق اس تیزی سے چلتا ہے کہ اتنی تیزی کے ساتھ شراب بھی رگ و پے میں اثر و سرایت نہیں کرتی۔ شراب تو صرف رگ و پے میں نفوذ کرتی اور سماتی ہے جب کہ عشق الٰہی تو ہڈیوں تک میں بجلی کی سی تیزی سے گزر جاتا ہے۔

(۸)

در ہمہ مذہب و ملت مے عشقت حلال
زانکہ بے او نتواں دید خدا را دیدار

(یہ دستور جہاں اور آئین انساں ہے کہ ہر مذہب و ملت میں تیرے عشق کی مے حلال ہے کیونکہ اس کے بغیر دیدار خدا حاصل ہی نہیں ہوتا)۔

دنیا کے قریباً تمام مذاہب میں شراب نوشی حرام ہے' کیونکہ شراب تو انسان کے عقل وحواس پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اسی لیے اسے عربی زبان میں "خمر" کہتے ہیں جس کے معنی کسی چیز کو ڈھانپ دینے کے ہوتے ہیں کیونکہ شراب پینے کے بعد انسان کو اپنے عقل وحواس پر اختیار نہیں رہتا۔ اس لیے یہ تمام مذاہب میں ممنوع اور حرام ہے۔ لیکن شراب معرفت پینے والے عاشقان صادق کہتے ہیں کہ یہ شرابِ حق انہیں خفتہ نہیں کرتی بلکہ یہ مے عشق تو ہوشیاری بخشتی ہے اور یہی اللہ کا دیدار کرانے کی موجب بنتی ہے۔

﴿۹﴾

ہمدم ما شو اے محی کہ در آخر کار
بے گنہہ کشتن وآویختن ست بردار

(اے محی الدین ہمارا ہمدم نہ بن کہ آخر کار وارفتگی میں جان دینا ایک معمولی کام ہو جاتا ہے۔ اس عشق میں بے گناہ قتل اور تختہ دار پر لٹکنا ہوتا ہے)۔

بتایا جارہا ہے کہ اے لوگو! تمہیں ہمارا ساتھ اور ہماری دوستی بہت ہی مہنگی پڑے گی کیونکہ ہم تو عاشق لوگ ہیں۔ اور یہ عشق کی معراج اور عشق کا منطقی انجام ہوتا ہے کہ اس میں بے گناہ کو قتل ہونا پڑتا ہے۔ بے جرم شخص کو تختہ دار پر چڑھنا پڑتا ہے۔ اس شعر میں مشہور خدا رسیدہ صوفی حسین بن منصور حلاج کی جانب اشارہ ملتا ہے وہ بحوالہ عشق الٰہی انسان میں اللہ تعالیٰ کے حلول کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اے میرے پروردگار تو میری رگ و پے میں' دل و دماغ میں اس طرح جاری ہے جس طرح میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میرے دل و دماغ میں اس طرح ہو گیا ہے جیسے روح بدن میں جذب ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت میں منصور نے نعرہ انا الحق لگایا اور اس پر شرع کا نفاذ کر کے اسے دار پر چڑھا کر پھر اس کی لاش کو جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔ گویا اس نے اپنے عشق حق کی اس طرح سے قیمت ادا کی۔

# ردیف: ز

## غزل ۴۴

⟨۱⟩

شب همہ شب باتو می گوییم راز
تو بغفلت پائے خود کردہ دراز

(اے غافل انسان! ہم شب بھر تم سے راز کی باتیں کرتے رہے لیکن تو پائے غفلت دراز کیے غفلت میں سوتا رہا)۔

بندے سے اس کا پروردگار یوں فرماتا ہے کہ اے میرے بندے میں تو تیرے ساتھ رات بھر راز کی باتیں کرتا رہا' لیکن تو تو بڑی غفلت کے ساتھ پاؤں پھیلائے سوتا رہا۔ اس شعر میں اللہ کا اپنے بندے سے کلام کرنے کا ذکر ہے اور بحوالہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنے خاص انداز میں کلام کرتا ہے۔ ''یہ کسی بشر کا حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بجز وحی بالمشافہ کلام کرے یا پس پردہ گفتگو کرے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم کے مطابق حسب منشا القا ہے۔ وہ ہی علو مرتبت اور صاحب حکمت ہے۔'' (۵۱:۴۲)۔ اس شعر میں رات سے مراد زندگی اور کلام اللہ سے مراد قرآن مجید (۲:۲۷) اور وحی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ پر نازل فرمائی۔ بہر صورت ولایت عشق کی اور ہی باتیں ہوتی ہیں۔

⟨۲⟩

اے زما کردہ فراش گوئیا
سوئے ما ہرگز نخواہی گشت باز

(اے بندے تو نے ہمیں یکسر فراموش کر رکھا ہے۔ تو ہم سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ کیا تو نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تمہاری مراجعت ہماری ہی طرف نہیں ہے)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بندے سے فرما رہے ہیں کہ اس دنیا میں اے بندے! تو نے ہمیں

بالکل بھلا رکھا ہے۔ اور شاید تم اس غلط فہمی کا شکار ہو کہ تم کو بہر صورت ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں بیسیوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں اور مختلف حوالوں سے یاد دہانی کرائی ہے۔ اور یوں بھی فرمایا ہے کہ ''کیا تم نے ہمارے قانون مکافات کی طرف نہیں جانا'' (۲۸:۸۹) اور یوں بھی کہ ''تمہاری مراجعت یقیناً خدا ہی کی طرف ہے۔'' (۸:۹۶)

(۳)

خیز و ترک خواب کن تانیم شب

ماؤ تو با یک دگر گوئیم راز

(نرم بستر اور خواب استراحت سے نکلنا مشکل ہوتا ہے لیکن اے میرے بندے جاگو اور اٹھو' نیند کو چھوڑو' تاکہ آدھی رات کو ہم باہم راز و نیاز کی باتیں کریں)۔

اس شعر میں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اے میرے پیارے بندے! اٹھو۔ خواب غفلت سے نکل آؤ۔ تمہاری اس بیداری اور شب خیزی کا یہ فائدہ ہوگا کہ تم دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر میرے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کر سکو گے۔ آدھی رات کے بعد تہجد کی نماز ادا کی جاتی ہے اور تہجد کی نماز تو بہت پرہیز گار اور متقی لوگ ادا کیا کرتے ہیں۔ اس تہجد کی نماز کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ''رات کو تہجد پڑھا کرو' یہ نفلی عبادت ہے۔'' (۱۷:۷۹) اسی طرح ہر ایک مسلمان کو پچھلی رات اٹھنے اور نماز تہجد کی تاکید بھی ملتی ہے۔ (۷۳:۲۰)۔ گویا اس طرح بندے کو موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی معروضات پیش کر سکے۔

(۴)

بے نیازم از تو از طاعات تو

با نماز و روزہ تو چندیں مناز

(اے بندے! ہم تجھ سے تیری طاعات' تیری نماز' تیرے روزے سے بے نیاز ہیں۔ تو ان پر اتنا ناز نہ کر)۔

اکثر عبادت گزار اور اطاعت الٰہی کرنے والے لوگوں میں ایک خاص قسم کا زعم سا آجاتا ہے کہ وہ بڑے عبادت گزار ہیں۔ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور پابندی کے ساتھ ہر نماز ادا کرتے ہیں' اس لیے انہیں یہاں تک غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے مقرب سمجھنے لگتے ہیں۔ جب ان نادان لوگوں کو اپنے بارے میں اور اپنی عبادات پر اس طرح سے زعم ہونے لگتا ہے تو پھر ان کی تمام عبادات محض ریاکاری ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہاری ایسی عبادتوں سے بے نیاز ہوں۔

(۵)

تو نیاز آور برائے من کہ ہست
طاعت شائستہ تو بستہ راز

(اے میرے غم گسار بندے! میرے سامنے تو سدا تیرا عجز و نیاز ہی رہے گا۔ کیونکہ تیری شائستہ عبادت تو ایک سربستہ راز ہے)۔

اس شعر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے عبادات اور طاعات کی جو روح ہے' اس کا ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری عبادات کے بجائے نیت اور عبادات کی روح کو دیکھتے ہیں۔ عبادات کی روح یہی ہے کہ بندہ عجز اور انکساری کے ساتھ اپنے معبود برحق کے سامنے اپنی صحیح عبودیت کا اظہار کرے۔ بندے کی عبودیت یہی ہے کہ وہ اپنی عبادات پر فخر و تکبر اور ناز نہ کرے۔ اسی ضمن میں قرآن میں ارشاد باری ہے کہ "وہ تمام لوگ جنہیں تقرب الٰہی حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے' وہ اسی کی تسبیح میں مشغول ہیں اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے حضور سجدہ ریز رہتے ہیں۔" (۷:۲۰۶)۔ طاعت شائستہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سربستہ راز فرمایا گیا ہے۔ اس کی قبولیت اللہ پر چھوڑ دو۔

(۶)

محی گیر کار نہ کردی غم مخور
من ترا ہمکارم و ہم کار ساز

(اے محی الدین! تو نے اگر کوئی نیک عمل نہیں کیا تو اس کا غم نہ کرو کیونکہ میں تمہارے

ساتھ ہوں میں ہی تیرا کارساز ہوں)۔

بندے کے بس میں یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے تئیں اور اپنی حد تک کچھ عمل کر سکتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا نہیں لیکن ہر عمل کا دارومدار انسان کی نیت پر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی عمل کی نیت ہی کو دیکھتا ہے کہ بندے نے اسے کس طور طاعت حق میں کیا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ جو نیک اعمال کر کے بھی انکساری اور عجز کے باعث کسی ناز یا زعم میں نہیں ہوتے' انہی کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ اے بندے میں تیرا ہم کار بھی ہوں اور کار ساز بھی ہوں۔ اس لیے تمہیں کسی فکر و غم میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیرا عجز' نیک نیتی اور جذبہ عبودیت ہی اللہ کو پسند اور محبوب ہے۔ اس لیے اب تمہیں اپنے بارے میں فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔

## غزل ۴۵

### ۱

نومید مشو بندہ از رحمت ما ہرگز
زیرا کہ بغیر از ماکس نیست ترا ہرگز

(اے میرے بندے! تو ہماری رحمت سے ہرگز ناامید نہ ہو ہمارے در پر ناامیدی گناہ ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے سوا تمہارا اور کوئی نہیں ہے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بے حد رحیم اور رحمٰن ہیں اور اللہ کی رحمت وہ عطیہ ہے کہ جس میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ یہ رحمت تو کمیوں کو پورا کرتی ہے۔ بندے کے اعمال و عقاید کیسے ہی ہوں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے۔ (۶:۱۲)۔ قرآن مجید ہی میں مزید اس طرح سے بھی ارشاد باری ہے "اے میرے وہ بندو! جنہوں نے ظلم و تعدی سے اپنی جانوں پر بے دریغ زیادتی کی ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمت بے نہایت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔" (۳۹:۵۳) اور پھر یہ بھی ہے کہ سب کو لوٹ کر اسی کے پاس ہی جانا ہے۔ انسان کا اپنے پروردگار کے سوا نہ کوئی ہے اور نہ کوئی دوسرا اس کا ہو ہی سکتا ہے۔

﴿۲﴾

خواہیم ازیں عالم تو پاک شوی از جرم
ورنہ نفرستم من اے بندہ بلا ہرگز

(اے انسان! میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اسی دنیا میں تمام جرائم سے پاک کردوں، اسی لیے تم پر ابتلا اور افتاد بھیجتا رہتا ہوں)۔

بتایا جارہا ہے کہ اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مصلحت ہے کہ وہ بندے پر مصائب وآلام اور مشکلات اور آزمائشیں اسی دنیا ہی میں بھیج دیتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں بھی ارشاد موجود ہے کہ ''اے اہلِ ایمان ہر آئینہ (زندگی کی اقدار عالیہ کے تحفظ کے لیے) تمہیں خوف، گرسنگی۔ نقصان مال، اتلاف جان، ضیاع ثمرات (ومحنت) جیسی (کڑی) آزمائشوں میں ڈالیں گے۔ اہل تقویٰ وصبر کے لیے بشارت ہو کہ وہ قائم المرام ہیں۔'' (۱۵۵:۲)۔ انسانوں کو اس حقیقت کو جان لینا چاہیے کہ تمہاری زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ اس میں قدم قدم پر مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوگا۔ اس صورت حال کو قرآن مجید میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے ''اے اہل ایمان! تم یقیناً (راہ حق میں) اپنے اموال اور انفس (جانوں) سے ابتلا میں ڈالے جاؤ گے اور ضرور ہے کہ تم اہل کتاب اور مشرکوں سے بڑی ہی دل آزاری کی باتیں سنو، اگر تم اس ابتلائے جسمانی وروحانی میں شیوہ صبر اختیار کرو اور تقویٰ شعار بن جاؤ تو یہ تو اولوالعزم لوگوں کا کام ہے۔'' (۱۸۶:۳)

﴿۳﴾

چوں سوختہ امروز از درد و فراق ما
در سوختنت فردا ندہیم رضا ہرگز

(اے میرے بندے! تم اس جہاں میں میرے درد وفراق میں جل چکے ہو۔ اس لیے میں کل قیامت میں تجھے ہر عذاب سے بچائے رکھوں گا)۔

پروردگار عالم اپنے بندوں سے یوں فرماتا ہے کہ اے میرے نیک بندو! وہ کہ جنہوں نے اس دنیا میں میری رضا کی خاطر، اور میرے لیے دکھ درد اور مشکلات ومصائب اور آلام و

ادبار برداشت کیے ہیں اور اس پر انہوں نے صبر و شکر سے کام لیا۔ نہ صرف صبر و شکر کا دامن تھامے رکھا بلکہ ان امور کو من جانب اللہ جانتے ہوئے مزید اللہ کی راہ میں استقامت اور پائیداری سے کام لیتے رہے تو ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں عذات اور آلام نہیں ہیں۔

﴿۴﴾

من باتو ام اے عاشق تو نیز بمانی باش
ہرگز چوں نشاید دوست از دوست جدا ہرگز

(اے میرے عاشق بندے' میں ہمہ وقت تیرے ساتھ ہوں' تو بھی میرے ساتھ رہ۔ میں تیرے گمان کے ساتھ ساتھ ہوں۔ کیونکہ دوست سے دوست ہرگز جدا نہیں ہوتا)۔

جو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ جو سچے ہوتے ہیں' جو صدیقین' جو متقی ہیں' جو شہدا ہیں' جو منصف ہیں' جو حدود اللہ کی پاسداری کرنے والے ہیں' وہ سب اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو ودود ہیں تو اس کے بھی یہی معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دوست رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہنے والا ہے' جو فرمانبردار لوگ ہوتے ہیں اللہ انہیں دوست رکھتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ بھی صفت عالی ہے کہ وہ دوستوں کے دلوں میں محبوب ہو جانے والا ہے۔ اس لیے انسان پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اللہ کے سوا کسی اور کو ہرگز دوست نہ بنائے۔ کوئی ایسا فعل و عمل نہ کرے کہ جس سے اس دوستی میں کوئی کمی واقع ہو۔ کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے کہ جس سے اس دوستی میں رخنہ پڑ جائے۔ اے بندے! کیا تجھے اس امر کا شعور نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کوئی معمولی دوستی نہیں ہے۔

﴿۵﴾

ہر چند کہ رو از ما برتافتی و رفتی
رو از تو نمی تابد خود رحمت ما ہرگز

(اے انسان! اگرچہ تم نے ہماری جانب سے اپنا منہ موڑ لیا ہے اور یونہی پھر رہے ہو' لیکن اس کے باوجود ہماری رحمت تجھ سے ہرگز منہ نہ موڑے گی)۔

اے بندے' تو نے ہماری اطاعت' عبادت میں بڑی لاپرواہی سے کام لیا ہے۔ تم نے

تو ہماری جانب سے منہ موڑ کر ایک طرح سے بے راہ روی اختیار کر رکھی ہے۔ شاید یہ تمہاری عبدی اور انسانی سرشت ہے۔ لیکن میں تو رب الرحمٰن الرحیم ہوں۔ تمہاری اس روش کے باوجود میں نے تو تجھے اپنی رحمت سے دور نہیں کیا اور تجھے اپنی رحمت سے محروم بھی نہیں رکھا۔ کیونکہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ قرآن مجید میں اس طرح سے ارشاد باری ہے کہ بندے کا رویہ یا روش اور نہج کسی بھی طرح کی ہو۔ پروردگار کو اس سے کوئی سرکار نہیں ہوتا۔ بلکہ "اللہ جل جلالہ نے بہ تقائے ربوبیت عظمیٰ لامحدود آفاقی رحمتوں کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔" (۱۲:۶)۔ اور یہی نہیں بلکہ "جب وہ رحمت کا ارادہ کرے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ (۳۸:۳۹)۔

## ⟨۶⟩

از درد فراق مایک شب چوں بروز آری
دیدار نہ پوشانم در روز لقا ہرگز

(اگر تم اس دنیا میں میرے درد فراق میں شام سے صبح تک مبتلا رہو گے تو اس کے بدلے میں اے میرے بندے! میں تمہیں روز لقا اپنے دیدار سے محروم نہیں رکھوں گا)۔

بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں درد فراق الٰہی میں ہیں۔ اور اس پروردگار سے روز قیامت ملاقات کے متمنی ہیں' تو وہ اس جہاں میں اطاعت الٰہی میں رہتے اور اس کی حدود اللہ کی خلوص نیت کے ساتھ پاسداری کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں روز قیامت اپنے لقا سے محروم نہیں رکھے گا۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ "جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقی ہوں گے تو ان پر سلام کہا جائے گا اور ان کے اعمال صالحہ کے سبب سے (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے باعزت اجر مہیا کر رکھا ہے۔" (۳۳:۴۴)۔ یہی نہیں بلکہ "اس روز کئی چہرے ہشاش بشاش اور تر و تازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔" (۷۵:۲۲:۲۳)۔

⑦

گر بردل خود مارا روزے گزرانی تو

در دوزخ پر آتش ناریم ترا ہرگز

(اگر تم صرف ایک روز بھی اپنے دل میں ہمیں یاد رکھو گے تو ہم تمہیں آگ سے بھرے ہوئے دوزخ میں ہرگز نہیں ڈالیں گے )۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے سے یوں بھی فرمارہے ہیں کہ اے میرے بندے اس دنیا میں تمہارے لیے کار جہاں بہت دراز ہے' اس زندگی میں تجھ پر تیری ہی بے شمار ذمہ داریاں ہیں' تو اس دنیا کے جھمیلوں میں الجھا ہوا ہے اور پھر اگر تجھے کبھی فرصت نصیب ہوتی ہے تو پھر تم ان کی دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہو۔ اس لیے اے میرے بندے! اپنی ان مصروفیات اور دنیاوی سرگرمیوں میں سے صرف ایک دن بھی نکال کر تو خلوص دل کے ساتھ ہمیں یاد کرلے تو ہم یقیناً تمہیں آتش وآہن سے بھرے ہوئے دوزخ کے سپرد نہیں کریں گے۔ ہمیں یہ لاج ہوگی کہ ہمارے بندے نے ہمیں ایک بار تو ضرور یاد کیا تھا' اس لیے اسے نار جہنم سے محفوظ و مامون رکھا جائے۔

⑧

اے بندۂ گناہ تو خوددیدی و تودانی

بر روت نیارم ہم در روز جزا ہرگز

(اے بندے! تو نے اپنے گناہوں کو دیکھا بھی ہے اور تو ان سے آگاہ بھی ہے' تجھے سب گناہ یاد ہیں۔ اور ان کا احساس بھی ہے لیکن ہم روز جزا تمہارے گناہوں کو تمہارے سامنے نہیں لائیں گے )۔

بندہ اپنے اعمال وافعال سے بخوبی واقف اور آگاہ ہوتا ہے' اسی لیے کہا گیا ہے کہ اے بندے تو تو اپنے گناہوں کو خوب جانتا ہے' تو ان میں ملوث رہا' تجھ سے یہ گناہ سرزد ہوئے' اس لئے تو نے انہیں دیکھا ہے۔ اس ساری صورت حال کے باوجود روز قیامت جب لوگوں کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ بندے کے سامنے اس کے گناہوں کو

نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں ستار بھی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا غفار الذنوب بھی ہے۔ یوں اللہ کا ستار العیوب اور غفار الذنوب ہونا انسانوں کے حق میں ہے۔ ہر بندے کے گناہ دوسروں پر ظاہر نہیں ہوں گے۔

﴿۹﴾

اے جمع تہی دستاں حقا کہ نہ خواہم بست
من ایں در رحمت را بر روئے شما ہرگز

(اے گناہگار! اے نیکیوں سے خالی شخص! ہم تمہارے لیے اپنا دروازہ بند نہیں کریں گے۔ ہم تیرے منتظر رہیں گے۔ بلکہ ہماری رحمت کا دروازہ تمہارے لیے کھلا رہے گا)۔

اس شعر میں ایک بار پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں ہی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ مگر اس انداز میں کہا گیا ہے اے گناہگار انسان' اگر تو نے نیکیاں نہیں کمائیں' تیرا دامن حسنات سے خالی ہے' تو اس کے باوجود اگر تو نے سچے دل کے ساتھ اپنے اللہ التواب سے اپنے گناہوں کی توبہ کر لی ہے تو تمہارے لیے اللہ کی بے شمار اور انگنت رحمتیں ہیں۔ اس کے علاوہ یوں بھی اشارہ موجود ہے کہ اللہ خالق ابھی اپنے بندے سے مایوس نہیں ہوا۔ اس نے بندے کو خاصی مہلت دے رکھی ہے کہ وہ تائب ہو کر اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندے کے لیے اپنی رحمتوں کا دروازہ سدا کا کھلا ہی رکھا ہے۔ اب یہ تو گناہگار بندے پر ہی موقوف ہے کہ وہ اپنے اللہ کی جانب آتا ہے کہ نہیں آتا۔

﴿۱۰﴾

از بیم جدا بودن از دولت جاویداں
محی نہ بود یک دم بے یاد خدا ہرگز

(قرب الٰہی اور معرفت حق بہت بڑی نعمت اور دولت جاوداں ہے۔ دولت جاوید کے جدا ہو جانے کے خوف سے محی الدین ایک دم کے لیے بھی اپنے پروردگار کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہتا)۔

بتایا جارہا ہے کہ اللہ کی یاد انسان کے لیے ایک نعمت لازوال ہے اور یاد الٰہی بندے کے لیے ایک دولت جاوید ہے۔ اس دولت کا حاصل رہنا انسان کے لیے بہت بڑی خوش بختی ہے۔ یاد الٰہی سے مراد یہ بھی ہے کہ بندۂ زندگی کے ہر شعبے میں اور سفر حیات کے ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ کے قوانین کو سامنے رکھے اور ان کے مطابق زندگی بسر کرتا رہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک یاد الٰہی سے مراد ذکر الٰہی بھی ہے۔ اسی لیے اکثر لوگ زبانی ذکر الٰہی پر ہی زیادہ توجہ دیتے رہتے ہیں۔ تسبیح کے دانوں پر گن گن کر خفی یا جلی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ یہ ذکر کیا ہے' اس سلسلے میں علامہ اقبال نے خوب کھل کر بات کی ہے۔ اسی طرح ایک اور ذکر قرآن مجید بھی ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ اس پس منظر میں محی الدین اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہوتا کہ اللہ کی نعمت یعنی دولت جاوداں محفوظ رہے وہ چھن نہ جائے۔

# ردیف۔س

## غزل (۴۶)

(۱)

تو لذت عمل را از کار زار ما پرس
آئین سلطنت را از حال زار ما پرس

(تو ہمارے عمل کی لذت اور شوق عبودیت کو ہمارے کارزار حیات سے اندازہ کر لے' اور اس اللہ کے آئین سلطنت کو ہمارے حال زار سے دریافت کر لے)۔

انسان اس دنیا میں کشمکش حیات کے کن کن امور میں غلطاں اور پیچاں ہے۔ انسان مسائل وحوادث اور احوال و مشکلات میں سے کس کس طرح سے گزر رہا ہے اس کا اندازہ انسان کے اعمال میں اس کی لگن اور خشوع و خضوع سے لگایا جا سکتا ہے۔ جسے شاعر نے لذت عمل کہہ کر واضح کیا ہے کہ انسانی اعمال میں اس کے لیے ایک خاص دلکشی اور تحریص موجود ہے۔ اسی لیے وہ زندگی کی دشواریوں اور اذیتوں کو بھی قبول کیے جاتا ہے۔ وہ رکاوٹوں اور

کشید گیوں میں بھی رواں دواں رہتا ہے۔ مزاحمتوں کی کھینچا تانی سے بھی وہ بددل نہیں ہوتا۔ وہ تو لذت عمل کے سایوں میں متحرک رہتا ہے اور اس پروردگار کا آئین سلطنت اس طرح سے کارفرما اور نافذ ہے کہ وہ ہماری کمزور حالت کے باوجود چل رہا ہے۔

(۲)

عاشق نئی چہ رانی درد فراق مارا

رو رو تو ایں مصیبت از سوگوار ما پرس

(اے دنیا کی طالب انسان! تم عاشق نہیں ہو۔ اس لیے تم درد فراق کو کیا جانو۔ جاؤ ہمارے اس درد کی کیفیت اس سے پوچھو جو ہمارے دیدار میں مصیبت اور سوگواری میں رہتا ہے)۔

اے دوست تم چونکہ عشق سے کوسوں دور ہو اس لیے تمہیں عشق اور عشق کی گھاٹیوں کی ہرگز خبر نہیں ہے۔ عشق کی کیا کیا لذتیں ہیں اور چاہنے والوں کے لیے کیا کیا سوغاتیں ہیں' اس کی بھی تمہیں خبر نہیں ہے۔ تم درد فراق سے بھی آشنا نہیں ہو کہ یہ کیا ہوتا ہے اور کہاں ہوتا ہے۔ اس جدائی کے درد میں عاشق کے قلب و جگر اور جاں پر کیا کیا عذاب نازل ہوتے ہیں' تم تو ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ عشق کے بارے میں اگر تم کچھ جاننا چاہتے ہو تو جاؤ' اس کیفیت کا تم ان سے پوچھو جو ہمارے دیدار کے لیے ترساں اور سوگوار ہیں۔ وہ تو سدا غمگین غاروں ہی میں رہتے ہیں۔

(۳)

عشقیت قوقوئی ما جنبید و مرغ جاں برو

قوقوے سر ما را از ہرشکار ما پرس

(اے عاشق زار! عشق تو ہمارا باز ہے جو جھپٹ کر تمہاری جان کے پرندے کو لے گیا ہے۔ ہمارے اس پراسرار باز کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو اس سے پوچھو جو ہمارا شکار ہوا ہے)۔

عشق کو باز کہا گیا ہے۔ باز ایک بڑا ہی باغیرت اور پروقار اور قوی پرندہ ہوتا ہے۔

تصوف کی دنیا میں باز کو زاہدانہ اوصاف والا پرندہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ باز کی جو سب سے بڑی پہچان اور شناخت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ باز ایک شکاری پرندہ ہے۔ جس بھی پرندے یا جاندار کو چاہتا ہے اس کا زمین پر یا فضا ہی میں شکار کر لیتا ہے۔ اسی لیے بتایا گیا ہے کہ اے بندے ہمارے عشق کا باز اپنا وار کر کے تمہاری جان کے پرندے کو لے گیا ہے۔ ہمارے عشق کا وہ باز تو سراسر اسرار و رموز کا شناور ہے۔ اس لیے اگر تم اس باز کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو تو اس بے چارے عاشق سے پوچھو جو اس کا شکار ہوا ہے۔

(۴)

عاشق کہ از غم من کاہیدہ گشت و جاں داد

ایں مرغزار او را از مرغ زار ما پرس

(جان لو وہ کہ جو عاشق ہمارے غم میں لاغر اور کمزور ہو گیا۔ ضعف اور ناطاقتی کا شکار ہوا اور پھر اس نے اپنی جان بھی دے دی۔ ہمارے سبزہ زار میں جو کمزور سا پرندہ آیا ہے اس سے ہماری چراگاہ کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا جانتا ہے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ معرفت کا سبزہ زار کیا ہے‘ اس چراگاہ کے دستور کیا ہیں۔ ہماری اس چراگاہ میں وہ جو کمزور پرندہ آتا ہے وہ تو بدستور لاغر اور دبلا پتلا ہوتا جاتا اور بالآخر اپنی جان کی بھی بازی لگا دیتا ہے۔ یوں شاید وہ معرفت الٰہی میں فنا فی اللہ کا ہی مقام حاصل کر پاتا ہے۔ اس کے بعد والے مراتب سے وہ بے خبر محروم رہتا ہے۔ اس لیے میدان عشق الٰہی میں عام کمزور پرندوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہمارے سبزہ زار معرفت میں قدم قدم پر مراتب اور مدارج ہیں۔ جو انہیں بدستور اپنی قوت اور ارادے سے بڑھتا رہتا ہے وہ انہیں حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

(۵)

تو صاف دل چہ دانی‘ نالیدن سحر گہ

آئین درد مندی از درد خار ما پرس

(اے بھلے شخص! تم صاف دل اور سادہ لوح ہو تمہیں کیا معلوم کہ نالہ صبح گاہی کیا ہوتا

ہے۔ ہمارے دستور درد بندی کے بارے میں جاننا چاہو تو ' خار عشق کے درد میں مبتلا ہونا پڑتا ہے )۔

اے نو وارد چمن! تم تو بڑے ہی سادہ دل اور صاف لوح قسم کے شخص ہو۔ تمہیں کیا معلوم کہ رات کیا ہوتی ہے اور یہ کیوں ہوتی ہے۔ پھر راتوں کی گریہ زاری اور آہ و بکا کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ تمھیں تو نالہ سحر گاہی اور آہ صبح گاہی کی روداد کا بھی علم نہیں۔ یہ تو صبح ہونے سے پہلے کی گریہ زاریاں ہیں۔ ان میں اشکوں کی مالاؤں پر آہ وزاریاں ہوتی ہیں۔ وہ ساعتیں عشاق کے لیے خشوع وخضوع کے ساتھ رونے کی ہوتی ہیں۔ انہی ثانیوں میں بارگاہ رب العزت میں اشکوں اور آہوں سے شرابور دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ اے دوست اس وادی عشق الٰہی میں دستور دردمندی کیا ہے اور وہ کس طرح سے نافذ اور وارد ہوتا ہے؟ صرف یہ جاننے کے لیے بھی ہماری ہی طرح قلب وجگر کو خار عشق سے چھلنی کرنا پڑتا ہے۔

(۶)

دل از غم دو عالم فارغ کن و پس آنکہ

آئی بہ پیش محی از لطف یار ما پرس

(اپنے دل کو دونوں جہاں کے غم سے فارغ کرلو اسے دنیاوی جھمیلوں سے آزاد کر کے اور پھر محی الدین کے پاس آکر ہمارے یار کے لطف و کرم کے بارے میں پوچھو)۔

اے دوست ہمارے محبوب حقیقی اور حبیب حق کے الطاف و اکرام بڑے بے پایاں ہیں' ان کی ہم پر ارزانی اور فراوانی ہے۔ اگر تمہیں ان کے بارے میں کچھ جاننے کی طلب و آرزو ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ تو سب سے پہلے کونین سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو جا۔ یہ عالم اسفل اور عالم بالا یعنی دونوں جہاں ان الطاف و اکرام کے سامنے ہیچ ہیں۔

# ردیف: ش

## غزل ۱۲

(۱)

در جہاں امروز بے پروا مباش
فارغ از اندیشہ فردا مباش

(اے دنیا کی رنگینیوں میں مست لوگو! آج اس دنیا میں بے پرواہ نہ ہو جاؤ' اور فردا کی فکر سے بھی بالکل آزاد نہ ہو جاؤ)۔

اے بندے اس دنیا کی رنگینیاں اور کار جہاں بہت زیادہ ہیں' اس لیے تو انہی میں نہ کھویا رہ۔ بلکہ ابھی وقت ہے کہ تو اسی دنیا ہی میں رہ کر آخرت کے لیے بھی کچھ کر لے۔ اس شعر میں اس جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان کو صرف دنیا ہی کی نہیں بلکہ آخرت کی بھی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی اعتبار سے مومنین کی تو اپنے پروردگار سے یہی دعا ہوتی ہے کہ ''اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نیکی انعام فرما اور آخرت میں بھی نیکی انعام فرما اور ہمیں نار دوزخ کے عذاب سے بچا''۔ (۲:۲۰۱)۔ بلکہ قرآن مجید میں اس طرح سے بھی آیا ہے کہ ''جو کوئی دنیا میں اپنے اعمال کی جزا چاہے گا اسے ہم دنیا میں دیں گے اور جو آخرت میں چاہے گا اسے آخرت میں اجر عطا کیا جائے گا۔'' (۳:۱۴۴) اور اللہ کے ہاں تو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے انعام و اجر موجود ہے۔ (۴:۱۳۴)۔ اس لیے انسان کو اس دنیا میں رہ کر آخرت کی بھی بجا طور پر فکر کرنی چاہیے۔

(۲)

کشتیئے پیدا کن و بنشیں درد
ایمن از غرقاب ایں دریا مباش

(اے لوگو! نیک اعمال کی ایک مضبوط کشتی بناؤ اور اس میں سوار ہو جاؤ۔ اس دنیا کے

دریا میں غرق ہونے سے بچ جاؤ)۔

اے لوگو! کوشش کر کے اعمال صالحہ اور حسنات وافر کی اپنے لیے ایک محفوظ قسم کی کشتی بنالو۔ یہ دنیا تو وقت کا ایک بہت بڑا اور بے پایاں دریا ہے۔ یہ رواں دواں رہتا ہے۔ اس دریا میں با حفاظت اور محفوظ ماموں رہنے کی خاطر تمہارے پاس بڑی مضبوط اور محافظ قسم کی کشتی ہونی چاہیے اور یہ حقیقت ہے کہ تمہارے نیک اعمال کی کشتی ہی اس مقصد کے لیے کام آئے گی اور وہی تمہیں اس دریا میں غرق ہونے سے بچا سکے گی۔

(۴۳)

بے خبر از نالۂ شبہا مشو

غافل از احوال مظلوماں مباش

(لوگو! تمہارا راتوں کا جاگنا تمہارے پروردگار کو بے حد مرغوب ہے۔ اس لیے راتوں کی گریہ زاری سے بیگانہ نہ رہو، اور مظلوموں کے احوال سے بھی غفلت نہ برتو)۔

اے لوگو! اس حقیقت کو جان لو کہ تمہارے پروردگار کو راتوں کی عبادت اور اس وقت کہ جب دنیا محو خواب ہوتی ہے، اس وقت کی گریہ زاری اور آہ و بکار بے حد مرغوب ہوتی ہے۔ راتوں کے نالوں اور آہوں کو اور اپنے بندے کی دعاؤں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ان لمحات خاص میں قبولیت بخشتا ہے۔ اس لیے اپنی راتوں کو یوں ہی ضائع نہ کرو۔ اس کے ساتھ ساتھ مظلوموں کے احوال پر بھی نظر رکھو اور یہ بھی جان لو کہ زیادتی، بے انصافی، قانون شکنی، حدود فراموشی اور سلب و نہب وغیرہ سب ظلم ہیں اور معاشرتی معاملات میں بے احتیاطی برتنا بھی ظلم ہے۔ اس لیے ''مظلوم کو اپنی مدافعت کی اجازت ہوتی ہے۔'' (۴۲:۴۱)۔ لہٰذا تم بھی مظلوموں پر توجہ دیا کرو۔

(۴۴)

در پئے خود کن دعا گویان نیک

بدمکن با مرماں تنہا مباش

(اگر تم چاہتے ہو کہ ایسے بن جاؤ کہ نیک لوگ تمہارے لیے دعا کریں تو کسی سے بدی

نہ کرو۔ اور تنہا بھی نہ رہو)۔

چاہیے کہ بندہ ایسے اعمال و افعال کرے کہ جن سے اس کا اپنا اور دوسروں کا بھی بھلا ہوں۔ گویا صرف اپنے مفاد کے بجائے اجتماعی مفاد کی خاطر زندگی گزارنی چاہیے۔ اس طرح معاشرے کے خیر خواہ اور نیک نہاد لوگ تمہارے اور تمہاری مصروفیات میں شامل ہوں گے اور وہ تمہاری کامیابی کی دعا بھی کریں گے۔ اس کے علاوہ کسی سے برائی یا بدی نہ کرو۔ اس طرح تم اکیلے نہیں رہو گے۔ یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ نیک کاموں اور نیکی کی راہ پر خود تنہا ہی گامزن نہ رہو۔ ایسے امور میں دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شامل رکھو اس سے خیر و برکت حاصل ہوگی اور زیادہ خلق خدا نیکی کے ثمرات سے فیض یاب ہوگی۔

(۵)

دل بسے در جنت و اخری مبند

بے ہوائے جنت الماویٰ مباش

(اے دنیا والو! اپنے دل کی منزل جنت اور آخرت ہی نہ بناؤ یہ تو سب انسانوں کی طلب ہوتے ہیں۔ بلکہ جنت الماویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرو)۔

اے لوگو! صرف دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول ہی سب کچھ نہیں ہے۔ صرف آخرت کی خوشیوں ہی پر قناعت نہیں کرجانی چاہیے۔ بلکہ اس کے علاوہ اور ان سے اعلیٰ اور ارفع درجات اور مقامات بھی ہیں۔ بتایا جاتا ہے دوزخوں کی تعداد سات ہے جنتوں کی تعداد آٹھ ہے۔ ہر جنت درجہ بدرجہ افضل اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ مختلف تفاسیر میں آٹھوں جنتوں کے نام۔ جنت الفردوس، جنت عدن، جنت الماویٰ، دار الخلد، دار السلام، دار المقامہ، علیین اور جنت نعیم ہیں۔ ان میں سے جنت الماویٰ آرام کا باغ ہے۔ رہنے کے لیے یہ جنت سب سے افضل ہے۔ اس سے بہتر کوئی اور گھر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اے لوگو! اللہ کی رحمت بہت کشادہ ہے۔ بہت وسیع ہے۔ اس لیے اگر طلب کرو تو جنت الماویٰ بھی مل سکتی ہے۔

⟨۶⟩

کار درویشان و مسکینا برآر

یادکن از مرگ در دنیا مباش

(اے لوگو! درویشوں اور مسکینوں کے کام کرو۔ موت کو بھی سدا یاد رکھو۔ صرف دنیا ہی کے نہ ہو کر رہ جاؤ)۔

اے لوگو! درویش اور مسکین لوگ اس دنیا کی زینت ہیں۔ اللہ تمہیں توفیق دے تو ان لوگوں کے ضرور کام آؤ۔ ان کی خدمت کرو۔ درویش تو اپنے اللہ کی محبت میں مست رہنے والے ہوتے ہیں۔ یہ موتی اور نیکیوں کے جواہرات جمع کرنے والے خدا رسیدہ بندے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھلائی اور نیکی سے پیش آؤ اور اسی طرح مسکینوں کی بھی خدمت کرنا ضروری ہے۔ وہ بھی بجا طور حق دار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مساکین کی امداد کو ان کا حق قرار دیا ہے۔ مساکین کے ساتھ احسان کی تاکید کی گئی ہے۔ (۳۶:۴)۔ اور مساکین کو ان کا حق دینے کے لیے بھی کہا گیا ہے۔ (۳۸:۳۰) یہی نہیں بلکہ مساکین کو مال دینے ہی کو اصل نیکی قرار دیا گیا ہے۔ (۲۱۵:۲)۔

⟨۷⟩

نیکوئی کن تو ونیکو نام شو

بدمکن مشہور در ایذا مباش

(لوگو! کمائی کرو' نیکی کر کے نیک نام بنو۔ بد نہ بنو' کسی کو اذیت پہنچانے میں شہرت حاصل نہ کرو)۔

اور لوگو! نیک اعمال ہی زندگی کا حاصل ہوتے ہیں۔ نیکی اپنے آپ کو بھی فائدہ دیتی ہے اور دوسروں کو بھی۔ نیکی کو اللہ تعالیٰ بہت خیر و برکت بخشتا ہے۔ نیکی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں کام آتی ہے۔ اس لیے انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ نیک نام رہے اور سدا اپنا دامن حسنات سے بھرتا رہے۔ برے کاموں اور امور سے اجتناب کرو۔ خلق کے لیے مفید اور معاون بنو نہ کہ لوگوں میں ایذا رسانیوں میں بدنامی کماؤ۔ انسانیت کی ایذا رسانی دراصل انسان

کو خود ہی بھگتنا اور جھیلنا پڑتی ہے۔ اس لیے دوسروں کے ساتھ بھلائی اور احسان کرو۔ کیونکہ ''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔'' (۵۵:۶۰)۔

⟨۸⟩

داد خواہی راچوں بینی دار دہ

در دکان جاہ بے سودا مباش

(جب تم کسی انصاف کے طالب کو دیکھو تو اسے انصاف دو۔ دکان جاہ میں سودے کے بغیر نہ رہو)۔

اس شعر میں معاشرتی نیکیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ جو کسی سلسلے میں انصاف چاہنے والا ہے' یا کسی دادرس کو کوئی مسئلہ ہو تو ضروری ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔ حق کا ساتھ دیا جائے۔ اگر اللہ نے آپ کو کوئی منصب یا عہدہ عطا کر رکھا ہے اور آپ دکان جاہ یعنی اس منصب پر متمکن ہیں تو اس عہدے اور منصب کی بجا طور پر پاسداری کرو اور جو تمہارے فرائض منصبی ہیں انہیں بخوبی اور احسن طریقے سے نبھاؤ تاکہ تمہیں خلق ناپسند نہ کرے اور تمہارے عہدہ اور منصب کا بھی یہی تقاضا ہے۔

⟨۹⟩

زیر دستاں را تو از پا درمیاں

غرہ ایں فرق و فرقد سا مباش

(اے لوگو! اگر تمہیں کچھ منصب یا اختیار حاصل ہوا ہے تو زیردستوں کو پامال نہ کرو۔ نہ پہلی کا چاند بنو اور نہ بلند و بالا فرقد ہی بنو۔ یعنی میانہ روی اختیار کرو)۔

جان لو کہ معاشرے کے کمزور' عاجز' ماتحت اور مظلوم لوگ بہت ہی اہم ہوتے ہیں۔ اپنے احوال میں ایسے لوگ بے وسیلہ اور بے سہارا بھی ہوتے ہیں۔ نہ تو انہیں پامال کرو اور نہ انہیں تباہ ہونے دو۔ لوگوں میں تمہاری حیثیت پہلی کے چاند غرہ کی نہ ہو کہ وہ بہت معمولی ہوتا ہے اور زیادہ دیر تک بھی نہیں رہتا' اور اسی طرح بلند و بالا قطب کے پاس والا ستارہ فرقد بھی نہ بنو' تاکہ تم لوگوں میں موجود رہ سکو۔ اس سے انسانی ذات میں فخر و استکبار بھی پیدا نہیں ہوتا اور

عجز و انکسار بھی برقرار رہتا ہے۔ اور خلق کے درمیان میں رہنا بہت بڑی فضیلت ہے۔

(۱۰)

خلق را محی تو ناصح گشتۂ

پیرو ایں نفس ناپروا مباش

(اے محی الدین! تم خلق کے لیے ناصح بنے ہوئے ہو اور نصیحت کرنا تو سب سے آسان کام ہے۔ لوگوں کی خبر رکھنا' کہیں اپنے نفس لاپرواہ کی پیروی نہ کر لینا)۔

نصیحت ایک عمدہ معاشرتی عمل ہے۔ نصیحت کے بنیادی معنی چارہ سازی اور خیر اندیشی کے ہوتے ہیں۔ جب کسی کو اچھی روش اختیار کرنے کے لیے کہا جائے تو اس میں کہنے والے کا اپنا مفاد کوئی نہیں ہوتا۔ اس کا محرک جذبہ دوسرے کی خیر خواہی ہوتا ہے۔ اور نصیحت کے معنی کسی کے ساتھ مخلص ہونے کے بھی لیے جاتے ہیں۔ ہر رسول ناصح ہوا کرتا تھا۔ اس لیے اکثر بزرگان دین بھی اس منصب نصیحت کو اپنا کر لوگوں کی خیر خواہی کرتے رہے ہیں۔ حضرت محی الدین غوث الاعظم اپنی اس شاعری میں ایک طرح کی خود کلامی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محی الدین! تم دوسروں ہی کو نصیحت نہ کرتے رہنا' اور اس زعم میں نہ رہنا کہ تم اچھی نصیحت بہت کرتے ہو' اس کے ساتھ ساتھ اپنے نفس سے بھی ہوشیار رہو' کہیں دوسروں کو نصیحت کرتے ہوتے تم خود اپنے نفس کے پیروکار نہ ہو جانا۔ بقول قرآن مجید ''نفس امارہ تو برائی کی تحریک کرتا ہی رہتا ہے۔'' (۵۳:۱۲)۔ اس لیے اس پر محتاط نظر رکھنی چاہیے۔

## غزل (۴۸)

(۱)

داد مرا جان تو بادہ داد از جان خویش

کفر مرا کرد نام گوہر ایمان خویش

(میرے محبوب نے مجھے اپنی جان میں سے جان دے کر زندگی بخشی مجھے خود میں سے بنایا اور میرے کفر کو اپنے ایمان کا گوہر قرار دیا ہے)۔

اس شعر میں محبوب حقیقی کی عنایات اور مہربانیوں کا ذکر ہے کہ اس اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنی روح پھونک کر اسے شرف انسانی کا اعزاز بخش رکھا ہے۔ اور انسان کے اندر جو روح اللہ کا امر ہے اس روح کے بارے میں یوں وضاحت موجود ہے کہ ''جب انسان کو اس کی انسانی صورت میں درست کر دیا تو اس کے اندر (اللہ تعالیٰ نے) اپنی روح پھونک دی۔'' گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی جان حق میں سے ایک نئی زندگی بخشی۔ اس طرح انسان کا کفر بھی اس برکت سے ایمان کے جوہر میں بدل گیا۔ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا اپنی روح پھونکنے سے انسان کو مرتبہ اور اعزاز اور شرف میسر آیا ہے اس پر غور و خوض کرنا بھی عین انسانیت ہے۔

(۲)

حضرت او نیم شب گوید کہ اے بو العجیب

ہیچ مکن آشکار کردہ پنہاں خویش

(آدھی رات کے سمے بارگاہ حق سے آواز آتی ہے کہ بوالعجب انسان: تو نے اچھا یا برا جو کچھ پوشیدہ طور پر کیا ہے اسے ظاہر نہ کر۔ میں تو کسی پر ظاہر نہیں کروں گا)۔

راتوں کی عبادت اور راتوں کی گریہ زاری حضور حق بہت مقبول ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ کے نیک بندے راتوں کو عبادات کرتے ہیں یا آہ وزاریاں کرتے ہیں' ان کے جواب میں پروردگار فرماتا ہے کہ اے شخص عجیب! تو نے اپنی عام زندگی میں جو بھی اچھے یا برے کام کیے ہیں' اس کی لوگوں کو تو ہرگز خبر نہیں ہے' اس لیے انہیں لوگوں پر ظاہر نہ کرو اور مجھ سے ان کی معافی مانگ لو۔ میں انہیں ظاہر بھی نہیں کروں گا اور انہیں اپنے فضل و کرم معاف بھی کردوں گا۔ یا یہ بھی ہے کہ تو راتوں کو جو پوشیدہ عبادت کرتا ہے اسے بھی ظاہر نہ کر۔

(۳)

گرچہ تو آلودہ بندۂ مابودہ

بندہ ندارد پناہ جز در سلطان خویش

(گرچہ تو گناہوں سے آلودہ ہے لیکن بندہ تو ہمارا ہی ہے۔ بندہ گناہوں سے دور نہیں

رہتا۔ اور بندے کے لیے در سلطان کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی)۔

بندہ چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ کس قدر بڑا گناہگار کیوں نہ ہو' اس کا دامن گناہوں سے کتنا ہی آلودہ کیوں نہ ہو' وہ ہر صورت میں بندہ تو خالق و مالک اللہ کا ہوتا ہے۔ اور بندے اور اللہ کا یہ رشتہ واسطہ اس طرح سے ہے جیسے شاہ اور اس کی رعایا۔ اس طرح بندہ اپنے بادشاہ کے دروازے کے بغیر کہیں اور نہیں جا سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد بار اور مختلف حوالوں سے اپنے بندے کو پکارا ہے۔ سورہ العنکبوت میں ایک ارشاد اس طرح سے ہے کہ "اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین وسیع ہے کہ اس لیے میری عبودیت اختیار کرو۔" (۵۶:۲۹)۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا یوں بھی پر امید ارشاد ہے کہ "اے میرے بندو' جو زیادتی کر بیٹھو۔ اس کے باوجود میری رحمت سے ناامید مت ہو۔" (۵۳:۳۹)۔

(۴)

گر بتو گوید کسے کردہ اے عصیاں بسے
رحمت بسیار من گوید ہم برہان خویش

(اے بندے اگر کوئی تمہیں کہتا ہے کہ تمہارے گناہ بہت زیادہ ہیں' تو اس پر ہماری رحمت کہتی ہے کہ وہ رحمت بلاشبہ بہت زیادہ ہے)۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اگر بندہ کتنا بھی گناہگار کیوں نہ ہو۔ اس کے گناہوں کی مقدار کتنی بھی زیادہ ہو۔ اس کے باوجود یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہ و عز برہانہٗ کی رحمت بہر صورت بندے کے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ اس کی رحمت لامحدود اور بے انتہا ہے۔ وہ اپنی رحمت نچھاور کرتے ہوئے بندوں کے اعمال و اوصاف اور ان کے عقائد کو نہیں دیکھتا' وہ بلا امتیاز سب پر اپنی رحمت فرماتا رہتا ہے۔ "اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے۔" (۵۴:۶)۔ اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تو سب کے لیے صاحب رحمت ہے۔ ارشاد باری یوں بھی ہے کہ "اور تمہارا پرورش کنندہ بے نیاز اور صاحب رحمت کامل ہے۔" (۱۳۴:۶)۔ اور یہی نہیں بلکہ "وہ تو صاحب غفران ، صاحب رحمت ہے۔" (۵۷:۱۸) وہ بخشتا بھی ہے اور رحمت بھی کرتا ہے۔

⑤

ورنہی تو دست خود برایں رخ نیک و بد

رد نہ کم من ترا خوانم از خواصان خویش

(اے بندے اگر تو اپنے اچھے اور برے چہرے پر برائے دعا ہاتھ اٹھاتا ہے تو تیری دعا کو میں رد نہیں کرتا' بلکہ اسے قبول کر کے اپنے خاص بندوں میں شمار کر لیتا ہوں)۔

اس شعر میں بندے کو بحوالہ دعا بتایا گیا ہے کہ وہ نیک ہے یا برا ہے' اسے ہر حال میں اپنے پروردگار سے دعا ضرور کرنی چاہیے۔ کئی احادیث نبوی ﷺ میں ہے' آیا ہے کہ اپنے اللہ سے دعا کرنا بھی گویا اللہ کی عبادت کرنا ہی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول بھی فرماتا ہے۔ دعا کی قبولیت کیا ہے۔ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس ضمن میں اللہ کا یوں وعدہ موجود ہے کہ "ان کے پروردگار نے باکمال کبریائی ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا کہ میں کسی نیک کام کرنے والے کے کام کو خواہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا۔" (۳:۱۹۵)۔ اس لیے یوں بھی ارشاد ہے کہ "خدا کے سوا اور کو نہ پکارو۔ وہ تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ وہ تمہاری مصیبت دور نہیں کر سکتے۔ (۶:۷۱)۔ (۱۰:۱۰۶) بلکہ یوں بھی ہے کہ اگر تو ماسوائے اللہ کو پکارے گا تو تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

⑥

در لحد تنگ تو صلح کنم جنگ تو

پیش تو روشن کنم شعلہ تابان خویش

(اے بندے تنگ لحد میں میری تجھ سے جنگ نہیں ہوگی بلکہ صلح رہے گی۔ کیونکہ میں صلح پسند ہوں۔ میں تیرے سامنے اپنی تابانیوں والی قندیل کر دوں گا)۔

اس شعر میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی انسان سے بے پناہ شفقت اور رحمت کا ذکر موجود ہے۔ قبر ایک تنگ وتاریک مقام ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ قبر کے اندر کوئی جنگ نہیں کرے گا بلکہ اس دور میں اللہ کی بندے کے ساتھ دوستی اور صلح ہوگی۔ قبر

کے اندر مردوں کے بارے میں اس طرح سے اشارات قرآن مجید میں بھی موجود ہیں کہ "اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بے شک ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جو آسودہ لحد ہیں۔" (۸:۲۲)۔ مگر بتایا یہ جا رہا ہے کہ جس دور میں بندہ قبر میں ہوگا اس وقت بھی اللہ الرحیم اپنے بندوں پر اپنے انوار و اکرام کی رحمت فرمائے گا۔

۷

خانۂ زندان گور پر بود از مور و مار

من بنمائم درو روضہ رضوان خویش

(اے بندے! جب قبر کا قید خانہ کیڑوں مکوڑوں اور سانپوں سے بھرا ہوا ہوگا۔ وہ تجھے ڈرائیں گے۔ تجھے کاٹیں گے۔ تو اس وقت بھی میں ہی تمہیں اپنی رضا مندی کا باغ دکھاؤں گا اور ان سے بچاؤں گا)۔

قبر کے حشرات' کیڑوں مکوڑوں اور بچھوؤں سانپوں کے بارے میں متعدد احادیث میں بتایا گیا ہے۔ حکایات قبر کو نہایت ہی بھیانک طور پر اور عبرت اندوز انداز میں بتایا گیا ہے تا کہ انسان اس دنیا میں اپنے لیے آخرت کی کوئی بہتر کمائی کر لے۔ اور اس زندگی کو فلاح بخش راہوں میں بسر کرے۔ اس پس منظر میں بتایا جا رہا ہے کہ قبر کوٹھڑی بھی ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس میں بھی عذاب اور اذیت کی لاتعداد قسمیں ہیں۔ لیکن ان سب کی موجودگی میں روضۂ رضوان یعنی بہشت کے باغ اپنے بندے کو اپنی رحمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی دکھائیں گے۔

۸

آتش دوزخ اگر روئے نہد سوئے تو

برسر کیواں زنم خیمہ ایوان خویش

(اگر نار جہنم تیری جانب بڑھے گی تو اے میرے بندے' تیرے عجز و انکسار کے باعث اس وقت میں اپنا خیمہ ساتویں آسمان پر گاڑ دوں گا اور تجھے پناہ دوں گا)۔

جہنم کی آگ ایسی آگ ہوگی جو انسانوں کو جلانے والی ہے اور جہنم کی مختلف کیفیات

بھی ہیں۔ جو لوگ کفر کے مرتکب ہوں گے۔ اور جو عبدیت خداوندی سے سرکشی والے' کفار' منافقین اور مشرکین ہیں سب جہنم میں ہوں گے۔ اور وہ لوگ جو خدا کے علاوہ دوسروں کو اپنا پشت پناہ بنا لیتے ہیں' ان کے لیے بھی جہنم ہی ہے۔ اس لیے اس پس منظر میں اگر کوئی جہنم میں جاتا ہے تو یہ تو اس کی سزا اور کمائی ہے لیکن اگر کسی اللہ کے بندے کی طرف جہنم کی آگ لپکے گی تو اس سے بھی بندے کو اس کا پروردگار ہی پناہ دے گا اور بچائے گا۔

﴿۹﴾

کردمت اے بوالفضول نام ظلوم و جہول

تانفروشم بکس بندہ نادان خویش

(اے بندہ نادان' تو بہت فضول کام کرنے والا ہے' اسی لیے میں نے تیرا نام ظلوم اور جہول رکھا ہوا ہے تاکہ تجھے کسی اور کے ہاتھوں نہ بیچوں اور نہ میرے اس غلام کو کوئی اور خرید ہے۔ تو میرا ہی ہے میرا ہی رہے گا)۔

بتایا جا رہا ہے انسان بڑا ہی فضول گو یعنی ''بوالفضول'' ہے۔ یہ بہت بکنے والا' بکواس اور فضول کام کرنے والا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ''یہ انسان بڑا ہی جلد باز بھی ہے۔'' (۱۷:۱۱) اس لیے یہ اپنی بھلائی اور برائی کو سمجھنے سے قاصر ہے' اسی لیے اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے ظلوم و جہول بھی کہا ہے۔ ''بے شک انسان بڑا ظلوم (ظالم) اور جہول (جاہل و نادان) ہے۔'' (۳۳:۷۲)۔ یہ خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور ناعاقبت اندیش بھی ہے۔ اسی قرآنی تناظر میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ اس طرح کے نادان' جاہل' سادہ لوح اور اپنے بُرے بھلے کی فکر نہ کرنے والے انسان کو وہ کسی صورت تنہا نہیں چھوڑے گا۔ اسے اپنی غلامی اور تحویل سے کسی اور کے سپرد نہیں کرے گا۔ کیونکہ بندہ تو سراپا ناسمجھ اور نادان ہے۔

﴿۱۰﴾

بار امانت گراں بندہ توئی تو ناتواں

بار ترا می کشم تحی گیلان خویش

(اے بندہ حق! امانت کا بوجھ بہت بھاری ہے اور تو ناتواں بندہ ہے۔ اسے تو بھارے

سپرد کردے تو پھر اے گیلان کے محی الدین! تیرا بوجھ ہم اٹھوائیں گے)۔

امانت کا بوجھ بہت گراں ہے۔ اس ضمن میں انسان کے حوالے سے اس کے فطری مزاج اور طبع کا قرآن مجید میں اس طرح سے ذکر موجود ہے کہ "ہم نے (کائنات کی لافانی سچائیوں اور صداقتوں کی) امانت عظیمہ آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سپرد کرنا چاہی اور پیش کی۔ لیکن انہوں نے یہ بار گراں اٹھانے سے پہلو تہی کی اور ڈر گئے۔ مگر انسان (ضعیف البنیان نے) اس امانت گراں مایہ کا بوجھ اٹھالیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم ہے۔ بڑا نادان ہے۔" (۷۲:۳۳)۔ وہ بھاری بوجھ والی امانت کیا ہے۔ اس بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو وہ امانت دی ہے جو ان پر اپنی اطاعت سے فرض کیا ہے۔ انسان امانت خداوندی میں خیانت کرتا ہے۔ یعنی اپنے اختیار وارادہ کو غلط استعمال کرتا ہے' اسی لیے یہ ظالم اور جاہل ہے لیکن وہ لوگ جو امانت میں خیانت نہیں کرتے ان کے لیے خوش خبری ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں وہی فوز وفلاح اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اسی حوالے سے ارشاد باری یوں موجود ہے کہ: "وہ لوگ اپنی امانتوں اور عہد و پیماں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ بہشتوں میں نہایت عزت واکرام سے داخل ہوں گے۔" (۷۰:۳۳۔۳۵)

# غزل ۴۹

## ۱

گر مرا جاں دربدن نبود بدن گو ہم مباش
چونکہ یوسف نیست بامن ' پیرہن گوہم مباش

(اگر میرے بدن میں (عشق کی) جان نہ ہو تو ایسا بدن مجھے نہیں چاہیے یہ بیکار قالب ہوگا۔ اگر یوسف علیہ السلام نہ ہو تو صرف پیرہن کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

اگر میرے جسم میں وہ خاص جان کہ جو عشق الٰہی میں رہنے والی ہے۔ نہ ہوگی تو پھر ایسے حیوانی قسم کے جسم محض کی مجھے ہرگز طلب اور ضرورت نہیں ہے۔ اس جان کو بحوالہ روح جو مقام ومرتبہ ملتا ہے وہ اپنے پروردگار سے عشق کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لیے عشق الٰہی سے خالی

جسم تو صرف خاک کا پتلا ہے۔ لیکن جب وہی زیورِ عشق سے آراستہ ہوتا ہے وہ جسم بھی قابل فخر اور جان بھی قابل تعظیم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ کہ جس میں بوئے یوسف ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام کے بغیر اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

﴿۲﴾

گر بمیرم لاشۂ من ہم چناں دور افگنید
چاک شد چوں جامہ جانم کفن گو ہم مباش

(اگر میں مر جاؤں تو میری لاش کو دور پھینک دینا۔ یہ جسم تو محض روح کا قالب اور پنجرہ تھا۔ جب جان کا جامہ چاک ہو گیا تو پھر صرف خالی بدن کو کفن کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

روح کے بغیر جسم کی کوئی قدر و قیمت اور حیثیت نہیں ہے۔ اسی لیے اس شعر میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص عشق الٰہی کے بغیر مر جاتا ہے تو محض لاشہ خاکی سے زیادہ کوئی حیثیت اور وقعت نہیں رکھتا۔ اس لیے دور پھینک دینا چاہیے کیونکہ جب جان کا جامہ تار تار ہو چکا ہو تو ایسے لاشے کے لیے کسی کفن کی بھی ہرگز ضرورت نہیں ہوتی۔ اس شعر میں ایک اشارہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ عشق الٰہی کے بغیر تو زندہ جسم بھی مردہ ہے۔ اس میں صرف جان ہے جو روح عشق سے عاری اور خالی ہے۔ ایسے جاندار جسم کو زندگی ہی میں بھی بے کفن و گور پھینک دیں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ ایسے جسم کو جان سمیت بھی چاک کر دیں تو یہ درست ہوگا۔

﴿۳﴾

در چمن گر خشک و تر سوز و بگو آں ہم بسوز
چوں نباشد یار من ' سرو سمن گو ہم مباش

(اگر چمن میں ہر خشک اور تر چیز جلتی ہے تو اسے جلنے دو۔ سب رطب و یابس ہیں۔ جب باغ میں میرا محبوب نہیں ہے تو مجھے اس کے سرو سمن کی کیا ضرورت ہے)۔

اس شعر میں چمن سے مراد دنیا بھی ہے اور یہ دنیا محبوب حقیقی کے بغیر کار اور غیر ضروری ہے۔ اسی طرح اس چمن کو انسان کا اپنا جسم و جان بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر اس جسم

انسانی میں عشق حقیقی کا جذبہ اور رچاؤ نہیں ہے تو یہ جسم زندہ یا مردہ کسی کام اور کاج کا نہیں۔ ایسے عشق الٰہی سے خالی جسم کو چاہے جلا دیا جائے چاہے بہا دیا جائے اس کی ذرا بھر قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس طرح اس حقیقت کو جان لینا چاہیے کہ محض کسی ظرف کی کوئی وقعت اور قیمت نہیں ہوتی۔ اصل میں ظرف کی قیمت کا تعین صحیح معنوں میں اس کے اندر کیا ہے۔ اس سے ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں کہا گیا ہے کہ جس باغ میں یار نہ ہو اس باغ کے سرو سمن اور دیگر رنگا رنگ اور خوشبوؤں والے پھول بھی کسی گنتی شمار میں نہیں ہوتے۔

﴿۴﴾

چوں مرا رانی زکوئے خود مخوراں بارے رقیب
از گلستاں گر رود بلبل، زغن گو ہم مباش

(جب تم مجھے اپنے کوچے سے نکال رہے ہو۔ اپنے سے دور کر رہے ہو تو پھر میرے رقیب کو دعوت نہ دو۔ کیونکہ باغ میں بلبل نہ رہے تو کوے کی کیا ضرورت ہے)۔

اے میرے حبیب! مجھے تم اپنے کوچے سے دور ہٹا رہے ہو اس کی مجھے پرواہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو عشق کی مملکت کا اولین مرحلوں میں سے ایک مرحلہ ہوتا ہے۔ میں اس دوری اور فراق کو بخوشی قبول کرتا ہوں۔ لیکن مجھ پر مزید یہ ظلم تو نہ کرو کہ مجھے در حبیب سے دور کر کے اپنے یہاں رقیب کو تو نہ بلاؤ۔ شاعر نے اس صورت حال کو اس طرح سے بھی بیان کیا ہے کہ جب کسی گلستان میں گانے اور چہکنے والی اور ڈالی ڈالی گھومنے والی بلبل ہی نہ رہے اور وہ کہیں اور اداسیوں اور مایوسیوں کی دنیا میں چلی جائے تو پھر اس گلشن میں بھدے اور کائیں کائیں کرنے والے کوؤں کو بلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ رقیب روسیاہ کو کوا قرار دینے میں بھی حسن ہے۔

﴿۵﴾

مرگ باللہ بہتر است از زندگانی دور ازو
گر نہ بینم یار خود ایں زیستن گو ہم مباش

(قسم بہ خدا مجھے ایسی زندگی سے موت بہتر ہے جس میں تجھ سے دور رہوں۔ بلکہ تجھ

سے دوری میری موت ہے۔اگر جمال یار دکھائی نہ دے تو ایسی زندگی کی مجھے کیا ضرورت ہے)۔

اس شعر میں ایک عاشق صادق اپنے محبوب حقیقی کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ لمبی طویل اور خوشحالی اور خوشیوں اور آسودگیوں بھری زندگی میں اگر میں اپنے حبیب سے دور رہوں۔تو ایسی زندگی یوں بھی کہا گیا ہے کہ وہ حیات حسین کہ جس میں محبوب دکھائی نہ دے حبیب عشوہ ناز کبھی سامنے نہ آئے اسے زندگی کہا بھی نہیں جاسکتا۔ایسی زندگی ہو یا نہ ہو برابر ہے۔اس طرح کی یار کے بغیر زندگی کی مجھے کوئی ضرورت اور چاہت نہیں ہے۔

﴿۶﴾

یک سر موئے اگر من کم شنیدم گفتہ
گر نباشد محی ایں افکار من ہم گومباش

(اگر میں صدائے غیبی کو ایک بال برابر بھی کم سنوں تو پھر محی الدین کہتا ہے کہ میرے یہ شاعرانہ افکار کسی کام کے نہیں اور ان کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

اس شعر میں شاعر حضرت غوث الاعظم محی الدین نے بھی دیگر کئی عظیم اور عالی مرتب شعرا کی طرح اپنے افکار عالیہ کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ یہ افکار واشعار بحوالہ شعور وادراک الہامی ہیں۔ان میں وجدانی کیفیات اور الہامی باتیں ہیں۔شاعر محی الدین بتاتے ہیں کہ اگر میری یہ فکر انگیز شاعری الہامی نہیں ہے تو مجھے صرف قافیہ پیمائی اور سخن طرازی کا ہرگز کوئی شوق نہیں ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے یہ شاعرانہ افکار وخیالات دراصل متعدد آیات قرآنی کی شرح ہیں اور ان میں مسلمانوں کے عام عقائد کو بھی اپنے خاص دلنشین شاعرانہ رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔حضرت جی نے اپنے ان الہامی افکار میں اپنی بھرپور قرآنی بصیرت اور احادیث نبوی کو بھی سمویا ہے۔اس دیوان کی شاعری بھی اپنی روح کے اعتبار سے ایک طرح کی تبلیغی اور توضیحی خدمات بھی انجام دیتی ہے۔آپؒ کی شاعری میں بندے اور اللہ کے رشتے کی بڑی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر حوالے سے اپنی رحمتوں کے دامن کو ہر بندۂ حق کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں۔حضرت جی کی شاعری اور افکار عالیہ میں ایک بڑا

ہی واضح رجائی رنگ موجود ہے۔

# ردیف: ق

## غزل ۵۰

(۱)

از خانماں آوارہ ام از دست عشق از دست عشق
سرگشتہ وبیچارہ ام از دست عشق از دست عشق

(میں اپنے اس عشق کے ہاتھوں اپنے گھر بار کی فکر سے آزاد ہو چکا ہوں۔ یہ ایک اچھی حالت ہے اور اسی کے باعث میں پریشان اور لاعلاج ہوں)۔

اے لوگو! میں اپنے عشق اور وارفتگی میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔ میں اپنے گھر بار سے آزاد اور بے نیاز ہو چکا ہوں' اب اسی لیے مجھے میرے گھر کی اور گھر کے کسی بھی طرح کے آرام اور سکون کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ میں گھر کے بغیر آوارگی کی راہ پر پڑ چکا ہوں۔ اب مجھے میرے گھر' دین' دنیا اور عزیز و اقارب سب کو بھول اور تیاگ چکا ہوں۔ گویا اب مجھے کوئی فکر و اندیشہ لاحق نہیں ہے۔ ایک طرف تو میں سب سے بے نیاز ہو چکا ہوں لیکن اس کے برعکس اب اسی عشق کے ہاتھوں میں حیران اور پریشان اور سرگردان ہو چکا ہوں اور میرے لیے خوشی اور سکون کی بات یہ ہے کہ میرا مرض عشق لا دوا اور لاعلاج ہے اور اسی سے میں زندہ ہوں۔

(۲)

اے کاش بودے درعدم' تاباز رستے از ستم
من سوزم از سر تا قدم از دست عشق از دست عشق

(اے کاش میں عدم میں ہوتا پیدا ہی نہ ہوا ہوتا اور رستم عشق کے ظلم و ستم سے بچا رہتا۔ اب میں عشق کے ہاتھوں سر تا قدم جل رہا ہوں)۔

عاشق ناصبور بڑے تاسف کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہے۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا

ہوتا' میں اس عالم رنگ و بو میں ہرگز نہ آیا ہوتا اور اگر میں پیدا ہو ہی گیا تھا تو مجھے یہ عشق نہ ہوتا۔ کیونکہ میرے اس عشق کے جور و ستم اور ظلم و الم اس قدر زیادہ اور بوقلموں ہیں کہ ان سے میں ہر لحہ مرتا اور جیتا رہتا ہوں۔ اسی لیے کہا جارہا ہے کہ اے کاش میں عدم ہی میں رہتا تاکہ عشق کے اذیت ناک ظلم و ستم کا مجھے سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اب انہیں آلام و مصائب سے میں مدام سے سر سے پاؤں تک جلتا رہتا ہوں۔

(۳)

پردرد کردم خانماں سرگشتہ ام گرد جہاں
گشتم ضعیف و خستہ ہم' از دست عشق از دست عشق

(میں نے اپنے گھر کو درد سے بھر لیا ہے غم سے معمور کر رکھا ہے۔ اور اب میں جہاں میں سرگشتہ اور حیران و پریشان ہوں اور عشق کے ہاتھوں ضعیف و خستہ حال ہو چکا ہوں)۔

میں نے عشق الٰہی سے اپنے گھر بار اور جائے سکون و استراحت کو بھرپور کر لیا ہے۔ ہر جگہ پر اور ہر کونے کھدرے کو درد عشق سے ہی معمور کر لیا ہے۔ اس لیے اب میرے لیے اس میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں بچی۔ اسی لیے میں اب دیوانوں کی طرح بے گھر اور بے آسرا ہو کر حیران و پریشان پھر رہا ہوں۔ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ بے گھر اور بے در ہونے کے ساتھ ساتھ عشق کے ہاتھوں میں تو بے حد نحیف' نزار' ضعیف اور کمزور ناتواں ہو چکا ہوں کہ کہیں جا بھی نہیں سکتا۔

(۴)

از نیم شب در گلخنے تا روز سازم مسکنے
چوں گلخنے شد ایں دلم از دست عشق از دست عشق

(میں آدھی رات سے صبح تک آگ کے تنور میں رہتا ہوں۔ مدام جلتا رہتا ہوں۔ اس سے اب تو عشق کے ہاتھوں میرا دل بھی آگ کی بھٹی بن چکا ہے)۔

آدھی رات کا خاص طور پر وادیٔ عشق میں بہت مذکو ہے کیونکہ عشاق اکثر آدھی رات ہی کو اپنی آہ وزاریاں اور گریہ و بکا کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور پھر آہ و فغاں اور نالہ و فریاد کا یہ

سلسلہ دن چڑھے تک قائم رہتا ہے۔ عاشق کی گریہ زاری نے اس کی حالت یہ کر رکھی ہے کہ وہ نیم شب سے صبح تک گویا آگ کی بھٹی میں جلتے بھنتے ہوئے گزارتا ہے۔ اس سے اس کا جسم و جاں تو جلتا ہی رہتا ہے، مگر اب روز روز کے اس عمل سے اس کا دل بھی آگ کے ایک دہکتے ہوئے تنور یا چولہے کی مانند ہو چکا ہے۔ اس طرح اس عاشق حقہ کو اب اس کے عشق کی آگ اندر اور باہر سے اسے جلاتی رہتی ہے اور وہ بے چارہ مدام اس آگ میں جلتا بھنتا اور بھسم ہوتا رہتا ہے۔ اس کا یہ حال صرف عشق کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔

﴿۵﴾

ہر روز شب دیوانہ، در گوشۂ ویرانہ
افسانہ کردم رقم از دست عشق از دست عشق

(ہر روز و شب میں دیوانہ سا بنا ہوا گوشہ ویرانی میں پڑا رہتا ہوں۔ دیوانگی اور تنہائی میں مجھے سکون ہے۔ اور میں گویا اس تنہائی میں عشق کے ہاتھوں افسانہ رنج و غم لکھ رہا ہوں)۔

ہر رات اور دن میں میری حالت سدا دیوانے سودائیوں کی سی بنی رہتی ہے اور یوں پھر میں پاگل پنے کی سی حالت میں وارفتہ عشق ہو کر گوشتہ ویرانی میں پڑا رہتا ہوں۔ اس گوشہ تنہائی اور تباہ شدہ حالت میں میری بے رونقی اور اداسی مجھے جو لمحات پریشان فراہم کرتی ہے ان میں میں بڑی ہی گرویدگی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے عشق کی داستان لکھنے میں مصروف رہتا ہوں۔ کتنی اچھی بات ہے کہ مجھے جو گوشہ تنہائی میسر آیا ہے اس میں میری اپنی حالت اور احوال عشق میں کس قدر ہم آہنگی اور ازلی قسم کی المناک گرویدگی موجود ہے۔ اس طرح میری داستان عشق کیوں نہ پرتاثیر ہوگی! اور ہاں یہ سب کچھ عشق کے ہاتھوں ہوا ہے۔

﴿۶﴾

زایں سوئے واں سوئے روم سودائے خامے می پزم
انگشت بدنداں کزم از دست عشق از دست عشق

(میں واویلا اور آہ وزاری کرتا ہوا گاہے ادھر گاہے ادھر جا رہا ہوں، اپنے سودائے خام کو پختہ کر رہا ہوں۔ اور اپنے دانتوں سے انگلیاں کاٹ رہا ہوں، یہ سب عشق کے ہاتھوں ہو رہا ہے)۔

عشق کے ہاتھوں اب میری حالت یہ ہوچکی ہے کہ میں کبھی ادھر سے ادھر اور کبھی ادھر سے ادھر جا رہا ہوں۔ سرگشتہ ہوں' مجھے اس کی خبر ہی نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی اس سعی میں سودائے خام کو پختہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ میں کار بیکار یا غلط خیال کے تعاقب میں ہوں۔ لیکن اس کے باوجود مجھے میری کوشش اور سعی سکون اور حوصلہ بخشتی رہتی ہے۔ اگرچہ میں اکثر اپنے خیال خام پر جنونی اور دیوانگی کی حالت میں اپنی انگلیاں بھی دانتوں سے کاٹتا رہتا ہوں' اس طرح دیوانہ پن کے ساتھ ساتھ تاسف اور حیرانی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی گرتا رہتا ہوں کہ میری یہ حالت صرف عشق کے ہاتھوں سے ہوئی ہے اور مقام خاص تک مجھے میرے عشق ہی نے پہنچایا ہے۔

۷

اے خواجہ مارا چوں شما ' صد فکر بد درکارہا
کردہ خدا برمن کرم ' ازدست عشق از دست عشق

(اے خواجہ! مجھے بھی آپ ہی کی طرح صدہا کاموں کی فکر دامن گیر تھی۔ مجھ پر خدا نے کرم کیا۔ اور یہ سب کچھ عشق کے ہاتھوں ہوا اور میں آزاد ہوگیا)۔

اے میرے آقا' میرے مالک خواجہ! آپ کی سرداری میں جو آپ کے سینکڑوں کام ہیں' میرے بھی میرے عشق میں صدہا گوناگوں کام تھے۔ مجھے بھی آپ ہی کی طرح ان کارہائے رنگا رنگ کی فکر اور ان کی اہمیت کی خبر تھی۔ میں بھی ان کارہائے کثیر میں الجھا اور جکڑا ہوا تھا۔ لیکن میرے عشق نے مجھے متعدد راہیں بجھائی اور یوں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم کر کے میری مشکلیں حل کر دیں۔ میرے لیے میرے کاموں میں آسانیاں پیدا کر دیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب کچھ عشق کے ہاتھوں سے ہی ہوا ہے' ورنہ مجھے تو اپنی ہستی اور حیثیت کا خوب پتا تھا۔

۸

باکس نگیرم الفتے' از خلق دارم وحشتے
مستانہ رقصم دم بدم' از دست عشق از دست عشق

(میں کسی سے واقف نہیں ہوں' خلقت سے مجھے وحشت ہے اور میں ہر دم عشق میں

مستانہ وار رقص کر رہا ہوں۔ یہ بھی عشق ہی کی سوغات ہے یہ سب عشق نے کیا ہے)۔

مجھے کسی سے الفت وانس نہیں ہے۔ نہ کوئی مجھ سے مانوس ہے اور وہ جو دنیا دار لوگ ہیں، میں ان سے گھبراتا ہوں، مجھے ان سے وحشت ہوتی ہے۔ ان کی موجودگی میں میں گھبراہت اور ہیبت میں رہتا ہوں، میں دنیا اور دنیا والوں سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہوں، اس لیے اب میں اپنی ہی کملی میں مست، سب سے بے پرواہو کر دیوانوں کی طرح رقص کر رہا ہوں کہ دیکھا عشق کے ہاتھوں میری حالت کیا سے کیا ہو چکی ہے اور میں کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوں۔

﴿۹﴾

محی خدا را خوان و بس، ایں غم مگو باہیچ کس
باکس مگو تو درد و غم، از دست عشق از دست عشق

(اے محی الدین خدا کو یاد کرو اور بس، کسی سے اپنا غم نہ کہو۔ ہاں پھر تاکید ہے کسی سے اپنا درد وغم بیان نہ کرو۔ جو تمہیں عشق کے ہاتھوں حاصل ہے)۔

اے محی الدین! ہر حالت میں تیرے لیے لازم ہے کہ خدا کا ذکر کرتا رہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اور سفر حیات کے ہر موڑ پر اپنے اللہ کے قوانین کو سامنے رکھو، اس کے مطابق زندگی بسر کرو۔ احکام الٰہی کو ہمہ وقت اپنے سامنے رکھو، یہ ذکر الٰہی کی عملی صورت ہوگی، اسی حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد باری ہے کہ: ''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر ہی سے طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے۔'' (28:13)۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک احسن اصول کے طور پر یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ اپنے غم و آلام دوسروں سے نہ کہتے پھرو۔ کیونکہ دوسروں سے غم کہنے کا فائدہ کوئی نہیں، بلکہ غم کہنے سے ایک طرح کی رضائے الٰہی کے خلاف شکایت اور گلہ گزاری ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بندہ اپنے درد والم کو اپنے ہی تک پوشیدہ اور خفیہ رکھے۔ یہ آداب بھی ہمیں عشق ہی نے سکھائے ہیں اور یہ صورت بھی عشق ہی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

# ردیف۔ک

## غزل ۵۱

(۱)

اے غبار خاک کویت سرمہ چشم فلک
اے بتو محتاج خلق مہر دو عالم یک بہ یک

(یا نبی اللہ! آپ کے کوچے کی خاک چشم فلک کے لیے سرمہ ہے۔ دونوں جہاں کی مخلوق آپ کی محتاج ہے۔ سب تیری محتاجی میں ہیں)۔

یارسول اللہ ﷺ! آپ کے گلی کوچے کی عظمت اور فضیلت بے پناہ ہے۔ جہاں پر آپ رہتے رہے جن گلیوں میں راہوں پر آپ چلتے رہے۔ وہاں کی خاک بھی ہمارے لیے نہایت محترم اور مقدس ہے۔ ہم انسان تو کیا وہ خاک مقدس تو آسمانوں اور آسمانوں کی آنکھوں کے لیے سرمہ ہے۔ یہاں پر آسمانوں کی آنکھوں سے مراد سورج چاند ستارے بھی ہو سکتے ہیں اور سب اسی خاک کوچہ رسول ﷺ ہی کے باعث روشن اور فروزاں ہیں۔ چشم فلک سے مراد آسمانوں کی مخلوقات ملائکہ بھی ہو سکتے ہیں اور خاک ان سب کے لیے سرمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ! دونوں جہاں یعنی کونین کی تمام مخلوقات آپ ہی کی محتاج ہے۔ سب کو آپ ﷺ اور خواہش وطلب ہے۔

(۲)

یارسول اللہ! توئی کان ملاحت پر کمال
کز تو باید روئے خوبان دو عالم رانمک

(یارسول اللہ ﷺ! یا حبیب کبریا ﷺ! آپ پُر کمال کان ہیں۔ آپ ہی کی بدولت حسینان دو عالم کو حسن ملیح ملا ہے)۔

یارسول اللہ ﷺ آپ حسنت جمیع خصالہ ہیں، آپ حسن و جمال کے کمال و عروج پر

ہیں۔ آپؐ کان ملاحت ہیں' آپؐ ہی حسن و جمال اور زیبائش وزینت اور صفات جمال کی ایک عظیم الشان کان' مخزن اور گنجینۂ بے بہا ہیں' بلکہ آپؐ رنگ روپ' جمال اور خوب صورتیوں کا منبع لازوال ہیں۔ اسی لیے آپ ہی سے سب حسین اور سب خوب صورت حسن و جمال حاصل کرتے ہیں۔ دنیا جہاں کی تمام تر رعنائیاں اور خوبصورتیاں آپؐ ہی سے اکتساب فیض کر کے بحال اور قائم دائم ہیں۔ دونوں جہاں کے حسینوں' مہ جبینوں' خوبان خوش ادا کو آپؐ ہی کی ملاحت کی بدولت حسن ملا ہے۔

(۳)

ہر کہ او امروز مالد روئے برخاک درت
آں مبارک روئے فردا کے درآید در ہلک

(جوکوئی آپ کے دروازے کی خاک پر آج اپنا چہرہ ملے گا' تیرے وعدے کے مطابق وہ مبارک چہرے والا کل قیامت میں ہلاکت میں مبتلا نہیں ہوگا)۔

یارسول اللہ ﷺ! یا رحمت للعالمین ﷺ! یہ حقیقت ہے کہ آج اس دنیا میں جو بندہ خدا آپؐ کے دروازہ رحمت ورافت کی خاک پر اپنا چہرہ ملے گا' وہ تو بہت ہی مبارک اور نصیبوں والا ہوگا' اس کا مقدر بڑا روشن ہوگا۔ کل قیامت کے پر ہنگامہ معرکے میں اس خوش بخت شخص کو کسی طرح کی مشکل' پریشانی یا مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ اس پر ہول اور ہولناک دن میں ہلاک ہونے سے بھی بچا رہے گا۔ وہ بے خوف وخطر رہے گا۔

(۴)

شام سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ شد سوار
بر براق راہواری برق ہم چوں تیز و تک

(یا حبیب اللہ ﷺ! آپ محبوب حق ہیں۔ آپ شام کو ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ'' کی خبر کے مطابق تیز وطرار براق پر سوار ہو کر راہوار ہوئے)۔

یا حبیب اللہ ﷺ! آپ رات کے وقت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ'' کے مصداق معراج پر گئے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں اس طرح سے ارشاد باری ہے کہ'' وہ ذات (علو صفات'

ملوثات مادی سے ) پاک ہے جس نے اپنے بندے (سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ) کو مسجد الحرام (کعبے سے ) مسجد اقصیٰ تک راتوں رات لے جا کر سیر کرائی (آپ مقام حجر میں تھے۔ جبرئیل امین آئے' آپ براق پر سوار ہوئے' مرسلین کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی' سدرۃ المنتہیٰ تک گئے۔ معراج ہوئی۔ نماز پنجگانہ کا تحفہ معراج عطا ہوا)۔'' (۱:۱۷) اس شعر میں معراج النبی ﷺ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

⟨۵⟩

در مقام قاب قوسینت خدا کردہ ام

تو رسانیدی سلام حق بہ امت یک بہ یک

(آپ ﷺ کو قاب قوسین کے مقام پر اللہ کی جانب سے سلام کا تحفہ ملا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ کا تحفہ اپنی ساری امت کو پہنچایا)۔

قاب قوسین وہ مقام عالی ہے جس پر حضور نبی اکرم ﷺ کو وہ مقام قرب الٰہی نصیب ہوا جس سے بڑھ کر اور کوئی قرب نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ قرب اللہ تعالیٰ سے بہت قریب تھا یعنی انسانی تعلقات میں جس قدر قرب کو ظاہر کر سکتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر آپ کا تعلق ہے۔ قرآن مجید میں اس طرف یوں اشارہ کیا ہے کہ ''پھر وہ قریب ہوا اور بہت نزدیک ہوا' اور ان کے مابین دو کمانوں سے یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر نزول وحی کیا۔'' (۵۳:۸۔۱۰) شعر میں اسی حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تحفہ سلام عطا کیا جسے بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ بدستور ساری امت تک پہنچاتے رہے۔

⟨۶⟩

از خدایت رحمت و از تو شفاعت روز حشر

در نجات عاصیان امت تو نیست شک

(روز حشر آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے رحمت کا نزول ہوگا اور حسبِ وعدۂ حق آپ ﷺ باعث شفاعت عاصیان بنیں گے' اس میں کوئی شک و شبہ نہیں)۔

متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روز قیامت حضور نبی اکرم ﷺ ہی پر اللہ تبارک

وتعالیٰ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ رحمتوں کا نزول فرمائے گا۔ بلکہ آپ ﷺ ہی سب سے پہلے اپنی قبر مبارک سے اٹھیں گے اور پھر آپ ﷺ ہی کو یہ شرف واعزاز حاصل ہوگا کہ آپ ﷺ عاصیوں اور گناہگاروں کی شفاعت کا موجب بنیں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ آنحضرت ﷺ کو وہ مقام محمود عطا فرمائے گا جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بحوالہ شفاعت آپ ﷺ دیگر امتوں کی بھی سفارش کر کے انہیں عذاب سے نجات دلائیں گے۔

﴿۷﴾

تا ملک بشنودہ است صلوٰۃ تو از امت

عذر خواہی از گناہ امتے شد برملک

(جب ملائکہ آپ ﷺ کی امت کا درود وصلوٰۃ سنتے ہیں' تو آپ کی امت کے گناہوں کی معافی کی سفارش کرتے ہیں)۔

جب امت محمدی ﷺ کے افراد اپنے پیارے اور محبوب رسول پر درود وسلام اور صلی اللہ علی محمد کی صلوٰۃ بھجواتے ہیں' اس طرح سے گویا وہ مسلمان حضور نبی اکرم ﷺ کے حضور اپنے جذبات عقیدت واحترام پیش کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ وہ تعلیمات نبوی ﷺ پر کار بند ہو کر عملی اظہار بھی کرتے ہیں۔ بتایا جارہا ہے کہ جب مسلمان آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں تو اس وقت ملائکہ اسے سن کر امت محمدی ﷺ پر کار بند ہو کر عملی اظہار بھی کرتے ہیں۔ بتایا جارہا ہے کہ جب مسلمان آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں' تو اس وقت ملائکہ اسے سن کر امت محمدی ﷺ کے گناہوں کی کفایت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں' بلکہ بحوالہ قرآن مجید فرشتے بھی تو حضور نبی اکرم ﷺ پر اپنی حیثیت میں درود وسلام بھیجتے ہیں۔

﴿۸﴾

گر نبودے روئے تو می بود در کتم عدم

ہم ولی و ہم نبی وہم سمٰوات و سمک

(یا صاحب لولاک یا صاحب جمال! اگر آپ ﷺ کا حسین اور پرنور چہرہ مبارک نہ ہوتا تو کوئی ولی اور کوئی نبی اور سمٰوات وسمک پیدا ہی نہ ہوتے)۔

یارسول اللہ ﷺ آپ حسن و جمال کے مرکز و منبع ہیں۔ یہ ساری کائنات آپؐ ہی کے حسن و جمال کی بدولت قائم اور موجود ہے اگر آپؐ کا حسین وجمیل چہرہ انوار نہ ہوتا تو دنیا میں نہ کوئی نبی، مرسل، پیغمبر ہوتا اور نہ کوئی ولی اور غوث قطب ہی ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ زمین و آسمان اور سمک مچھلی (جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ زمین اس کی پیٹھ پر رکھی ہوئی ہے) سب پردہ عدم ہی میں ہوتے۔ اس ساری صورت حال کے بارے میں ایک حدیث قدسی بھی موجود ہے کہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ''لولاک لما خلقت الافلاک'' یعنی اے حبیب اگر تو نہیں ہوتا تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔''

⟨۹⟩

مرغ جانہا را بود پر از صلوٰۃ از لطف تو

بے پر تو ایں چنیں تواں پریدن بر فلک

(یارسول اللہ ﷺ! یا حبیب اللہ ﷺ! آپؐ کے لطف و کرم سے طائر جان کو پر لگ جاتے ہیں۔ وہ خوشی اور جوش میں اڑنے لگتی ہے۔ ان پروں کے بغیر تو کوئی روح آسمانوں پر پرواز نہیں کرسکتی)۔

بتایا جارہا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات پر جب صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے تو اس سے لاتعداد اور انگنت برکات و فیوض حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ صلی اللہ علی محمد کے وسیلے سے جان کے پرندے کو گویا طاقتور اور مضبوط پر مل جاتے ہیں۔ انہیں پروں کے ساتھ زندگی بھر انسان نیکیوں اور حسنات کی وادیوں میں پرواز کناں رہتا ہے۔ اور یوں بھی بتایا جاتا ہے کہ صلوٰۃ سلام کی بدولت حاصل ہونے والے پروں ہی کی قوت اور وجہ سے روح انسانی پرواز کر کے افلاک کی بلندیوں میں جاتی ہیں۔

⟨۱۰⟩

نام ہائے عاصیان امت خود رابہ بیں

پس بفرماتا گناہاں [illegible]راکنند از تامہ چک

(یا حبیب اللہ ﷺ! میدان حشر میں اپنی امت کے عاصیوں کے نام دیکھ لیجئے، ان کی

شفاعت فرما کران کے گناہوں کومحو کرادیجیے)۔

درخواست کی جارہی ہے یارسول اللہ ﷺ! آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔آپ رحیم وکریم اور حریص بالعباد بھی ہیں' اس لیے آپ ﷺ اپنی امت کے گناہگاروں کے ناموں کی ایک طویل فہرست ملاحظہ فرمالیں۔آپ پر چونکہ لوگوں کا کسی ایذا میں پڑنا بڑا گراں گزرتا ہے' آپ کی تو یہی خواہش ہوتی ہے کہ لوگوں کی بھلائی ہی ہواور اہل ایمان پر آپ کی بے پایاں شفقت اور رحمت فراواں ہی رہے۔(۱۲۹:۹) اس لیے آپ ﷺ سے درخواست اور استدعا ہے کہ ان گناہگاروں اور بے سہارا عاصیان امت کے گناہوں کوان کے نامہ اعمال میں سے از راہ شفقت و رحمت محو کرادیجیے۔اور ان گناہگاروں کوعفو وغفران کی مملکت میں پہنچادیجیے۔

## ⟨۱۱⟩

محی صلوٰۃ آں شفیع و آں نبی بسیار خواں
زانکہ داری تو بدی بسیار ونیکوئی تو یک

(محی الدین! تم پر لازم ہے کہ تم حضور شفیع المذنبین پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہوتم گناہگار ہو' تمہارے اعمال بد بہت زیادہ اور صرف یہی نیکی ہے)۔

صلوٰۃ وسلام بر نبی برحق حضرت محمد ﷺ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے بتایا جارہا ہے کہ اے محی الدین! تمہارے لیے بلکہ ہر مسلمان کے لیے یہی ضروری ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ پر کثرت کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتا رہے اور آپ ﷺ کے احکام فرامین پر خلوص نیت کے ساتھ عمل کرتا رہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اے انسان تجھے خبر نہیں ہے شاید تیرے تو گناہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لیے بھی ضروری ہے کہ تو درود وسلام پڑھتا رہے۔ کیونکہ یہ صلوٰۃ وسلام ایک یقینی نیکی ہے جو کسی بھی صورت میں ضائع نہیں ہوتی۔

# ردیف۔گ

## غزل ۵۴

(۱)

مونسم یارست اندر تنگ نائے گور تنگ

عاشقاں دو جہاں مارا بس ست ایں نام و ننگ

(اے لوگو! اس میں شک نہیں کہ آتش دوزخ عشق کی حرارت سے جل کر بھسم ہو جائے گی اگر دل جلے عاشق ایک لحظہ بھی دوزخ میں ٹھہر گئے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ گرمیٔ عشق کس قدر عظیم اور حدت و حرارت والی ہوتی ہے۔ یہ عاشق لوگ اور ان کے قلب حزیں ہی ہوتے ہیں۔ جو آتش عشق کو سنبھالتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ دوزخ کی گرمی اور حرارت کوئی معمولی نہیں ہوتی' لیکن اسے کے باوجود اگر دل جلے عاشق ایک لحظہ بھر کے لیے بھی دوزخ میں ٹھہر گئے تو ان کی موجودگی سے دوزخ کی آگ جو المناک اور اذیت ناک ہوتی ہے' وہ بھی بھسم ہو کر رہ جائے گی' گویا عاشق کے دل کی آگ کے مقابلے میں نار جہنم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۳)

آنچہ نورش بود آیا کو بکوہ طور تافت

رفت از و موسیٰ زہوش و پارہ پارہ گشت سنگ

(واہ! وہ کون سا نور تھا جو کوہ طور پر چمکا اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے اور پتھر چکنا چور ہو گئے)۔

واہ سبحان اللہ! اللہ جل جلالہ کا وہ کون سا نور تھا کہ جو جلوہ افروز ہوا اور اس کی جلالی و نورانی کیفیت سے ہر طرح نور ہی نور ہو گیا۔ اس نور تجلی کی تاب نہ لاتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ اور پتھر بھی ٹوٹ پھوٹ اور جل بھن کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اس تجلی

اور نور حق چمکنے کے بارے میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ جب کوہ طور پر تجلی الٰہی کی ایک بجلی سی چمکی تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے اور پہاڑ کا ایک حصہ بھی جل اور ان کی قوم کے کچھ افراد بھی جل کر راکھ ہو گئے۔ یہ اللہ کے نور کی ایک ادنیٰ سی تجلی تھی۔

۴

ہیچ دانستی کہ بایونس دریں دریا چہ کرد

کہ رفیق و مونس او بود در بطن نہنگ

(اے غافل انسان! کیا تمہیں خبر ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ دریا میں اللہ نے کیا سلوک کیا' یہ ذات باری تو مچھلی کے پیٹ میں بھی ان کے ساتھ تھی)۔

کیا آپ کو حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا علم اور خبر ہے اور یہ بھی خبر ہے دریا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ یوں ہے کہ آپ اپنی قوم نینوا میں چھوڑ کر کشتی میں سوار ہو کر شہر سے دور جا رہے تھے۔ طوفان کی حالت میں انہیں سمندر میں ڈال دیا گیا تھا۔ سمندر میں انہیں ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا۔ خدا کے حکم سے آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں صحیح سلامت رہے۔ مچھلی کے پیٹ ہی میں انہوں نے عجز و اخلاص کے ساتھ اپنے پروردگار اور مولیٰ سے دعا کی اور استغفار کی۔ پھر انہیں چند دنوں کے بعد مچھلی نے کنارے پر آکر اگل دیا۔ اس ساری صورت حال اور واقعہ کو قرآن مجید نے بھی بتایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے صحیح و سلامت رکھا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود اس کے ساتھ تھے۔

۵

حسن یوسف از کجا بودست کو دل می برد

از مسلمانان شہر مصر و کفار و فرنگ

(حضرت یوسف علیہ السلام میں اتنا حسن کہاں سے آ گیا تھا کہ جس نے شہر مصر کے مسلمانوں' کافروں اور فرنگیوں کا دل لوٹ لیا)۔

بتایا جا رہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں روایات میں بتایا جاتا ہے کہ آپ

اس دنیا کے حسین اور پر جمال نبی تھے۔ مصر کہ جو اپنے لوگوں کی خوب صورتی کی وجہ سے بہت مشہور تھا اور مشہور ہے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ یہاں تک بتایا جاتا ہے کہ آپ اپنے حسن کو چھپانے کی خاطر چہرے پر نقاب قسم کا کوئی پردہ رکھتے تھے۔ اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نور کا ایک پرتو تھا' ورنہ مصر کے مسلمان اور کافر اور خارجی دنیا کے فرنگ ان کے گرویدہ اور فریفتہ کیوں ہوئے۔ گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حق ہی کا ایک پرتو۔

⟨۶⟩

ہست باغ او درخت میوہ در وے صد ہزار

یک طرف آں میوہ ہا را چیدہ ام در تنگ تنگ

(اے لوگو! اس کے گلستان میں ہزاروں رنگ کے میوہ دار درخت موجود ہیں۔ میں نے تو ان میں چیدہ میووں کو چن کر کئی بوریاں بھر لی ہیں)۔

اس شعر میں ظاہری طور پر دنیاوی باغ و بہار اور یہاں کی بے حساب نعمتوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے اس گلشن جہاں میں ہزاروں قسم کے رنگا رنگ اور لذیذ میووں والے ان گنت درخت موجود ہیں۔ میں نے ان میں سے سب سے اچھے' لذیذ اور خوش رنگ میوے اپنے لیے چن چن کر الگ اور علیحدہ کر کے رکھ لیے ہیں۔ اس سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ یہ دنیا تو بہر حال رنگا رنگ ہے۔ اس میں ہزاروں لاکھوں دل کو لبھانے' روح کو للچانے اور نفس کو پالنے والی چیزیں ہیں۔ لیکن میں نے تو ان میں سے صرف اپنے لیے ایسی چیزیں پسند کی ہیں جو اچھی ہیں۔ اس سے یہ بھی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ میں نے ایسے اعمال و افعال پسند کیے ہیں جو آخرت میں میرے کام آ سکتے ہیں۔ اس شعر میں سب لوگوں کے لیے بھی دعوت اور تنبیہ بھی ہے کہ وہ بھی حسب توفیق اس دنیا میں اچھائیوں اور نیکیوں کو کمائیں۔

⟨۱⟩

گر جمال حق تعالیٰ آرزو دارد کسے

گو برو آئینہ دل را بزن صیقل زنگ

(اگر کوئی بندہ حق تعالیٰ کے جمال کی آرزو کرتا ہے' اسے دیکھنا چاہتا ہے' اسے کہیے کہ

وہ پہلے اپنے آئینہ دل کا زنگ اتار کر اسے صیقل کر لے)۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے حسن و جمال کو دیکھنا کوئی آسان اور عام کام نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو انسان اپنے جسم کی ان ظاہری آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ ان ظاہری آنکھوں سے تو بندہ صرف مظاہر فطرت ہی کو ملاحظہ کر سکتا ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دیکھنے کے دل کی نظریں کام آتی ہیں' یعنی نظر سے مراد محض آنکھ کا طبعی طور پر دیکھنے کا فعل ہے اور بصر میں اس کے ساتھ دل کا ارادہ اور خواہش و طلب بھی ہوتی ہے۔ گویا انسان کے لیے یہ بھی ضرورت ہوتی ہے کہ بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھی کام لے اور اس شعر میں بتایا جا رہا ہے کہ بحوالہ انسان کا آئینہ قلب نا صاف اور مکدر بلکہ وہ تو زنگ آلود ہو چکا ہے۔ لہٰذا جمال حق دیکھنے کے لیے پہلے دل کو صاف کر کے اس کو صیقل کرانا ضروری ہے۔

⟨۸⟩

مشتری از لطف تو بسیار و از قہر تو کم

زانکہ ہر مردے نیا یدپیش صنعت در روز جنگ

(اے پروردگار! تیرے الطاف و اکرام کے بے شمار خریدار ہیں۔ سب اس کے طلب گار ہیں۔ لیکن تیرے قہر کا کوئی طالب نہیں' کیونکہ میدان جنگ میں آگے بڑھ کر لڑنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے)۔

اس شعر میں سرکار حق میں یہ درخواست گزاری جارہی ہے کہ اے رب الرحیم اور اللہ کریم! اس دنیا میں سب لوگ تیرے رحم و کرم اور الطاف و اکرام ہی کے طلب گار ہیں۔ آپ کی رحیمیت اور رحمانیت سے مخلوق سدا رحمتوں اور برکتوں ہی کی طلب رہے۔ اس کے برعکس تیرے قہر اور غیظ و غضب کی نہ تو انسان تاب لا سکتے نہ ان میں اسے برداشت کرنے کی ہمت اور سکت ہے' گویا جس طرح میدان کارزار میں آگے بڑھ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کارنامے انجام دینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی' اس لیے اے ہمارے رحیم و رحمٰن رب! تجھ سے ہم تیری رحمت ہی کے طلب گار ہیں' تیرے لطف و کرم ہی پر ہماری نظر ہے۔

⟨۹⟩

چیزے دیگر ہست با ہر ذرہ در کائنات
آں بہ پردہ کیست بنگر اندراں کس زن تو چنگ

(کائنات کے ہر ذرے میں کوئی اور ہی چیز کارفرما ہے۔ ذرا سوچو اور غور سے تم دیکھو۔ پردے میں جو ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو)۔

کائنات کے ذرے ذرے سے لے کر ارض و سما اور جو کچھ ان کے مابین ہیں۔ سب کے اندر کیا چیز ہے' کس کے جلوے ہیں۔ ان سب کی روح اور جان کون ہے؟ یہ سب کس کے تابع فرمان ہیں۔ کون ہے جو ان سب پر بلا شرکت غیرے حکمران ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ ارض و سما کی مملکت خدا کی ہے۔ ارض و سما میں سب اس کے لیے ہے اور ''کائنات کی ہر شے اس کے قوانین کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔'' (۱۸۰:۳) اسی سیاق و سباق میں شعر میں اس امر کی دعوت دی گئی ہے کہ جو اس کائنات میں روح رواں ہے۔ اس کے بارے میں غور و خوض سے کام لیا جائے اور اسی کی متابعت اختیار کی جائے۔

⟨۱۰⟩

من زبان قال دارم' او زبان حال را
از دل مجروح نئے بشنو تو نے از نماؤ و جنگ

(میں زبان حال رکھتا ہوں اور وہ زبان حال کا مالک ہے۔ تم بنسری کے دل مجروح آواز سنو نہ کہ بنسری کی)۔

اس شعر میں صوفیانہ اصطلاحات میں بات کی گئی ہے کہ میں تو صرف ظاہری باتوں پر نظر رکھتا ہوں' ظاہری باتوں ہی کا ماہر اور ان پر بات کرنے والا ہوں جبکہ وہ مجذوب ہونے کی حالت میں زبان حال کا مالک ہے۔ اس لیے تم یہ نہ دیکھو اور محسوس کرو کہ یہ آواز جو بنسری سے پیدا ہو رہی ہے' یہ اس خالی خولی نے کی آواز ہے بلکہ دیکھو کہ اس بنسری کی آواز کا اصل منبع تو اس کا مجروح اور زخمی دل ہے۔ گویا ظاہری حال کے بجائے حال یعنی جو احوال حقیقت ہوتی ہے وہ اہم اور قابل ذکر ہے۔

(۱۱)

خوردہ ام مے چشم مخمورم بہ بیں و سر برآر

کہ خمار بادہ دارد باشد او مخمور تنگ

(میں نے شراب پی ہے اور میری مخمور آنکھیں جو ہیں تم انہیں دیکھو شاید اس طرح تم اس سر کو پالو' کیونکہ شراب پینے والا تو نشے میں مجبور اور معذور ہوتا ہے)۔

اے دوست میں نے تو شراب عشق حق نوش جاں کر رکھی ہے۔ اس سے میری کیفیت ہی اور ہو چکی ہے۔ اس شراب کا خمار میری آنکھوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اے دوست! تم میری آنکھوں کے اس خاص خمار اور مستی کو دیکھو۔ شاید تم اس طرح سے کسی حقیقت کا راز پا سکو۔ اپنی اس حالت میں' میں تو کچھ نہیں بتا سکتا اور نہ مجھے ہوش ہی ہے۔ میں نے تو شراب پی رکھی ہے اس لیے میں نو فرد ملوث ہوں۔ میں کچھ اظہار کرنے کے نہ تو قابل ہوں نہ اس اظہار پر قادر ہوں۔ مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ تم جو اس سے بچے ہوئے ہو ایک شخص غیر ملحق ہونے کی وجہ سے میری آنکھوں میں سے جھانک کر دیکھو شاید کسی خفیہ راز کو جان سکو یا صرف محسوس ہی کر سکو کہ میری حالت اور کیفیت کیا ہے!

(۱۲)

ریخت ساقی جام بادہ در دہان جہان محی

کم نشد مستئی آں می از دل او ہیچ رنگ

(ساقی نے محی الدین کی جان کے منہ میں جام عشق ڈال دیا ہے۔ اس سے اب اس کی جو مستی اور سرمستی ہے وہ کسی طور کم نہیں ہوگی)۔

اے میرے دوست! از راہ کرم و لطف اس ساقی حق نے خود ہمیں (یعنی محی الدین کو) جام عشق پلایا بلکہ اس نے تو ہماری جان کے منہ کو کھول اس میں جام بادہ گویا ڈال دیا ہے۔ اس نے یہ جام خود انڈیلا ہے۔ اس وقت ہم بے بس اور بے ارادہ تھے اور اب صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ اس جام وحدت سے جو مستی اور خمار ہمیں میسر آیا ہے وہ کسی طور کم ہو ہی نہیں رہا۔ بلکہ اب تو ہماری خواہش اور آرزو یہی ہے کہ یہ سرخوشی اور مستی سدا ہم پر وارد

رہے۔ ہم اس سے ایک لحہ کے لیے بھی علیحدہ نہ ہوں۔ اور اس نشہ خاص میں کسی بھی لحہ کمی واقع نہ ہو۔ اس کے بغیر ہمارا ایک پل بھی نہ گزرے۔ اور یہ کوئی مجھ اکیلے ہی کی رائے اور طلب نہیں بلکہ ہر عاشق صادق سدا عشق الٰہی کا جام نوش جاں کر کے اس کی مستی ہی میں رہنے کا طلب گار ہوتا ہے۔

## غزل ۵۳

⟨۱⟩

نامہ دارم سیہ تر از شب تاریک رنگ
باوجود از تو نیم نومید یارب ہیچ رنگ

(اگرچہ میرا نامہ اعمال سیاہ رات سے بھی زیادہ تاریک ہے۔ اس میں نیک اعمال موجود نہیں ہیں۔ اس کے باوجود یارب! میں تیری رحمت سے کسی طور بھی ناامید نہیں ہوں)۔

اے میرے پروردگار! میں بے حد گناہگار ہوں۔ میرا اعمال نامہ گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ میرے برے اعمال بے شمار ہیں۔ ان کے باعث نامہ اعمال کالی رات سے بھی زیادہ سایہ ہو چکا ہے۔ گناہوں کی اس قدر کثرت اور زیادتی کے باوجود اے میرے رب کریم میری نظر تیرے عفو و درگزر پر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو سب سے بڑا غفار اور غفور الرحیم بھی ہے تو اپنے بندوں کے گناہوں کے بخشنے کے لیے بڑا وسیع دامن غفران رکھتا ہے۔ اس لیے میرے پروردگار میں مایوس نہیں ہوں۔ میری نظر آپ کی بے پایاں رحمت پر ہے اور آپ کے وعدے پر بھی کہ اے لوگو! مری رحمت سے ناامید نہ ہو۔

⟨۲⟩

از سیہ روئی بہ محشر یادم آمد نیم شب
روئے زرد خویش را کردم بہ اشک سرخ رنگ

(جب آدھی رات کے وقت مجھے محشر میں اپنی سیاہ روئی کا تصور سامنے آتا ہے تو میں اپنے زرد چہرے کو رو رو کر خونیں اشکوں سے سرخ کر لیتا ہوں)۔

رات کا وقت واقعی ایک طرح سے محاسبے اور غور و خوض کا بھی وقت ہوتا ہے۔ تنہائی اور یک سوئی کے اس عالم میں انسان ایک حقیقت پسندی کے ساتھ کام لیتا ہے اور اس کا غور و خوض اسے اکثر صحیح صورت حال سے آگاہ کرتا ہے۔ اس وقت جب انسان اپنے اعمال پر نظر کرتا ہے تو اسے اپنے کیے کرائے کا احساس ہوتا ہے۔ شاعر بتا رہا ہے کہ جب رات کے اس سمے میں یہ تصور لاتا ہوں کہ میں محشر کے میدان میں اپنے گناہوں کے سبب روسیاہ ہو کر جا رہا ہوں، تو اس کے بعد میں ندامت اور پچھتاوے میں خونیں اشکوں سے اپنے پژمردہ چہرے کو سرخ کر لیتا ہوں۔

(۳)

یک نظر سوئے من قلبے برآید کار من
تا نماند در دل زنگار خوردہ ہیچ زنگ

(میرے پروردگار! آپ کی نظر کرم اگر میرے قلب پر بھی پڑ جائے تو یہ کارآمد بن جائے اور میرا کام بن جائے۔ اس طرح میرے زنگ خوردہ دل کا سب میل کچیل اتر جائے گا)۔

اے میرے پروردگار آپ کی عنایات اور نوازشات پر ہی میری نظر ہے۔ میری حالت ایک ناقص سکے اور بے کار شے کی سی ہے۔ اس لیے اگر آپ کی نظر کرم و لطف ہو جائے تو میرا مغموم نا آسودہ اور دل بے قرار پر پڑ جائے تو اس سے میرا کام بن جائے اور میرے دل کی ساری کدورتیں اور زنگ دور ہو جائیں۔ اے میرے رب الرحیم میرے زنگ خوردہ قلب حزیں کے تکدر اور زنگ اور دنیاوی میل کچیل اور آلائشوں سے صرف تیری نظر کرم ہی صاف اور پاک کر سکتی ہے۔

(۴)

یارب ایں بار امانت بس گراں وچوں کنم
مرکبم از حد بروں بے طاقت وزارست ولنگ

(یارب! یہ امانت کا بوجھ جو مجھ پر ڈالا گیا ہے بہت بھاری ہے۔ میں ناتواں ہوں۔

میں کیا کروں۔ میری سواری بہت کمزور' لاغر اور لنگڑی بھی ہے)۔

انسان اپنے پروردگار کے حضور یوں عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! امانت کا وہ بوجھ جو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے پہلو تہی کی' اس بوجھ کو میں نے بطور انسان اٹھالیا۔ (۷۲:۳۳)۔ یہ بوجھ بلاشبہ میری ہمت اور واستطاعت سے بہت زیادہ اور وزنی ہے۔ مگر مجھ پر بہت بڑی امانت عظیمہ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن میرے رب کریم! میں کیا کروں۔ میری سواری بہت اور کمزور بے طاقت اور نحیف ونزار ہے۔ یہی نہیں وہ ناتواں بھی اور لنگڑی بھی ہے۔ اس حالت میں میرا سہارا اور مددگار آپ کی رحمت کے سوا اور کون ہوسکتا ہے۔

⑤

اے مسلماناں بدیں کردار گر آیم بدید

بت پرستاں از مسلماناں ہمی دارند ننگ

(اے لوگو! اگر میں کل روز محشر اپنے اس کردار کے ساتھ ظاہر ہوا تو میرے اس کردار پر بت پرستوں کو مسلمانوں سے شرم آئے گی)۔

اس شعر میں مسلمانوں کی عام روش کی بات کی جارہی ہے کہ وہ سب ظاہری طور پر اور نام کے تو مسلمان ہیں ہی' لیکن ان کے اعمال وافعال اور سرگرمیاں سراسر بت پرستوں والی ہیں' لیکن افسوس اور حیرت ہے' اگرچہ مسلمانوں نے بتوں کی پرستش کرنا اختیار نہیں کی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے کئی بت اور معبودان باطل بنا رکھے ہیں۔ اور اس ساری لاعلمی اور جہالت میں کل کو حشر کے دن جو ہماری مسلمانوں کی حالت ہوگی' اس پر تو بت پرستوں کو بھی شرم آئے گی۔ اس شعر میں مصنف نے اپنے عجز وانکسار سے مسلمانوں کی حالت زار کو خوب بڑھا چڑھا کر اس لیے بیان کیا ہے تاکہ اصلاح کا پہلو نکل سکے۔

⑥

چوں نہ بینم ہیچ گہہ تدبیر خود درکائنات

روئے خود مالیدم اندر پائے ترساؤ فرنگ

(یہ بھی کیا صورت تھی کہ جب میں نے کائنات میں اپنی تدبیر کو کارگر ہوتے ہوئے نہ

دیکھا تو اپنے چہرے کو ملتا ہوا ترسا اور فرنگ کے پاؤں پڑ گیا)۔

(اپنی دوں ہمتی' بے عملی اور بدتدبیری کے باعث جب میں پے بہ پے ناکامیوں سے دوچار ہونے لگا' جب میرے منصوبے اور حکمت و دانائی ناکافی اور بے کار ہونے لگی تو میں اپنی تدابیر کی ناکامیوں اور عدم تکمیل پر اپنی کوتاہیوں' بدعملیوں اور کمزوریوں کا جائزہ لیتا اور جس صحیح راہ سے بھٹکا تھا۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کے اصول کے تحت دوبارہ اس راہ پر آ جاتا۔ لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ میں اغیار اور غیر مسلموں کی راہوں پر ہو لیا۔ میں نے اپنے ارادوں کے فسخ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کر کے اصلاح نہ کی بلکہ تقلید اغیار کا شکار ہو گیا۔

﴿۷﴾

گر خدا گوید چہ آوردی برائے ما ز خاک
روئے گرد آلود خود بنمائم اندر گورِ تنگ

(اگر خدا نے پوچھا کہ میرے لیے دنیا سے کیا لائے ہو۔ تو میں تنگ و تاریک قبر میں سے اپنا گردآلود چہرہ دکھا دوں گا۔ کہ میرے پاس یہی سوغات ہے)۔

اس شعر میں ایک بار پھر انسان کی فروتنی' عاجزی اور خاکساری کی بات کی گئی ہے کہ اگر پروردگار عالم مجھ سے یہ دریافت فرمائے گا کہ اے میرے بندے! تو نے دنیا میں اتنی زندگی گزاری' تو اپنی من مانیوں سے اور اپنی خود مختاریوں سے جو تیرے بس میں تھا وہی کرتا رہا۔ لیکن چونکہ تجھے بالآخر میرے ہی پاس آنا تھا۔ اس لیے اب بتاؤ اس دنیا میں میرے لائق اور میرے لیے کیا لے کر آئے ہو۔ تو اس جواب پر میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا دامن تو نیکیوں اور بھلائیوں سے خالی ہے۔ اس ندامت' بدحالی اور خست و خفت میں میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ میں قبر میں سے اپنا گرد و غبار میں اٹا چہرہ ہوا نکال کر اپنے رب الرحمٰن کو دکھا دوں اور اقرار کر لوں کہ میرے پاس اس گرد آلود روئے پر مژدہ کی سوا اور کچھ نہیں ہے۔

﴿۸﴾

صلح کن یارب بمن اندم کہ در خاکم نہند
باگدائے عاجزے سلطان کجا کردست جنگ

(اے میرے رب کریم! میری درخواست ہے کہ جب میں قبر کی خاک میں رکھ دیا

جاؤں تو میرے ساتھ صلح کر لینا۔ تو عظمت والا ہے، میں عاجز و بے کس ہوں۔ بادشاہ تو کسی گدا گر کے ساتھ جنگ نہیں کرتا)۔

اس شعر میں بھی انسانی عاجزی کی ایک اور طرح سے تصویر کشی کی گئی ہے کہ اے میرے رب الرحیم و کریم تو بہت بڑا شاہنشاہ بلکہ احکم الحاکمین ہے۔ تیرے سامنے میری عاجزی اور مسکینی کی کوئی جا نہیں ہے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ جب میری موت کے بعد میرے دوست احباب اور لواحقین مجھے قبر میں ڈال جائیں تو اس وقت میرے رب کریم مجھ پر اپنا رحم کرنا۔ مجھے معاف فرما دینا اور میرے ساتھ اپنی رحمت بے پایاں کے طفیل صلح کر لینا۔ میں تو ایک ادنیٰ عاجز اور ناچیز بندہ ہوں اور سب سے شہنشاہوں سے بڑا اور سب عظمت والے حاکموں سے بڑا حکمران اور عاکم ہے۔ میرا آپ سے کوئی مقابلہ اور موازنہ ہی نہیں بنتا۔ اس لیے کہ کبھی کوئی بادشاہ اپنے ادنیٰ غلام یا گدائے بے نوا اور بے آسرا کے ساتھ ہرگز جنگ نہیں کرتا۔ انسان تیرے ساتھ موازنہ و مقابلہ تو کجا تیرے سامنے کھڑا ہونے کے بھی لائق نہیں ہے۔

## ⟨۹⟩

رحمت باغیست پر نعمت منم طواف او

از چناں باغے تہی بیروں نخواہم بروچنگ

(اے اللہ! تیری رحمت تو نعمتوں سے بھرا ہوا ایک باغ عظیم ہے۔ اور میں اس کے طواف کر رہا ہوں۔ میں اس باغ سے ہرگز خالی ہاتھ نہ جاؤں گا)۔

اے ارحم الراحمین! تو رب الرحم الرحیم ہے۔ تیری رحمتیں بے حد و حساب ہیں۔ وہ حساب اور شمار سے باہر ہیں۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اے پروردگار! تیری رحمتیں تو انعامات و اکرامات سے معمور ایک بہت بڑا باغ ہیں۔ اس کے اندر جو انعامات ہیں ان کا تو کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ اور اے میرے رب رحیم! مجھے یہ بھی یقین اور میرا ایمان ہے کہ یہ ساری کی ساری رحمتیں تو نے اپنے بندوں ہی کے لیے مخصوص رکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے میرے اللہ! میں اس باغ کا مسلسل طواف کر رہا ہوں۔ میری درخواست اور آرزو اور التجا ہے مجھے اپنی رحمتوں سے محروم نہ رکھنا۔ میرا بھی دامن اپنی بے پناہ رحمتوں سے بھر دینا۔

(۱۰)

کور ہستند آں کہ نومیدم کنند از رحمت

برمن بے چارہ رحمت کن خدایا بے درنگ

(میرے رحیم و کریم اللہ! وہ لوگ جو مجھے تیری رحمت سے نا امید کرتے ہیں وہ اندھے ہیں۔ اے میرے رب رحیم! مجھ بے چارے پر بلا تاخیر اپنی رحمت فرما)۔

اے میرے رب الرحمٰن الرحیم! وہ لوگ جو ہمیں گمراہ کرتے ہیں' جو ہمیں تیری رحمتوں سے دور رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔ جو ہمیں تیری رحمتوں کے بجائے مایوسی سے دو چار کرتے ہیں۔ اے اللہ وہ لوگ تو سراسر اندھے اور ظالم ہیں۔ وہ بے شعور ہیں بلکہ وہ تو جانوروں سے بھی اسفل ہیں۔ انہیں تیری رحمتوں کی وسعتوں اور فراوانیوں کی خبر ہی نہیں ہے۔ وہ آنکھوں کے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے اور بدقسمت ہیں۔ اے پروردگار! تو سب سے بڑا رحیم کریم اور رحمٰن ہے۔ تیری رحمتوں کا کوئی شمار نہیں ہے۔ مجھے اپنی بے پناہ رحمتوں سے فعال کردے۔ مجھ پر دیر کیے بغیر اپنی رحمتوں کی ارزانی فرمادے۔ تیری رحمتوں پر ہی میری نظر ہے اور میں تیری رحمتوں ہی کا طلب گار ہوں۔

(۱۱)

اے خدا از لطف خود کن تو سپرداری مرا

زانکہ نیکاں مریداں را می زنند تیرو خدنگ

(اے خدا! میری دعا ہے کہ روز محشر تیرا لطف و کرم میری ڈھال بن جائے۔ کیونکہ اس روز نیک لوگ بروں پر طعنہ زن ہوں گے اور طعنوں کے وہ تیر چلائیں گے)۔

یہاں پر ایک بار پھر اس انسان کی حالت بیان کی گئی ہے جس کا دامن نیکیوں سے خالی ہوگا۔ قیامت کے دن کے حوالے سے بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے اس روز نیکوکار لوگ اپنی خوش نصیبی پر فخر کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ گناہگاروں پر طعن و تشنیع کے تیر چلائیں گے۔ اسی تناظر میں اے اللہ میں تو گناہ گار ہوں۔ میرے پاس نیکیوں کا سرمایہ نہیں ہے۔ میرے مقدر میں جنت کی نعمتیں ہوں گی' اس لیے میرے اللہ! میری درخواست ہے کہ تیری

رحمت ہی میرے لیے میری سپر اور ڈھال بن جائے جو مجھے نیک لوگوں کے طعنوں کے بانوں سے محفوظ رکھے اور میں تیروں سے بچا رہوں۔

﴿۱۲﴾

محی چوں در مو سفیدی دید گفت آہ و دریغ

نامہ داریم سیہ تر از شب تاریک رنگ

(محی الدین نے جب اپنے بالوں میں سفیدی دیکھی تو معلوم ہوا پیری چھا چکی ہے' تو اس نے بے دریغ کہا کہ افسوس میرا نامہ اعمال تو تاریک رات سے بھی زیادہ سیاہ ہے' لیکن میرے بال سفید ہو گئے)۔

یہ ایک تنبیہی قسم کا شعر ہے۔ اس میں بتایا جارہا ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنی موج میں اور اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے زندگی بسر کیے جارہا ہے۔ وہ آخرت کی فکر اور اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کو بھولا ہوا ہے۔ اسی طرح شب و روز گزرتے ہوئے وہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ بال سفید ہو جاتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے اے انسان افسوس ہے تجھ پر تیرا اعمالنامہ تو بدیوں اور گناہوں سے سیاہ ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ تو اندھیری رات سے بھی زیادہ تاریک ہے۔ لیکن تیرے سر کے بال سفید ہیں۔ اے انسان تو نے کبھی اپنی آخرت اور نامہ اعمال کی سیاہی کی فکر نہ کی' لیکن تو موت کی گود میں جانے والا ہے۔ اس لیے تجھ پر افسوس ہے صد افسوس ہے۔

## ردیف۔ ل

## غزل ۵۴

﴿۱﴾

تیر او پیوستہ می خواہم کہ آید سوئے دل

لیک می ترسم شور پیوستہ در پہلوئے دل

(میں چاہتا ہوں کہ اس کا تیر سیدھا میرے دل میں لگے۔ لیکن خدشہ ہے کہ یہ کہیں اور

ادھر ادھر پہلوئے دل میں نہ لگ جائے)۔

میری آرزو اور خواہش یہ ہے کہ میرے محبوب کا تیر سیدھا میرے دل ہی میں آکر پیوست ہو۔ یہ تیر تو میرے محبوب کی جانب سے ایک تحفہ اور میرے لیے نعمت ہوگا۔ دوست کے تحفے کو تو دل و جان سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس لیے تو میں چاہتا ہوں کہ یار کی اس دولت کو میں دل ہی میں جگہ دوں اور وہ تیر سیدھا میرے دل ہی میں آکر لگے اور وہیں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ لیکن خدشہ یہ ہے کہ اگر یہ تیر میرے دل کے بجائے ادھر ادھر پہلوئے دل میں لگ گیا تو یہ گویا یار کے تحفے کی ناقدری ہوگی۔ میں اس گستاخی سے بچنا چاہتا ہوں۔ یہاں پر محبوب کے تیر سے مراد اللہ کی نظر بھی ہے۔

﴿۲﴾

دل زمن گم گشتہ اکنوں روزگارے شد کہ من
گرد کویش در بدر گردم بہ جستجوئے دل

(میرا دل گم ہو گیا ہے۔ نہ معلوم کہاں اور کدھر ہے وہ! عرصہ بیت چکا ہے کہ اسے تلاش کرنے کے لیے کوئے یار کے ارد گرد اور در بدر پھر رہا ہوں)۔

اے دنیا والو! میرا بے تاب دل کہیں گم ہو گیا ہے۔ میں ایک عرصہ سے اس کی تلاش میں ہوں۔ سرگرداں اور مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اور اب تو میں اس کو ڈھونڈنے کے لیے محبوب کی گلی تک پہنچ چکا ہوں۔ اس لیے ہی میں کوئے یار کے ارد گرد پھر رہا ہوں اور در بدر آوارگی کی حالت میں بے ٹھکانہ ہو کر دیوانہ وار اپنے دل کو کھوج رہا ہوں۔ میرا دل عشق الٰہی میں جکڑا گیا ہے۔ اس لیے اب مجھے کچھ ہوش نہیں کہ میں کہاں ہوں اور میرا دل کہاں ہے۔

﴿۳﴾

گل رخاں را باید از غنچہ وفا آموختن
کو بہ بلبل تادم آخر نماید روئے دل

(گل رخوں کو چاہیے کہ وہ غنچے سے وفا کا سبق سیکھیں کہ وہ تو آخر دم تک اپنے دل کا چہرہ اپنے محبوب بلبل کو دکھاتا رہتا ہے)۔

حسینوں، مہ جبینوں اور گل رخوں کو اگر چہ وفا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا' لیکن اس کے باوجود انہیں چاہیے کہ وہ شگوفوں اور غنچوں سے وفا کے آداب اور قرینے سیکھیں اور ان غنچوں اور پھولوں پر بلبل سے چھپاتے نہیں بلکہ بلبل کو بدستور وہ اپنا چہرہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اس شعر میں شاعر نے بڑے لطیف شاعرانہ خیال کو سمویا ہے۔ معشوق کے دہن کو بھی غنچہ ہی کہا جاتا ہے۔

(۴)

گر سگ کویش کند دیوانگی نہ بود عجب
چوں دل من ہم دمش بود اور گرفتہ حوئے دل

(اگر کوئے یار کا کتا دیوانہ ہو گیا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ وہ تو ہمارا ساتھی ہے ہمارے ساتھ رہا ہے۔ چونکہ میرا دل اس کا ہم دم ہے۔ اسی لیے اس نے میرے دل کی عادت کو اپنا لیا ہے)۔

اس شعر میں اس خیال کو سمویا گیا ہے کہ کوئے یار کا کتا اگر دیوانہ اور پاگل ہو چکا ہے تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔ وہ سگ کوئے یار تو میرا ساتھی اور میرا رفیق ہے' وہ بھی میری ہی طرح میرے یار کی گلیوں میں آوارہ گردی کرتا ہے اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے اس محبوب کے عشق میں میرا دل دیوانہ' پاگل اور وارفتہ ہو چکا ہے' اس لیے کوئے یار کے کتے نے بھی میرے دل دیوانہ' پاگل اور وارفتہ ہو چکا ہے' اس لیے کوئے یار کے کتے نے بھی میرے دل کی خوئے دیوانگی اپنا لی ہے اور دیوانہ ہو چکا ہے۔ ہمدم اور یار پر دوست کا رنگ چڑھنا اور اس کی صحبت کا اثر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کتا تو میرے دل دیوانہ کے اثر سے دیوانہ ہوا ہے۔

(۵)

آتش از عبرت زنم خلوت سرائے سینہ را
گر بود آنجا بجز درد تو ہم زانوئے دل

(اپنے دل کے خلوت کدے میں اگر میں تیرے درد کے سوا کسی اور کو بٹھاؤں تو میں

غیرت کے ساتھ اس خلوت کدہ کو آگ لگا دوں گا)۔

بتایا جا رہا ہے کہ اے میرے محبوب۔ میرے دل کے خلوت خانے میں صرف تو ہی تو ہے۔ میری گوشہ نشینیوں کا ساتھی تیرے سوا میرا اور کوئی نہیں ہے۔ تو ہی نے میری تنہائیوں اور عزلت گزینیوں کو سجا رکھا ہے۔ میرا خلوت خانہ صرف تیرے ہی لیے وقف ہے اور اس میں میرے ہمراہ صرف تو ہی ہوتا ہے۔ اس خلوت سرائے کو تیرے درد نے مزین اور آراستہ کر رکھا ہے۔ اس لیے اب تو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تیرے غم اور درد کے علاوہ کوئی یہاں براجمان ہو سکتا ہے۔ اب اگر میرے درد و الم کے سوا کوئی اور دوسرا ہوگا تو غیرت کی وجہ سے میں اس خلوت کدہ کو آگ لگا کر خاکستر کر ڈالوں گا۔

(۶)

اے پری رویاں دل محیؔ بدست آرید باز

ورنہ تا محشر نخواہد کرد گفت و گوئے دل

(اے پری وش حسینو! محی الدین کا دل واپس کر دو۔ ورنہ یہ محشر تک اپنے دل کی کوئی گفتگو نہیں کرے گا۔ اس کا ذکر نہیں کرے گا)۔

اے پری جمال، خوبرو حسینو! تم نے میرا دل لے رکھا ہے۔ میرا دل تمہارے حسین و جمیل ہاتھوں میں قید ہے۔ اس کے بغیر میں تڑپ رہا ہوں میرا دل تمہارے قبضہ میں ہے، اس کے جدا ہونے کے بعد میں تو صرف ایک خالی قالب کی صورت میں رہ گیا ہوں۔ اس لیے اے حسن و جمال کے مجسمو! میرا دل مجھے واپس لوٹا دو۔ یہ آپ کی بہت بڑی مہربانی اور نوازش ہوگی۔ اور ہاں یہ بھی ہے کہ اگر تم میرا دل مجھے واپس نہیں کرو گے تو پھر میں اس لائق ہی نہیں رہوں گا کہ میں روز محشر تک کبھی اس دل کی بات کر سکوں۔ دل کے بارے میں مدام خاموش ہو کر رہ جاؤں گا۔

# غزل ۵۵

(۱)

کے بود آیا کہ بنمائی جمال باکمال

زندہ گروند ماہیان مردہ از آب زلال

(وہ کون سا لمحہ ہوگا کہ جب تو اپنا جمال باکمال دکھائے گا' اور اس سے تو مردہ مچھلیاں بھی دیدار کے ٹھنڈے پانی سے زندہ ہو جائیں گی)۔

وہ کون سا موسم' کون سا دن اور کون سا لمحہ ہوگا کہ جب تو حسین مہ جبیں اپنا جمال با کمال ہمیں دکھائے گا۔ تیرا جمال باکمال بڑا ہی معجزنما ثابت ہوگا۔ اس سے تو گویا یوں ہوگا کہ تیرے دیدار کے صاف اور شیریں پانی سے مردہ ہو جانے والی مچھلیاں بھی زندہ ہو جائیں یہ تیرے پر جمال حسن کے دیدار کا اعجاز ہوگا کہ اس سے مردوں کو بھی دوبارہ جان مل جائے گی۔ ہم کہ جو عاشق ناصبور' ہیں جو مدام گریہ کناں رہتے ہیں' اور اپنے لاشے خود اپنے سروں پر اٹھائے پھر رہے ہیں' تیر۔ حسن کے دیدار کے اعجاز سے ہم بھی زندوں میں ہو جائیں گے اور قلبوت مردہ میں بھی جان آجائے گی۔ بحوالہ تصوف اس شعر میں لقائے ربی کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اس سے تو ''اس دن بہت سے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ (۷۵:۲۲:۲۳)

(۲)

در جہنم خوش تواں بودن اگر یکبار تو

در ہمہ عمر آئی و پرسی وگوئی چیست حال ؟

(اگر تو جہنم میں صرف ایک بار ہی آکر ہم سے پوچھ لے کہ ہم کس حال میں ہیں' تو ہمارے لیے وہاں جہنم میں رہنا بُرا نہیں لگے گا بلکہ باعث خوشی ہوگا ہم آسانی سے وہاں رہیں گے)۔

اے ہمارے محبوب حقیقی! تو ہمارے حال سے خوب واقف ہے اگر ہم جہنم میں بھی

ہوں گے تو ہمیں اس کی پرواہ اور فکر نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ تو ہمیں اس ہمارے جہنم میں آ کر ہمارے احوال کو دیکھ کر صرف ہم سے ہی پوچھ لے کہ ہم کس حال اور کیفیت میں ہیں تو یہی آپ کی بہت بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ کی اس احوال پرسی پر ہی ہم خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے کہ ہمارے حبیب نے ہم سے ہمارا حال پوچھا ہے۔ اس احوال پرسی سے ہمیں آپ سے اپنی نسبت کا احساس وادراک ہو جائے گا' اور یہ بھی خاطر جمع رہے گی کہ آپ ہمارے دوزخ کے مسکن کے احوال کو خوب جانتے ہیں۔ اس کے بعد اس دوزخ میں رہنا ہمارے لیے سہل اور آسان ہو جائے گا۔ ہمیں دوزخ کی آگ اور تپش کچھ نہیں کہے گا۔

﴿۴۳﴾

در قیامت حشر راحاجت بہ نفخ صور نیست

آید از ہر گور خلق مردہ از بوئے وصال

(قیامت کے موقع پر حشر میں مردوں کو قبروں سے اٹھانے کے لیے صور پھونکنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ بوئے وصال حق ہی سے مردہ مخلوق اپنی اپنی قبروں سے باہر آجائے گی)۔

بحوالہ نفخ صور اور مردوں کے جی اٹھنے کے بارے میں قرآن مجید میں اس طرح سے ارشاد باری موجود ہے کہ ''پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور وہ (لوگ) یکا یک دنا گہاں اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کے حضور حاضری کے لیے، دوڑ پڑیں گے۔'' (۳۶:۵۱)۔ اس صورتحال کو ایک، عاشق کی زبانی یوں بیان کیا گیا ہے کہ اے مالک روز جزا! اس روز معرکہ محشر میں لوگوں کے لیے صور اسرافیل پھونکنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ مردے زندہ ہو جائیں۔ بلکہ صورت حال تو یہ ہوگی کہ اللہ کی ساری مخلوق تو لقائے ربی کی خوشی میں جسے بوئے وصال الٰہی بھی کہا گیا ہے' اسے محسوس کر کے ہی قبروں سے اٹھ بیٹھے گی۔ اس ضمن میں کہ لوگ لقائے ربی کے منتظر ہوں گے یوں ارشاد باری ہے کہ ''یہ اہل ایمان اپنے رب سے ملنے والے ہیں' ان کے سینے تو علم وعرفان سے روشن ہیں۔'' (۲۹:۱۱)

۴

خانہ عاشق دلست و آں چناں پرشد ز دوست
کاں چہ غیر دوست ہست ایں جا نمی یابد مجال

(عاشق کا گھر تو اس کا اپنا دل ہوتا ہے۔ اس کی ساری کائنات دل ہی ہوتا ہے۔ اور یہ گھر اس کے دوست سے اس طرح سے معمور ہے کہ اب اس میں کسی اور کے لیے گنجائش ہی باقی نہیں ہے)۔

عاشق صادق کا سارا دارومدار اس کے دل پر ہوتا ہے۔ یہی اس کا رہنما اور یہی اس کا رہبر ہوتا ہے۔ دل عاشق ہی اس کے لیے جائے سکون و امن ہوتا ہے اور وہی اس کا اول و آخر گھر ہوتا ہے۔ عاشق بہرصورت بحوالہ اپنے عشق کے اپنے محبوب کی محبت کی میزبان بھی ہوتا ہے۔ وہ الفت حبیب کا مہمان دار ہوتا ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ عاشق کا خانہ دل دوست کی محبت سے بھرپور اور معمور ہو چکا ہے۔ اس لیے اب اس خانہ دل عاشق میں دوست کے علاوہ کسی غیر کے لیے نہ تو جگہ ہے اور ضرورت ہی ہے۔ عشق الٰہی کے ناتے سے اب یہ دل محبت رحمانی سے معمور ہو چکا ہے۔

۵

گر سر موئے شور فردوس اعلیٰ رشک او
گنجد اندر خانۂ عاشق، بود امر محال

(اگر عاشق کے دل میں فردوس کے بارے میں بال کے برابر بھی رشک پیدا ہو تو یہ گویا ایک امر محال ہے)۔

فردوس اعلیٰ بہشت کا ایک بہت بلند اور مرتبے والا طبقہ اور درجہ ہے۔ یہ باغات اور گلستانوں کا مقام ہے۔ اس میں امن وسکون اور انبساط و راحت کی لاکھوں نعمتیں موجود ہیں۔ بعض تفاسیر کے حوالے جنت الفردوس ہی بہشت کا مقام اولیٰ و اعلیٰ ہے۔ فردوس میں اہل جنت کے انعامات و اکرامات ان گنت اور لاتعداد ہیں۔ دنیا کے عام لوگوں کے لیے اس سے بڑی نعمت اور انعام الٰہی اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن عشاق حقہ اور محبوب حقیقی کے طالبانِ صادق

کے لیے اس فردوس اعلیٰ کی پرکاہ جتنی بھی اہمیت نہیں ہے' وہ بال کے سر کے برابر بھی اس کی پرواہ اور طلب نہیں رکھتے۔ ان کی طلب و آرزو تو صرف لقائے الٰہی اور وصال حق ہی ہے۔ اور اگر کوئی کہتا ہے کہ انہیں فردوس اعلیٰ کی کوئی خواہش یا تلاش و جستجو ہے تو یہ خیال باطل اور امر محال ہے۔

(۶)

کشتگان نعرہ زنانند ہیچ دانی کیست آں؟

برکشندہ ہیچ نہ رکشتہ را باشد وبال

(تیرے کشتگان نعرہ زنی کر رہے ہیں اور یہ ان کا حق ہے کہ نعرے لگائیں۔ معلوم ہے ان کا نعرہ کیا ہے؟ ان کا نعرہ یہ ہے کہ قاتل پر کوئی الزام نہیں ہے۔ سارا الزام تو اسی مقتول ہی کا ہے)۔

عشق الٰہی کی وارفتگی اور عروج عشق کی سی حالت میں بتایا جارہا ہے کہ اے محبوب حقیقی! تیرے مارے ہوئے' تیرے قتل کیے ہوئے اور تیری محبت میں ذبح ہونے والے عاشقان مفتون مسلسل نعرہ زنی کرتے جارہے ہیں۔ ان کی یہ نعرہ زنی گویا زاہد کی تسبیح کی طرح ہے اور وہ اس حالت میں جو نعرے لگا رہے ہیں وہ کیا ہیں؟ وہ تو مذبوح اور مقتول حالت میں بھی یہی اقرار کر رہے ہیں کہ ہمی کشتگان حق ہی دراصل قصوروار ہیں۔ اس میں ہمارے قاتل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ہم ہی اس جرم کے مجرم ہیں۔ قاتل محبوب تو سراسر بے دوش ہے۔ اس پر کوئی الزام نہیں ہے بلکہ ہر سزا اور عقوبت اور قتل و غارت گری کے ہم ہی موجب تھے اور ہم ہی لائق قتل تھے۔

(۷)

از سر دنیا برائے دوست بگزشتی چہ سود ؟

سہل باشد درگزشتن از شریک پیرزال

(تم نے دوست کی خاطر دنیا کو چھوڑ دیا' اس پر فخر و غرور کیوں؟ یہ دنیا تو ایک پھونس بوڑھے کی مانند ہے۔ اسے چھوڑنا کوئی معرکے کا کام نہیں ہے)۔

اے دوست! تم شاید اپنے محبوب صادق کی خاطر اس دنیا دوں کو چھوڑ کر بہت تفاخر میں ہو۔ دوست کے لیے دنیا چھوڑنا ایک کار سہل اور عاشقوں کی ابتدائی حالتوں میں سے ایک ادنیٰ سی حالت ہے۔ اس پر تمہیں کسی فخر و مباہات کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوست کی خاطر تو بڑی سے بڑی قربانی دینا بھی ایک معمولی اور عام سا عمل ہوتا ہے۔ اور اے دوست! تم نے دوست کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ صرف اس دنیا کو چھوڑ دیا ہے جس کی اصلیت اور حقیقت کے بارے میں قرآن مجید میں یوں بھی آیا ہے کہ ''یہ دنیا (اور دنیاوی زندگی) تو متاع فریب ہے۔'' (۳:۱۸۵)۔ لہٰذا اس فریب سے نکل جانا کوئی تفاخر اور غرور کی بات نہیں ہے۔

## ⑧

## سایۂ طوبیٰ و حوض کوثر و باغ و بہشت
## خوش مقامی باشد اما با جمال ذوالجلال

(سایۂ طوبیٰ، حوض کوثر باغ و بہشت دنیا جہاں والوں کے لیے سب اچھی اور پر کشش چیزیں ہیں۔ لیکن یہ سب نعمتیں اور خوش کن چیزیں ہمیں تو اس رب ذوالجلال ہی کے جمال کے ساتھ زیادہ بھلی اور اچھی لگیں گی)۔

طوبیٰ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ جنت کا ایک عظیم الشان درخت ہے جس کی مہک اور پرسکون سایہ جنت کے تمام گھروں کو محیط ہے۔ حوض کوثر اور باغ و بہشت پروردگار نے خوب بنائے ہیں۔ ان کی عظمت اور فضیلت اور حصول بہت بڑی نعمت اور انسانی خوش بختی کا عروج ہوگا۔ لیکن یہ سب انعامات واکرامات اس پروردگار کے جمال ذوالجلال کے ساتھ اور ہمرہی میں بہت ہی بہتر، خوب تر اور بھلائی والے ہوں گے۔ ان حسین اور عظیم نعمتوں کو اللہ ذوالجلال والاکرام کا جمال، اللہ کی بزرگی، جاہ وجلال، شان وشوکت اور حشمت وجلالت اور بھی حسین، پر جمال، پر آسائش، باوقار اور سکون واستراحت روحانی وجسمانی کے لیے متمول ومعزز بنا دے گا۔ اس لیے اللہ والوں کے لیے اللہ کے ساتھ ہی ہر نعمت اچھی ہوگی۔

⟨۹⟩

کے شود بے جذب مقناطیس وصلش متصل
ذرہ ذرہ خاک آدم بعد چندیں ماہ و سال

(ایک عرصہ کے بعد ذرہ ذرہ خاک آدم کو خاص مقناطیسی کشش کے بغیر کس طرح سے وصال متصل ہوگا؟)۔

دریافت کیا جارہا ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد انسانی جسم تو ذرہ ذرہ ہو کر خاک کے ساتھ خاک ہو چکا ہوگا' اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کس حکمت کے ساتھ ایک خاص قسم کی مقناطیسی کشش کے بغیر انسان کو دوبارہ مجتمع کرے گا۔ گویا وہ کس طرح کی کشش کے ساتھ وصال بالاتصال میں ہوں گے۔ اس اجتماع ذرات اور وصال بالاتصال کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعے میں قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھادے کہ تو مردے کو کیسے زندہ کرے گا۔ ارشاد خداوندی ہوا۔ اے ابراہیم! تو نے یقین نہیں کیا؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا یقین تو کیا ہے لیکن چاہتا ہوں کہ (عین الیقین کا حصول ہواور) اطمینان قلبی میسر ہو۔ (ارشاد ہوا) چار طیور پکڑ لے۔ پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے۔ پھر ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کو بلاتو وہ تیرے پاس سعی کرتے ہوئے آئیں گے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) ایسا ہی کیا (اور ایسے ہی ہوا)۔ اے ابراہیم علیہ السلام جان لے کہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم بھی ہے۔" (۲:۲۶۰)

⟨۱۰⟩

عشق و مستی و جنوں در طالع ما دیدہ اند
چوں زمادر زادہ گشتیم و پدر بکشادہ فال

(جس وقت ہمیں ماں نے پیدا کیا اور باپ نے ہماری فال نکالی تو اس وقت انہوں نے ہمارے نصیب میں عشق و مستی و جنوں دیکھ لیا تھا۔ گویا ہم خلقی اور پیدائشی عاشق ہیں)۔

اس شعر میں بتایا جارہا ہے جب ہماری مادر مہربان نے ہمیں پیدا کیا اور والد ماجد نے ہمارے بارے میں ہماری فال لی تو انہیں اسی وقت معلوم ہوگیا تھا کہ عشق و مستی و جنون تو خلقی

طور پر ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ گویا یہ سب کچھ ہمارے ساتھ پیدائشی طور پر وابستہ اور اور منسلک تھا۔ ہمارے پروردگار نے ہمیں یہ نعمتیں ازلی طور پر اور وہبی انداز میں بخشی ہوئی ہیں۔

⟨۱۱⟩

اول و آخر توئی ظاہرو باطن توئی
کیست دیگر غیر تو و چیست چندیں قیل و قال

(اول و آخر تو ہی ہے اور ظاہر و باطن بھی تو ہی ہے۔ اے پروردگار! تیرے سوا اور کون ہے؟ اس کے بارے میں مباحث کی ضرورت نہیں ہے)۔

قرآن مجید میں اس طرح سے آیا ہے کہ ''ھوالاول والآخر والظاھر والباطن' وھو بکل شئی علیم'' وہ اول ہے جس سے پہلے کوئی نہیں اور وہ آخر ہے جس کے بعد کوئی آخر نہیں۔ وہ سب سے زیادہ ظاہر ہے اور سب سے زیادہ باطن (مخفی) ہے۔ اور اس کا علم تمام اشیائے کائنات کو احاطے میں لیے ہوئے ہے۔'' (۳:۵۷)۔ ان اوصاف اور اسماء الحسنیٰ اور صفات عالی کے بعد اے اللہ! تیرے بغیر اور کون ہو سکتا ہے۔ کون ان صفات اور عظمتوں کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں قیل و قال یعنی بحث و مباحثہ' حجت اور گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسی بحث اور تکرار تو محض بے کار اور فضول ہے۔

⟨۱۲⟩

اندریں زنداں تو بامائی' نگشتم من ملول
گردراں زنداں بما باشی کجا باشد ملال

(اس دنیا کے زنداں میں تو چونکہ ہمارے ہمارے ساتھ موجود ہے اس لیے ہمیں ملول ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ زنداں کے اندر تم جو ہمارے ساتھ ہوگے تو پھر ملال کس بات کا ہوگا؟)۔

اے پروردگار! یہ دنیا اور اس کی زندگی گویا ایک قید خانے کی زندگی ہے۔ ہم اس قید خانے کی زندگی سے آزاد ہو کر تیری درگاہ میں تیرے حضور پیش ہونے کے لیے بے تاب

ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے تو تو سدا سدا کا ہمارے ساتھ اور ہمارے رگ و پے میں نفوز کیے ہوئے ہے۔ اس لیے ہمیں یہ قید خانہ بھی برا اور زندان نہیں ہے کیونکہ یہاں پر تو بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس تناظر میں ہمیں کسی طرح کے غم اور ملال کی ضرورت نہیں ہے۔ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بارے میں قرآن مجید میں اس طرح سے آیا ہے کہ ''بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل (و دماغ میں) جو وساوس گزرتے ہیں۔ ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔ ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔'' (۱۶:۵۰)

﴿۱۳﴾

تو زماو ماز بوئے تو چنیں گشتیم ست

ورنہ مستے چنیں بے مے ندارد احتمال

(تو ہماری وجہ سے اور ہم تمہاری خوشبو سے اس طرح سے مست ہوئے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اور تو کوئی احتمال ہی نہ تھا)۔

اس شعر میں بتایا جارہا ہے کہ اے دوست تو ہماری وجہ سے مست و مدہوش ہے۔ اور ہماری ساری مستی اور سرخوشی و مدہوشی تیرے حسن و جمال کی جھلک کی وجہ سے ہے۔ تو نے ہمیں وہ خاص مے پلا دی ہے کہ جس کا نشہ سب سے جداگانہ ہے۔ ہماری مستی ہی سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ہمارے محبوب نے ہمیں کون سی مے سے نوازا ہے۔ وہ تو شراب معرفت الٰہی ہے اور اب اس کا نشہ اتر جائے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستی اور نشہ ہم سے اور ہم اس سے جدا ہو ہی نہیں سکتے۔

﴿۱۴﴾

بوئے یار آمد بما آرے بیاید بوئے دوست

درمشام جان کہ دارد اوبہ آں یار اتصال

(ہمیں یار کی خوشبو آگئی یہ بہت بڑی بات ہے۔ اور یار کی یہی خوشبو ہمارے مشام جاں میں وصل یار کی حیثیت رکھتی ہے)۔

اے لوگو! ہمیں اپنے یار کی محبتوں بھری خوشبو آگئی ہے۔ ہم نے دل و قلب سے محسوس

کر لیا ہے کہ یہ خوشبو جو ہمارے ذہن اور دماغ میں رچ بس اور سما گئی وہی ہمارے محبوب کی خوشبوئے جانفزا ہے۔یار کی یہی خوشبو جو اس طرح سے اب ہمارے مشام جاں میں سرایت کی ہوئی ہے' ہمارے لیے تو یہی یار کے ساتھ وصال اتصال کی حیثیت اور درجہ رکھتی ہے۔ اس یار اور محبوب حق کی خوشبو ہمارے رگ و پے میں ہماری سانسوں میں اور ہمارے خون میں بھی رچ بس چکی ہے' گویا ہمیں یہی محسوس ہو رہا ہے کہ وہ تو اب ہماری جان اور روح تک بھی سرایت کر چکی ہے اور اسی خوشبوئے یار سے ہماری روح پر بھی ایک وجدانی کیفیت طاری ہو رہی ہے۔

﴿۱۵﴾

بعد چندیں قرن گویند رحمتہ اللہ علیہ
چوں بخواند خلق شعر محی صاحب کمال

(صدیوں کے بعد جب دنیا والے محی الدین کے شعر پڑھیں گے۔ معانی سمجھیں گے اور ان پر غور وفکر کریں گے۔ تو وہ ان کے کمال شعری پر رحمۃ اللہ علیہ کہیں گے )۔

جناب حضرت غوث الاعظم محی الدین کی شاعری اور ان کے افکار محض نری اور مجرد شاعری ہی نہیں ہے' بلکہ اس شاعری کی حیثیت اور مقام تشریح دین اور توضیح ارکان دین ہے۔ انہوں شاعری کو تو محض ایک ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے۔ ورنہ ان کے سارے افکار تبلیغ و ترویج دین اور مواعظ حسنہ ہی ہیں۔ جناب محی الدین نے خالص دینی افکار کو اپنی شاعری میں سمو کر غزل کو مضامین نو سے معمور اور مرصع کیا ہے۔ یوں انہوں نے صدیوں پیشتر غزلیہ شاعری کو حمد ونعت کی سی تقدیس وتکریم سے ہمکنار کرایا۔ انہوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں اعلیٰ تصوفانہ افکار و واردات کو سمونے کے لیے خوش آئند قرینوں کو اپنایا۔ اسی صورت حال میں وہ خود فرماتے ہیں' صدیوں کے بعد کے پڑھنے والے لوگ بھی ہمارے لیے رحمۃ اللہ علیہ یعنی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے کہیں گے۔ ایک شاعر اور صوفی کے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز اور خراج عقیدت ہوتا ہے۔

# ردیف۔م

## غزل ۵۶

(۱)

غلام حلقہ بگوش رسول و ساداتم
زہے نجات نمودن حبیب آیاتم

(میں رسول اکرم ﷺ اور جملہ سادات کا دست بستہ غلام ہوں۔ ہماری نجات کے لیے یہ کتنی محبوب نشانیاں موجود ہیں)۔

عقیدت رسالت مآب ﷺ اورسادات کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اے دنیاوالو! میں اس نبی محترم اور حضرت علی ؓاور محترمہ فاطمۃ الزہرا ؓ کی اولاد (جو عرف عام میں سادات کہلاتی ہے) کا غلام بے دام ہوں۔ اس غلامی سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جو تعلیمات اور اسوۂ حسنہ ہے‘ اس پر عمل کیا جائے اور جو آپ ﷺ کا مشن ہے اس کو جاری وساری رکھنے میں مدد اور تعاون کیا جائے۔ اس کے علاوہ حضور نبی رحمت کے حوالے سے قرآن مجید میں بھی ارشاد باری آیا ہے کہ ''النبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات‘ اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر اولیٰ (مقدم) ہے۔'' (۶:۳۳)

(۲)

کفایت است ز روح رسول و اولادش
ہمیشہ در دو جہاں جملۂ مہماتم

(رسالت مآب ﷺ اور آپ ﷺ کی اولاد کی ارواح فتوح‘ دونوں جہان کے امور کے لیے اور جملہ مہمات کے لیے کفایت کرنے والی ہیں)۔

حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی اور آپ ﷺ کی تعلیمات حقہ انسانوں کے تمام مسائل اور مشکلات کے لیے کافی وشافی ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی

عبدیت کی تعلیم دی' اسی اعتبار سے قرآن مجید میں اطاعت خداوندی کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا حکم موجود ہے۔ (۸:۲۰)۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی سے دین و دنیا کے امور' مہمات جہاں اور مشکلات عالم کو آسان کیا جاسکتا ہے' اسی طرح بحوالہ اپنے کردار و عمل اور وعظ و تبلیغ کے اعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ کی آل اولاد بھی باعث رہنمائی اور موجب تقلید ہے۔

(۳)

ز غیر آل نبی حاجتے اگر طلبم
روا مداری کے از ہزار حاجاتم

(اگر میں آل نبی ﷺ کے وسیلہ کے بغیر اپنے پروردگار سے مانگوں تو ایک ہزار حاجتوں میں سے ایک بھی حاجت پوری نہ ہو)۔

اس شعر میں عقیدت نبوی ﷺ کے حوالے سے بات کی گئی ہے اور اس امر کو اضح کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے کارہائے نمایاں' قربانیوں' خدمات اور مساعیوں کو سراہتا ہے اور بجا طور خراج تحسین و تبریک بھی پیش کرتا ہے۔ بعض حوالوں سے صلو علیہ وسلموا تسلیما اور یصلون علی النبی سے بھی یہی اشارے ملتے ہیں کہ جن میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات بھی تحسین و تبریک نبوی میں ملائکہ اور اہل ایمان کے ساتھ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی تحسین اور سطح اور معیار کی اور اہل ایمان کی تحسین و تبریک میں پیروی اسوۂ حسنہ بھی شامل ہے۔ اسی اعتبار سے اس شعر میں آل نبی کو وسیلہ بنانے کی بات بھی کی گئی ہے۔

(۴)

دلم ز حب محمد پُر است و آل مجید
گواہ حال منست ایں ہمہ حکایاتم

(میرا دل حُبِ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی برگزیدہ آل کی محبت سے معمور ہے۔ میرا حال اور کیفیت میرے اس فلسفے اور عقیدت پر گواہ ہے)۔

بتایا جارہا ہے کہ اے لوگو! میرا دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بھرپور اور معمور ہے۔
اس ضمن میں قرآن مجید میں بھی کئی مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ ''جس کسی نے رسول کی اطاعت کی اس نے بے شک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو اے رسول ﷺ ہم نے تمہیں ان پر حفیظ بنا کر نہیں بھیجا۔'' (۸۰:۴) گو اس اطاعت میں بھی محبت اور متابعت شامل ہے لیکن اس کے باوجود ایک اور مقام پر قرآن مجید میں دوبارہ وضاحت کے ساتھ یوں آیا ہے کہ ''اے رسول ﷺ! کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کا دم بھرتے ہو تو میرے اسوۂ حیات کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالو (میری اتباع کرو) تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔'' (۳۱:۳)۔ کئی احادیث میں آل نبوی ﷺ کی محبت پر بھی زور دیا گیا ہے۔

⑤

چوں ذرہ ذرہ شود ایں تنم بخاک لحد
تو بشنوی صلوٰۃ از جمیع ذرا تم

(جب قبر میں میرا تن خاک میں ذرہ ذرہ ہو جائے گا تو اے دنیا والو تم میرے جسم کے تمام ذرات خاکی سے صلوٰۃ کی آوازیں سنو گے)۔

صلوٰۃ سلام کے حوالے سے بتایا جارہا ہے کہ یہ تو وہ عمل ہے جو اپنے اپنے طور پر اللہ تعالیٰ بھی اپنی قدسی شان کے لائق بحوالہ تحسین وتبریک کرتا ہے۔ ملائکہ اور اہل ایمان بھی کرتے ہیں۔ اہل ایمان کا صلوٰۃ وسلام بحوالہ متابعت نبوی ﷺ بھی ہے۔ اس لیے جناب محی الدین بتاتے ہیں کہ میں تو اس صلوٰۃ وسلام میں اس قدر محور رہتا ہوں کہ بعد از مرگ بھی میری خاک کا ذرہ ذرہ ہمہ وقت اسی ذکر میں مصروف اور محور ہے گا۔

⑥

غلام خادم خدام خاندان تو ام
زخادمی تو دانم بود مباہاتم

(یا نبی اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے خاندان کے خادموں کے خادم کا بھی غلام ہوں۔ مجھے جو یہ عظیم الشان رتبہ ملا ہے وہ اسی غلامی کے باعث ملا ہے)۔

یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کا خاندان جس عظمت و رفعت کا حامل ہے۔ اور آپ ﷺ کے خاندان کو اللہ جلشانہ نے جو بزرگی اور فضیلت بخشی ہے وہ آپ ﷺ کے خاندان ہی کا حصہ اور ورثہ ہے۔ اس سے بڑی اور امتیازی شان اور شرافت اور بڑائی و برتری اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ نبیوں کے سردار اور خاتم النبیین اس خاندان میں آفتاب رسالت کی صورت میں چمکے۔ آپ ﷺ کے خاندان کی عظمتوں اور بزرگیوں کو سلام۔ میں تو آپ ﷺ کے خاندان کے خادموں کے خادم کا بھی غلام ہوں اور اس غلامی اور خادمی نے مجھے جو عزوشرف اور جاہ و جلال بخشا ہے وہ سب اسی آپ ﷺ کی غلامی ہی کی بدولت میسر آیا ہے۔

⟨۷⟩

سلام گویم و صلوٰۃ با تو ہر نفسے
قبول کن بکرم ایں سلام و صلوٰتم

(الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول' وسلم علیک یا حبیب اللہ۔ یا نبی اللہ ﷺ! میں ہر سانس کے ساتھ اور ہر دم آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھتا ہوں۔ اسے از راہ لطف و کرم قبول فرما لیجئے)۔

اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ یارسول اللہ۔ یا حبیب اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ پر مدام اور ہر سانس کے ساتھ سلام وصلوٰۃ پڑھتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے یہ توفق عطا کیے رکھ کہ میں سلام وصلوٰۃ پڑھتا رہوں۔ یا نبی اللہ ﷺ! میرے اس سلام وصلوٰۃ کو ازراہ لطف وکرم' از راہ رحمت و رافت قبولیت فرمایئے اور مجھے رحمتوں اور برکتوں سے بہرہ یاب کیجئے۔

⟨۸⟩

گناہ بے حد من بیں تو یارسول اللہ
شفاعتے بکن و محو کن خیالاتم

(یا نبی اللہ! میرے گناہ بے حد وحساب ہیں' میں ان پر نادم اور پشیمان ہوں۔ آپ ہی

میری شفاعت کیجیے۔ اور میری پریشانیوں کو ختم کیجیے۔)

یا نبی اللہ ﷺ! میں نے عمر بھر نیک کام نہیں کیے۔ اس لیے میرے پاس گناہوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے گناہ بے حد وحساب ہیں۔ مگر یا نبی اللہ ﷺ! میری نظر آپ ﷺ کی منتظر ہے کہ آپ ﷺ ہی میری شفاعت فرمائیں گے تو میرے سارے گناہ ختم ہو جائیں گے۔ احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ روز محشر حضور نبی اکرم ﷺ ہی اپنی امت کے گناہگاروں کی شفاعت کریں گے اور لوگوں کو دوزخ میں سے واپس لے آئیں گے۔ یا نبی اللہ! یارسول اللہ ﷺ! ہماری نگاہ تو صرف آپ ﷺ کی شفاعت پر لگی ہوئی ہے کہ ہم سب سے زیادہ گناہ گار ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ ہماری ضرور شفاعت فرمالیں گے۔

⟨۹⟩

زہر کہ بدتر ازو نیست من ازو بترم

ندانم اینکہ بتو چوں شور ملاقاتم

(میں اپنے آپ کو ہر بدتر انسان سے بھی برا سمجھتا ہوں۔ نادم ہوں کہ آپؐ سے ملاقات پر کس طرح منہ دکھاؤں گا۔)

یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے اعمال وافعال کے حوالے سے اپنے آپ کو دنیا کے ہر گناہ گار اور برے و بد انسان سے بھی بدتر اور سب سے گھٹیا اور برا سمجھتا ہوں۔ میں گناہوں اور برائیوں میں لت پت رہا ہوں۔ میرا نامہ اعمال گناہوں سے سیاہ اور نیکیوں سے خالی ہے۔ اس حالت اور متاع ندامت کے ساتھ میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور آفتاب رسالت و رحمت کے سامنے کس منہ سے اور کس طرح سے آسکوں گا۔ اپنی برائیوں اور بدعملیوں کے باعث میں سراپا ندامت اور مجسمہ شرم بنا ہوا ہوں۔ اس لیے میں آپ ﷺ کو اپنا روئے سیاہ دکھانے کے ہرگز لائق نہیں ہوں۔

⟨۱۰⟩

زنیک و بد ہمہ داند کہ من محمدی ام

خلائقے کہ کند گوش برملاقاتم

(ہر اچھا اور برا آدمی جانتا ہے میں محمدی ہوں۔ رسالت مآب ﷺ کا غلام ہوں۔

اس لیے ملاقات پر لوگ میری باتوں پر توجہ دیتے ہیں)۔

اس شعر میں عقیدت نبوی ﷺ کی جانب ایک بار پھر اشارہ کیا گیا ہے کہ اے لوگو! جان لو کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک ادنیٰ سا محمدی غلام ہوں۔ مجھے آپ ﷺ کی غلامی پر فخر اور ناز ہے۔ میرے لیے یہی میرا اعزاز اور امتیاز ہے۔ میں اس غلامی کو ہی سب سے بڑی نعمت جانتا ہوں۔ آپ ﷺ کی غلامی اور تابعداری نے میرے دل و جان کو بھی اپنا گرویدہ کر رکھا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ کے رحمتوں بھرے سایوں میں اور نورانی جلووں میں میرا کلام اور میری گفتگو خاص اثر و تاثیر کی حامل ہو چکی ہے۔ یہی باعث ہے کہ جب لوگ مجھ سے ملتے ہیں وہ ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ ان لوگوں پر بھی گویا میری یہ عقیدت اور حب حضور نبی اکرم ﷺ عیاں ہو جاتی ہے۔ اس ساری عظمت و رفعت میں میرا ذاتی اور نجی کوئی کمال نہیں ہے، یہ سب آپ ﷺ کی عنایات اور نوازشات ہی کا اعجاز اور کرشمہ ہے۔

〈۱〉

بگوئی محی کہ بہر نجات می گویند
درود سرور کونین در مناجاتم

(اے محی الدین! اپنی مناجاتوں میں تم بھی سرور کونین ﷺ پر درود و سلام پڑھو، کیونکہ دیگر لوگ بھی مشکلات سے نجات کی خاطر یہی درود ہی پڑھتے ہیں)۔

بتایا جا رہا ہے کہ سلام و صلوٰۃ کہ جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے ملائکہ کا بھی شعائر ہے۔ اس لیے اہل ایمان مسلمان بھی سب رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ لہٰذا اے محی الدین! تم بھی اور اے مسلمان بھائیو تم سب بھی حضور ختم المرسلین پر کثرت کے ساتھ درود و سلام بھیجتے رہو۔ خلقت عالم اسی درود شریف ہی کے سہارے سے اپنی مشکلات مصائب اور دشواریوں سے نجات حاصل کرتی ہے۔ اس لیے تم پر بھی لازم اور ضروری ہے کہ تم بھی اپنی دعاؤں، التجاؤں اور مناجاتوں میں سرور کونین، دونوں جہاں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہو اور فیوض و برکات سے اپنے دامن کو بھرتے رہو۔

# غزل ۵۷

(۱)

اشک سرخ و روئے زرد من گواہ است اے کریم
برکمالِ عشقِ دیدار تو باللہ العظیم

(اے میرے اللہ کریم! تیرے دیدار کے کمال عشق پر بخدا میرے سرخ اشک اور میرا زرد چہرہ زندہ گواہ ہیں)۔

اے میرے پروردگار! اے میرے رب کریم! تو سب سے بڑا بزرگ' سب سے بڑا عزت والا اور شائستہ ہے۔ تو بے حد و حسات بامروت' سخی اور معاف کرنے والا' اکرام و الطافات کا مالک ہے۔ یہ تیرے دیدار عالیٰ کا معجزہ ہے کہ میری نظر میرے دیدار کے کمال عشق پر ہے۔ تیرے دیدار کی طلب و جستجو نے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرخ اشکوں اور زرد چہرے کی نعمت سے نواز رکھا ہے۔ بلکہ اب تو میں یہی کہتا ہوں کہ میرے سرخ آنسو اور زرد چہرہ ہی میرے عشق کی حقیقت' طلب و جستجو اور آرزو کے شاہد ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کون گواہ ہو سکتا ہے۔

(۲)

بے لقائے تو ہوا دار تو کے خرم شود
در ہوائے غرفہ ہائے قصر جناب النعیم

(اے میرے پروردگار! تیرے یہ عاشق' جنت النعیم کے محلات و قصور کے دریچوں میں تیرے لقائے رحمانی کے بغیر کس طرح سے خوش و خرم ہو سکیں گے)۔

جنت نعیم کے بارے میں بتایا جاتا ہے یہ آٹھ جنتوں میں سے ایک سب سے زیادہ نعمتوں اور انعامات والی جنت ہے۔ گویا اس سب سے زیادہ مرتبے والی جنت میں بے شمار اور بیش بہا نعمتیں ہوں گی۔ اے پروردگار وہ بلند و بالا نعیم اور اس کی بے حد و حساب نعمتیں بھی تیرے عشاق کے لیے کسی صبر و سکون اور آرام و راحت کا باعث نہیں ہوں گی۔ تیرے سچے

عاشقوں کے لیے صرف خوشی اور سکون اس وقت ملے گا کہ جب وہ اس جنت النعیم کے محلات کے دریچوں میں سے تیرا دیدارِ حق کرنے کی نعمت لازوال سے فیض یاب ہوں گے۔

(۳)

آتش عشق ترا اے دوست نتواند نشاند
تا ابد در دل اگر شعلہ زندہ نار جحیم

(ہمارے قلب حزیں کی آتش بہت شدید ہے۔ اے دوست! ہمارے دل میں اگر ابد تک نار جحیم بڑھکتی رہے تو بھی وہ ہمارے عشق کی آگ کو بجھا نہیں سکے گی)۔

اے مونس و غم خوار دوست! تو دوست بھی ہے لیکن اس کے باوجود تو ہمارے عشق کی شدت' تڑپ اور اس سوزش و جلن سے ناواقف ہے۔ ہمارے دل میں عشق الٰہی کی جو آگ ازل سے بھڑک رہی ہے۔ اس کی شدت اور الم کی کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر ہمارے دل میں ابد تک جحیم کی آگ اپنے عروج پر بھی بھڑکتی رہے تو اس کی تپش جلن' گرمی' سوزش اور شعلہ باریوں سے بھی ہمارے دل میں سے عشق الٰہی کی تڑپ اور آگ کو نہ تو بجھا سکے گی اور نہ اسے مدھم ہی کر سکے گی۔ گویا ہمارے دل میں عشق الٰہی کی آگ جس شدت اور حدت کے ساتھ بھڑک رہی ہے اس کے سامنے ہر دوزخ کی ہر المناک آگ کمتر و ہیچ ہے۔

(۴)

گر بیندازی تو بر دوزخ تجلی جمال
نیک و بد دارند منت تا ابد باشد مقیم

(اے پروردگار محبوب حق! اگر تو دوزخ پر اپنے حسن و جمال کی ایک بھی تجلی ڈال دے۔ تو ہر نیک و بد تیرا شکر گزار ہوگا اور وہ ابد تک اسی دوزخ ہی میں رہنا پسند کرے گا)۔

اے ہمارے محبوب حقیقی! اے ہمارے پروردگار اور خالق و مالک اللہ! ہمیں دوزخ یا جنت اور جنت کے محلات و قصرات کی نہ تو طلب ہے اور نہ ذرہ برابر ان کی پرواہ ہے۔ تیرے عاشقوں کے لیے سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی رفعت و عظمت یہی ہوگی کہ ہمیں تیرا دیدار ولقا نصیب ہو۔ اس لیے اے پروردگار اگر تو اپنے حسن لازوال اور جمال پر کمال کی ایک

ادنیٰ سی بھی تجلی دوزخ میں رہ کر بھی وہ تیرا سدا شکر گزار رہے گا وہ تیرے حسن کے جلوے سے تو فیض یاب ہوا۔

⟨۵⟩

گر نہ بوئے وصل تو باشد قرین وصل تو

بعد چندیں قرن چوں زندہ شود عظیم رمیم

(اے میرے محبوب عالی! اگر تیرے وصال کے ساتھ تیری خوشبو ہمیں نہ آئی تو زمانے گزر جانے کے بعد گلی سڑی ہڈیاں دوبارہ کس طرح زندہ ہوں گی)۔

اے میرے محبوب! ہمیں قبروں میں خاک سے خاک ہو جانے کے بعد بھی صرف اور صرف تیرے وصال حق ہی کے باعث دوبارہ زندگی ملے گی۔ اسی وقت تک ہماری بوسیدہ ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر خاک کے ذروں میں بدل چکی ہوں گی۔ اے پروردگار اگر ہمیں تیرے وصال کے ساتھ تیری اور تیرے حسن و جمال کی خوشبوئے جانفزا نہ آئی تو شاید ریزہ ریزہ اور چورہ ہڈیاں دوبارہ مجتمع ہونے کو ترساں رہیں۔ اس لیے اے ہمارے خالق و مالک تیری خوشبو ہی وہ وصال حق کے ساتھ اضافی جانفزا شے ہوگی جو مردوں کو دوبارہ زندگی بخشنے کی موجب بنے گی۔

⟨۶⟩

با تو عہدے بستہ ام اے دوست در روزازل

تا ابد خواہیم بود بر ہماں عہد قدیم

(اے ہمارے پروردگار! ہم نے آپ کے ساتھ جو عہد روز ازل سے باندھا تھا' ہم تا ابد اسی پر قائم رہیں گے)۔

اے ہمارے خالق و مالک! اے ہمارے اللہ! ہم نے روز ازل یعنی خلقت کائنات سے بھی پیشتر کہ جس کی ابتدا کا تعین ہی نہیں کیا جا سکتا' اس دور میں آپ سے جو یہ عہد کیا تھا کہ بلاشبہ تو ہی ہمارا خالق' تو ہی ہمارا رب الرحیم ہے۔ ہم تیرے سوا کسی اور کے لیے ہیں ہی نہیں۔ ہم ابد تک یعنی ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک اس اپنے میثاق یوم الست پر قائم اور برقرار رہیں

گے۔ ہماری روحیں' ہماری جانیں اور ہمارے اجسام وابدان اپنے اس عہد سے سر مو بھی انحراف نہیں کر سکتے۔ ہم اس اپنے عہد کی کسی بھی سطح پر خلاف ورزی کے بارے میں کبھی تصور میں بھی نہیں لا سکتے کہ کبھی اس قسم کی گستاخی کے مرتکب ہوں گے۔

⟨۷⟩

گرچہ جوئے آب و شہد و شیری شد در بہشت

شربت بیمار ' دیدار تو باشد اے حکیم

(اس میں کوئی شک نہیں کہ بہشت میں جوئے آب' شہد اور دودھ ہوگا' مگر اے حکیم مطلق عشق کے بیماروں کے لیے تیرا دیدار ہی شربت شفا وصحت یابی ہوگا)۔

قرآن مجید میں جنت کی نہروں کا کئی مقامات پر اظہار موجود ہے۔ بلکہ جنت کے ذکر کے ساتھ ہی نہروں کا بھی ذکر موجود ہے۔ اس ضمن میں یوں بھی آیا ہے کہ ''اس جنت کی مثال جس کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے یوں ہے کہ اس میں ایسی (شیریں) پانی کی نہریں ہوں گی۔ جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوگا۔ دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ نہیں بدلے گا۔ مشروبات کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہوں گی اور شہد کی نہریں ہوں گی ستھری اور مصفاء۔ (۴۷:۱۵)۔ ان نعمتوں کے باوجود جو لوگ بیمار عشق الٰہی ہوں گے۔ ان کے لیے ان نہروں میں کوئی دلکشی اور رغبت نہیں ہوگی۔ ان کی بیماری کا علاج اور شفائے کامل تو دیدارِ حق ہی ہوگا۔ ان کے لیے شربت دیدار ولقاربی شفا اور صحت کا موجب ہوگا۔

⟨۸⟩

آب حوض کوثر اندر سایہ طوبیٰ عطش

کے نشاندے گر نبودے از سر کویت نسیم

(حوض کوثر کا شیریں پانی بھی طوبیٰ کے سایوں میں پیاس بجھانے کا موجب نہیں بنے گا۔'' اگر اے محبوب حق! آپ کے کوچے کی ہوائے خنک نہیں آئے گی)۔

حوض کوثر کا شیریں اور ٹھنڈا پانی جنت کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ جنت کی ایک نہر کا نام بھی کوثر ہے۔ اس کا پانی شیریں' شفاف' خوش ذائقہ اور پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ

لذت، سکون اور راحت بخشنے والا بھی ہے۔ روز محشر یہ خاص پانی نیکو کار پیاسوں کو پلایا جائے گا۔ جو مومن مسلمان اس پانی کو پئیں گے وہ بہت ہی خوش نصیب اور مقدر والے ہوں گے۔ پھر اگر یہی کوثر کے جام جنت کے سب سے عظیم درخت طوبیٰ کے سایوں کے نیچے ملیں تو یہ تو اللہ تعالیٰ کی اور بھی مہربانی ہوگی۔ لیکن عاشقان حقہ کی اس کوثر کے کاسوں سے پیاس نہیں بجھ سکے گی۔ انہیں تو کوچہ حق سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں ہی سے سکون و راحت اور مسرت حاصل ہوگی۔

﴿۹﴾

برصراط پل اگر دوزخ بود، چوں بگذرد
بے سروپائے کہ رفتہ بر صراط مستقیم

(وہ پل صراط جو دوزخ کے اوپر ہے بہت کٹھن مرحلہ ہے وہ۔ اس پر سے راہ عشق پر گامزن عاشق بے سروپا کیسے گزر سکے گا)۔

اے پروردگار تیرا پل صراط جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ دوزخ پر سے گزرتا ہے اور وہ بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے بھی تیز ہے، اس پر سے تیرے بے سروپا عاشق کس طرح سے گزریں گے۔ تیرے دیوانے مستانے اور وارفتہ عاشقوں نے تو عشق کا صراط مستقیم اختیار کر رکھا ہے، وہ اس پل صراط پر سے کیونکر گزر سکیں گے۔ اے ہمارے محبوب حقیقی! اس پل پر سے گزرنا اور اس سے پار اترنا ہمارے اختیار اور بس میں نہیں ہوگا۔ اس پل پر سے تو ہر نیک و بد کو گزرنا ہوگا۔ بتایا جاتا ہے کہ نیک لوگ اس کے پار اتر جائیں گے جبکہ بد لوگ کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔ عاشق لوگوں کے لیے صرف اللہ کی رحمت اور رافت ہی کام آئے گی اور وہ اس سے پار اتریں گے۔

﴿۱۰﴾

دوست اندر گوش عاشق راز گوید روز وصل
نیست اندر خورد گوش ہرکس ایں در یتیم

(روز وصل دوست اپنے عاشق کے کان میں ایک ایسی بات راز کی کہے گا جو در یتیم کی

طرح بیش قیمت ہوگی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قیمتی موتی ہر کان کے لائق نہیں ہوتا)۔

بتایا جارہا ہے کہ یوم وصال دوست اپنے عاشق صادق کے کان میں راز کی ایک انوکھی اور نہایت خوش کن بات بتائے گا۔ اور یہ وصال دوست اصل میں لقاء رب ہی ہے۔ اور اس سے کسی کو مفر نہیں کہ مومن لقاء رب پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۱۰:۷)۔ اور اخروی زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ لقا کس طرح کا ہوگا۔ اس کے بارے میں ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر ہرگز تصور نہیں کر سکتے۔ بہر صورت وہ لقاء جس کا وعدہ ہے۔ یعنی اس ''روز محشر کئی چہرے ہشاش بشاش ہوں گے' وہ تروتازہ ہوں گے' اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' (۷۵:۲۲۔۲۳)۔

۱۱

در برون پردہ باشد ایں ہمہ خوف و رجا
در درون پردہ رو کانجا است امید و نہ بیم

(خوف ورجا کی ہر کیفیت پردے کے باہر ہی کی بات ہے۔ اے میرے بندے پردے کے اندر آجاؤ۔ وہاں پر تو امید وبیم کی کوئی کیفیت ہی نہیں ہے)۔

بتایا جارہا ہے کہ وہ جو پردے کے باہر ہے۔ اس کے لیے ہر طرح کے مسائل ہیں۔ ہر طرح کا خوف' خطرہ' اندیشہ اور وساوس کا اژدحام اور اس کے علاوہ آس' امید' آرزو اور تمنا کی خوش آئند باتیں سب خارج والوں ہی کے لیے ہیں۔ اس باہر اور خارج سے مراد حضور حق سے دوری اور علیحدگی بھی ہے۔ اس دوری ہی کے باعث سب خطرات اور خدشات اور امیدیں آرزوئیں مجسم ہو کر اپنے گھیرے میں لیے رکھتی ہیں۔ لیکن جب بندہ اپنے پروردگار کا ہو جاتا ہے اس کی جانب رجوع کرتا ہے اور گویا پردے کے اندر آجاتا ہے تو پھر وہ ہر طرح کے بیم ورجا سے بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں یوں ارشاد باری ہے کہ ''مشیت الٰہی جسے چاہتی ہے برگزیدگی عطا فرماتی ہے اور اللہ تعالیٰ اصحاب انابت کو منصب ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔'' (۴۲:۱۳)۔ اسی تناظر میں کہا گیا ہے کہ پردے کے اندر یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ تو وہاں پر امید وبیم کی کوئی کیفیت موجود نہیں ہوتی۔

﴿۱۲﴾

اے گدایاں بردر او شیاً للہ برزنید
تا شما را بخشد آنچہ دارد آں شاہ کریم

(اے گداگرو! اس پروردگار حقیقی کے دروازے پر شیاً للہ کا نعرہ لگاؤ۔ تاکہ اس کریم کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہیں عطا فرمادے)۔

اے اللہ کے بندو۔ اے اپنے اللہ سے مانگنے والو! اے بھکاری گداگرو! اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے در اقدس پر شیاً للہ کا نعرہ لگاؤ۔ تمہارا یہ نعرہ لگانا عین مشیت ایزدی ہوگا' اور یہی اس کا ارادہ اور منشا ہوگا۔ اس کا چاہنا بھی یہی ہوگا۔ تمہاری اس آرزو اور التجا پر وہ پروردگار وہ کچھ عطا فرمادے گا جو کچھ اس کے خزانے میں ہے۔ اے لوگو! اپنے محبوب حقیقی سے سب کچھ مانگتے رہو۔ اس سے اپنی ضرورت اور طلب پر ہر بڑی چھوٹی شے طلب کرتے رہو۔ آپ لوگوں کو کچھ دینے سے اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں آئے گی' بلکہ اسی قدر رحمت حق جوش میں آئے گی' آپ کا دامن خوشیوں سے بھر دے گی۔

﴿۱۳﴾

شربت دیدار حق محی چوں یابی در بہشت
نور آں در طالع تو باشد از لطف عمیم

(اے محی الدین! تم جب بہشت میں دیدار حق کا شربت پاؤ گے تو اس وقت یہی سمجھ لینا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لطف و کرم اور لطف عمیم ہی سے اس شربت میں انوار موجود تھے)۔

اے محی الدین! جب تم کو اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے بہشت کی وادیوں میں تمہارا محبوب حقیقی اپنے حسن و جمال سے تجلیات سے دیدار سے نوازے گا تو یہ جان لینا کہ یہ الطاف و اکرام میری عبادتوں اور ریاضتوں کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ یہ تو شروع دن ہی سے خالق تقدیر اللہ تعالیٰ ہی نے ہمارے حق میں ہمارے لیے رکھ دیئے تھے۔ اس میں ہماری کوئی کوشش اور جستجو نہیں ہے۔ یہ سب اسی مالک و خالق ہی کی مہربانیاں اور رحمتیں ہیں۔ میرے

ارادہ اور اختیار کی اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے جو یہ دیدار الٰہی حاصل ہو رہا ہے' اسی اہل دیدار ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔

## غزل ۵۸

(۱)

چوں تمامی عمر نیکی کرد باتو آں کریم
از بدی خود چرا ترسی تو آخر اے لئیم

(اے نادان اور ناشکر گزار انسان ! تیرے ساتھ جب تیرے اللہ نے تمام عمر نیکی کا سلوک روا رکھا ہے تو پھر اے کمینے انسان تم اپنی بدی سے کیوں ڈرتے ہو؟)

اے انسان تیرے پروردگار نے تجھے ہمیشہ اپنی رحمتوں اور انعامات ہی سے نوازے رکھا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ سب سے زیادہ بے نیاز ہے' سب سے گرامی قدر عرش کا مالک اور پروردگار ہے یعنی وہ رب العرش کریم ہے اور وہی شہنشاہ حقیقی بھی ہے۔ اس بے نیازی اور عظمت کے ساتھ ساتھ وہ کریم بھی ہے' اس وجہ سے وہ لوگوں کو اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے محروم نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو اپنی نعمتوں سے ان لوگوں کو بھی کبھی محروم نہیں کرتا جو اس کی نعمتوں کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور ان نعمتوں کو بغاوت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اے سفلہ انسان' اے کم ظرف انسان تو اس کے باوجود بھی اپنے گناہوں پر پریشان ہو کر اللہ کریم کی رحمتوں سے ناامید ہوتا ہے۔

(۲)

تو یتیمی باتو او ہرگز نخواہد کرد قہر
زانکہ او خود کرد نہی قہر کردن بر یتیم

(اے انسان! تیری حیثیت تو ایک یتیم کی سی ہے اس لیے وہ اللہ تجھ پر ہرگز قہر نہیں کرے گا۔ کیونکہ یتیم پر قہر کرنے سے تو اس نے خود منع فرما رکھا ہے)۔

اے انسان نادان! تیری حیثیت تو سراسر ایک بے سہارا یتیم کی سی ہے۔ تو ایک ایسا

فرد ہے جو بالکل تنہا ہو گیا ہے۔ تیرا تو کوئی سنگی ساتھی نہیں ہے۔ تو بے آسرا ہے، تیرا کوئی ایزد و مددگار نہیں ہے۔ اس بھری دنیا میں بھی تو تنہا اور بے آسرا ہے۔ اسی لیے انسان سے کہا گیا ہے کہ "اے بنی نوع انسان! (زندگی کی بے بضاعت شان و شوکت پر اتراؤ نہیں) تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے محتاج ہو اور وہ خالق کائنات غنی و بے احتیاج ہے۔" (۱۵:۳۵)۔ گویا اللہ کے سامنے بندے کی حیثیت یتیم تو کجا اس سے بھی کمتر ہے۔ اس لیے اے بندے جان لے کہ وہ پروردگار تجھ پر ظلم نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس نے خود یتیموں پر قہر کرنے سے منع فرما رکھا ہے۔" (۱۰:۹۳)۔ اس لیے وہ تجھ پر قہر نہیں کرے گا۔

۴۳

ہر کہ می خواہی تو از وے می دہد بیشک ترا
دست خالی کے رود سائل زدرگاہ کریم

(اے انسان! تم اپنے پروردگار سے جو چاہو مانگو وہ تمہیں ضرور عطا کرے گا۔ کیونکہ اس درگاہ کریم سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں جا سکتا)۔

اے بندے! تیری جو بھی طلب و آرزو اور دنیا و مافیہا کی خواہش یا ضرورت ہے۔ تو صرف اور صرف اپنے رب کریم ہی سے طلب کر۔ وہ بہت بڑا سخی، غنی اور داتا ہے۔ اس سے بڑا اغنا میں کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہی غنائے مطلق ہے اور غنی در حقیقت اللہ ہی ہے۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسا غنی ہے کہ وہ دوسروں کو غنی کر دیتا ہے اور دولت بے نیازی بھی عطا کرتا ہے اور یہ اس المغنی کی شان بے نیازی ہے کہ وہ اپنے خاص انداز استغنا سے جسے چاہے غنی کر دے۔ اللہ المغنی اپنے بعض بندوں کو ایسا مستغنی کر دیتا ہے کہ انھیں کسی اور سہارے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ "خالق کائنات تو غنی و بے احتیاج ہے اور حمید و سزاوار حمد ہے۔" (۱۵:۳۵) اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے در سے کوئی خالی ہاتھ جا سکے۔

۴۴

حق تعالیٰ قادر است کو ہم چو موئے از خمیر
خلق عاصی را برآرد سالم از ناز جحیم

(اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس طرح خمیر میں سے بال باہر نکال لیا

جاتا ہے اسی طرح وہ اپنی رحمت کے سایوں میں نارِ جحیم میں سے گناہگاروں کو صحیح و سالم نکال لے)۔

اس شعر میں قادرِ مطلق کی قدرت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ زبردست قدرت والا ہے۔ اس کی قادرانہ دسترس سے کوئی شے باہر نہیں ہے۔ وہ اللہ قادر ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں ایک ارشاد اس طرح سے بھی آیا ہے کہ ''یہ اس کی مشیت میں ہے کہ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے اور وہ کائنات کی ہر شے پر قادر اور قدرت کاملہ رکھتا ہے۔'' (۲:۲۸۴)۔ اس لیے جس طرح آٹے میں سے کسی بال کو باآسانی نکالا جاسکتا ہے بلکہ نکال لیا جاتا ہے' اسی طرح اللہ القادر بھی گناہگاروں' عاصیوں اور دوزخیوں کو نارِ جہنم میں سے صحیح سلامت نکال لے گا۔ بندے کو اس کی رحمت سے ہرگز ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

⑤

لطف او بیشک برابر می بود باتیک وبد
راست می ماند بداں سیبے کہ سازندش دو نیم

(اے لوگو! جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا لطف و کرم ہر نیک و بد کے ساتھ برابر ہوگا۔ جس طرح سیب کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تو بھی دونوں میں شیرینی موجود رہتی ہے)۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا لطف و کرم' عنایات' مہربانیاں اور رحمتیں بے حد و حساب ہیں کیونکہ ''تمہارا پروردگار صاحبِ غفران و صاحبِ رحمت ہے۔'' (۱۸:۵۸)۔ بلکہ یہاں تک بھی بتایا گیا ہے کہ ''اور اے رسول تیرے پروردگار کی رحمت ان تمام دنیاوی امتیازات و مادی اعزازات سے کہیں بہتر ہے جن کے سمیٹنے میں یہ لوگ مصروف ہیں۔'' (۴۳:۳۲)۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ''بہ تقاضائے ربوبیت عظمیٰ لامحدود آفاقی رحمتوں کو اپنے آپ پر لازم قرار دے رکھا ہے۔'' (۶:۱۲)۔ مزید یوں بھی آیا ہے کہ ''اے نادانو! اے میرے بندو! جنہوں نے ظلم و تعدی سے اپنی جانوں پر بے دریغ زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے نہایت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ صاحب غفران ہے۔'' (۳۹:۵۳) اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر نیک و بد کے لیے یکساں حاضر رہتی ہے۔ اس سے

سب انسان برابر فیض یاب ہوتے ہیں۔

(۶)

آنکہ رحمان ورحیم ست دوست می دارد ترا
پس چہ پاک از دشمن دیگر چوں شیطان رجیم

(وہ پاک ذات ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اے انسان وہ تجھے دوست رکھتی ہے۔ اس صورت میں تم شیطان رجیم سے کیوں خوف کھاتے ہو)۔

اے لوگو! اللہ جل شانہ عم نوالہ وعز برہانہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ الرحمٰن تو سب سے زیادہ مہربانی اور رحم کرنے والا نہایت زیادہ شفقت فرمانے والا ہوتا ہے۔ یہ صفت الٰہی رحمت میں سے ہے۔ اللہ کی صفات رحمٰن و رحیم دونوں میں رحمت خداوندی شامل ہے۔ رحیم عمومی حالت میں مسلسل سامان نشوونما بہم پہنچانے والا ہے اور رحمٰن کے معنی ہوتے ہیں ہنگامی ضرورت کے وقت شدت اور غلبہ کے ساتھ سامان نشوونما عطا کرنے والا۔ ایک حدیث شریف میں یوں بھی آیا ہے کہ اللہ دنیا کا رحمٰن اور آخرت کا رحیم ہے۔ اے بندہ خدا وہی رحمٰن و رحیم تجھے دوست رکھے ہوئے ہے۔ اس دوستی کے ہوتے ہوئے کیسے ممکن ہے کہ وہ تجھے شیطان کے رحم و کرم پر چھوڑ دے اور تم گمراہی میں جا پڑو۔

(۷)

او سبوئے تخت می خوابانَدت در گور تنگ
می وز اند مر ترا از روضہ رضوان نسیم

(اللہ تعالیٰ از راہ رحمت حق تمہیں تنگ قبر میں تخت پر سلائے گا' اس پر مستزاد تیرے لیے روضہ رضوان کی ہوا چلائی جائے گی)۔

بتایا جارہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمتوں اور عنایات کے سایوں میں تجھ پر تیری تنگ و تاریک لحد میں بھی اپنی نوازشات جاری رکھے گا۔ تیرے لیے قبر کی حشرات سے بھری ہوئی مٹی کے بجائے ایک آرام دہ اور باعزت تخت کا اہتمام فرمائے گا تاکہ تمہیں وہاں بھی مناسب آرام اور سکون اور مرتبہ حاصل ہوسکے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہی رب الرحمٰن الرحیم

تیری آسودگی طبع کی خاطر روضہ رضوان یعنی جنت کی ٹھنڈی اور خوشبو دار ہوا بھی ایک در یچے میں سے چلا دے گا۔ یہ سب آسائشیں اللہ تعالیٰ کی رحمت و رافت اور مہربانی سے ہوں گی۔ اس لیے اے انسان تجھ پر بھی لازم ہے کہ تو بھی اس رحمتوں والے در کے علاوہ کہیں اور نہ جائے۔ اسی کو اپنا اول و آخر محبوب بنائے رکھے۔

⟨۸⟩

چوں زبان قال گرود در سوال گور لال

واردت ثابت قدم فی الحال بر عہد قدیم

(منکر نکیر کے سوال و جواب کے مرحلے پر اس وقت جب گور کے اندر سوال و جواب میں بولنے والی زبان گونگی ہو جائے گی تو اس لحہ بھی تجھے اللہ تعالیٰ ہی عہد قدیم پر ثابت رکھے گا)۔

بحوالہ روایات قبر میں جب نکیرین وہ دو فرشتے جو مردہ سے اس کے عقائد و اعمال کے بارے میں سوال و جواب کریں گے اور بندہ بے چارہ ان منکر اور نکیر کے سامنے بے بس سا ہو کر ایک طرح سے گونگا ہی ہو جائے گا۔ اے بندۂ حق! اس نازک وقت پر بھی تیرا محبوب حقیقی اور تیرا خالق و مالک ہی تیرے کام آئے گا۔ وہی تجھے ہمت دے گا کہ تو اپنے اس عہد قدیم پر قائم رہ سکے کہ جو تو نے یوم الست کو کیا تھا۔ وہ وعدہ اور اقرار کیا تھا۔ قرآن مجید اس بارے میں یوں بتاتا ہے کہ ”اے رسول! وہ وقت یاد کیجئے اور انہیں یاد دلائیے جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم (آدم کے صلب سے پیدا ہونے والی اولاد در اولاد) سے اجتماعی شہادت لی کہ کیا میں تم سب کا پروردگار نہیں ہوں؟ سب روحوں نے کہا کیوں نہیں ہم بصمیم قلب ربوبیت کبریٰ پر شاہد ہیں۔“ (۱۷۲:۷)۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسی میثاق الست پر قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

⟨۹⟩

در بہشت خلد زریں بیش دارت درجہا

پس خریداران او گریند در امید و بیم

(تجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہشت میں بہت بلند درجات عطا کیے ہیں، لیکن عاشق الٰہی اس

وقت امید وبیم کی حالت میں رو رہے ہوں گے)۔

اے عبادت گزار دوست! تجھے تو تیرے پروردگار نے اپنی مہربانیوں سے جنت میں اعلیٰ مقامات اور مدارج عالی عطا کرر کھے ہیں۔ تو اب جنت کی نعمتوں اورالطافات خداوندی سے خوب فیض یاب ہورہاہے۔ لیکن دوسری طرف وہ جو اللہ کے سچے عاشق ہیں وہ اور ہی حال میں ہیں۔ انہیں تو ان کے محبوب نے امید اور نا امیدی کی حالت میں گویا ایک طرح سے معلق کرر کھا ہے۔ وہ اپنی اس کیفیت میں رورو کر اور آہ وگریہ کرتے ہوئے وقت گزار رہے ہوں گے۔ ان کی یہ حالت اور کیفیت اس لیے ہے کہ انہیں جنت یا حور اتصورات اور جنت کی آسائشوں اور باغ و بہار کی ضرورت نہیں ہے وہ تو صرف ذات خداوندی کے حسن و جمال پر نظر لگائے ہوئے ہیں اور وہی ان کا مدعا و منشا ہے۔ وہ حسن و جمال حق ہی انہیں سکون وصبر و قرار دے سکتا ہے۔

۱۰

دوستی ہا کرد باتو از ازل تا ایں زماں

در مقام دوستی اونمی باشی مقیم

(تیرے ساتھ وہ تو ازل سے اس وقت تک دوستی کیے ہوئے ہے۔ وہ تیرے ساتھ ہے وہ تجھ پر مہربان ہے۔ لیکن تو ہی دوستی کے مقام و مرتبہ سے واقف نہیں ہے)۔

اے بندہ خدا! اللہ تبارک وتعالیٰ تو تمہارے ساتھ شروع سے اب تک خوب سے خوب تر دوستی نبھار ہا ہے۔ اس کی دوستی میں اس زمانہ تک کوئی کمی یا بے رخی واقع نہیں ہوئی ہے' اسے ہی صحیح معنوں میں دوستی نبھانے کا قرینہ اور سلیقہ ہے۔ اس کے معیار اور درجے کا اور کوئی دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن انسان ہی وہ مخلوق ہے کہ جو اب تک دوستی کے مقام اور اس کے آداب اور حسن دوستی سے واقف نہیں ہے۔

۱۱

نعمت بسیار خواہد داد در عمر ابد

توچہ نعمت خواہی اے محی بجنات النعیم

(اللہ جل شانہ آخرت میں اپنے بندوں کو لاتعداد نعمتوں سے نوازے گا۔ اے محی

الدین! تو بتا تو سہی تجھے جنت النعیم میں کون سی نعمت کی طلب و آرزو ہوگی!)۔

اللہ جل جلالہ عم نوالہ و عز برہانہ آخرت میں یعنی مستقبل میں اپنے بندوں کو بے حدوحساب نعمتیں عطا فرمائے گا اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ مومنین تو آخرت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ (۳: ۱۱۴)۔ یہی نہیں بلکہ ''مومنین تو آخرت کے بارے میں بڑے محتاط ہوتے ہیں۔ آخرت کے محاسبے سے خائف رہتے ہیں اور اپنے پروردگار کی رحمت بیکراں کی امید لگائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ (۳:۳۹)۔ اور مومنین تو دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں مانگنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی یہی دعا ہوتی ہے کہ ''اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نیکی اور انعام فرما اور آخرت میں بھی نیکی اور انعام فرما اور ہمیں نار دوزخ سے بچا۔'' (۲:۲۰۱)۔ اس پس منظر میں اے محی الدین تم جنت النعیم کے انعامات میں سے کون سی نعمتوں کو پسند کرو گے۔

## غزل ۵۹

⟨۱⟩

بے تماشائے جمالت روضہ را ہامون کنم
حور عین را از درون قصر ہا بیرون کنم

(اگر جنت میں مجھے میرے محبوب کا جمال نہ دکھائی دیا اس بدقسمتی پر اور کم نصیبی پر میں جنت کو بھی صحرا اور جنگل کر دوں گا۔ اور موٹی خوب صورت آنکھوں والی حوروں کو محلات وقصور سے باہر نکال دوں گا)۔

اے میرے پروردگار تجھے معلوم ہے کہ ہماری منزل اور جنت صرف اور صرف تیرا جمال اور دیدار ولقا ہی ہے۔ اس لیے ہمیں جنت کی یادوں اور رنگینیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس حقیقت کے سامنے جنت ہمارے لیے بے معنی ہے۔ اگر وہاں ہمیں آپ کا حسن و جمال نظر آیا تو ہم جنت کو بھی ویرانہ بنادیں۔ حور وقصور کو بھی تباہ و برباد کر دیں گے۔

۲

حور زیبا روئے راخواہیم دادن صد طلاق
گر نہ رو' در نور روئے حضرت بیچوں کنم

(ہم خوب صورت چہرے والی حوروں کو سو طلاق دے دیں گے اگر ہمیں حضور حق کی جانب اپنا چہرہ کرنے کا موقع نہ ملا)۔

عاشقان صادق بتاتے ہیں کہ اگر ہمیں روز قیامت ہمارے محبوب حقیقی کا پر جمال اور بے مثال چہرے کا نور نہ دکھائی دیا۔ یا ہم اس نورانی حسن و جمال کی طرف اپنا چہرہ نہ کر سکے تو یہ تو ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہوگی۔ یہ ہمارے لیے ایک بہت بڑی منفی بات ہوگی کہ اگر ہم اس قابل یقین محبوب کے چہرہ انور کو دیکھنے سے محروم رہے تو ہم اس جنت کی خوش شکل اور خوب صورت حوروں کو سو طلاق دے دیں گے۔ روئے حق کے انوار کے بغیر ہمیں حوروں سے نہ تو کوئی دلچسپی ہے اور نہ ان کی طلب ہے۔ ہماری توجہ اور طلب کا مرکز تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا نور ہی ہوگا۔

۳

روضہ را جلوہ مدہ رضوان کہ باللہ العظیم
ما بہ یک آہش بسوزانم ترا مجنوں کنم

(اے رضوان! ہمیں جنت کے باغات نہ دکھاؤ ہمیں ان کی طلب و آرزو نہیں ہے۔ قسم بخدا ہم اپنی ایک ہی آہ سے اسے جلا ڈالیں گے اور تجھے مجنوں کر دیں گے)۔

اے داروغہ جنت! تو ہمیں اور اس کے سرسبز باغات کی جھلکیاں دکھا دکھا کر ہماری توجہ کو ہماری منزل مقصود سے نہ ہٹا۔ مانا کہ یہ جنت اور اس کی بہاریں عام لوگوں کے لیے بہت کچھ ہوں گی' ہمیں اس کی کوئی تحریص نہیں ہے۔ اسے تو ہم سے دور ہی رکھ۔ اسے دیکھنے کی ہمیں ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ بخدا! ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسے اپنی صرف ایک ہی آہ سے جلا کر بھسم کر سکتے ہیں۔ یہ ہماری ایک بھی پر سوز آہ کی تاب نہ لا سکے گی۔ ہماری آہوں کے سامنے تیری یہ جنت بے حیثیت ہے اس کی پر کاہ جتنی بھی وقعت نہیں ہے۔ ہم تو اپنی آہ سے

تمہیں بھی اپنی ہی طرح مجنوں کر سکتے ہیں۔

(۴)

آب دارد اے بہشتی ! کوثر و طوبیٰ مگر

ما بہ یکدم کاروبار ہر دور ایکسوں کنم

(اے جنت باسی! اے بہشت کے رہنے والے! مانا کہ کوثر اور شجر طوبیٰ بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ ہم ان دونوں کی دلکشی کو ختم کر کے رکھ دیں گے)۔

اے ہمارے جنت میں رہنے دوستو! تمہیں جنت میں رہنا اور جنت کی رنگینیاں اور رعنائیاں مبارک ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ٹھنڈے میٹھے اور شیریں ولذیذ پانی والا حوض کوثر اور جنت کا عظیم الشان درخت طوبیٰ کی شاخیں جنت کے ہر گھر پر ہیں۔ ان میں بڑا حسن اور بڑی کشش ہے۔ ان دونوں کی بہت دلکشی اور جاذبیت ہے۔ مگر اے دوست! ہمیں ان کی پرواہ نہیں ہے۔ ان کی دلآویزی میں ہمارے لیے کوئی رغبت نہیں ہے ہم ان دونوں کی کشش و جاذبیت سب ختم کر کے رکھ سکتے ہیں۔ ہمارا مدعا و منشا صرف ذات باری ہے۔

(۵)

گر نہ در فردوس باشد دیدن دیدار دوست

زاویہ در ہاویہ کردیم و دیدہ خوں کنم

(اگر فردوس میں ہمیں دیدار دوست حاصل نہ ہوا اس موقع پر ہم تو ہاویہ دوزخ کے درمیان میں اپنا ٹھکانہ اور مسکن بنالیں گے۔ اور رو رو کر اپنی آنکھیں خونی کرلیں گی)۔

اے کہ اگر ہمیں فردوس کے گلزاروں اور باغات میں ہمارے محبوب حقیقی اور حبیب برحق کا دیدار اور لقا حاصل نہ ہوا تو پھر ہاویہ دوزخ کہ جو ساتواں طبقہ جہنم ہے، ہم اس میں اپنا مسکن اور ٹھکانہ بنالیں گے۔ اے پروردگار! تجھے تو معلوم ہی ہے کہ جنت اور فردوس وغیرہ ہماری طلب اور کمزوری نہیں ہیں۔ ہمارے لیے تو ہمارا سب کچھ دیدار الٰہی ہی ہے۔ اس دیدار کی خاطر دوزخ یا دوزخ کا کوئی بھی حصہ اور طبقہ ہمیں کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا۔ ہم ہر طرح کی اذیت اور عذاب کو بخوشی برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

۶

ایہا العاشق! اگر معشوق بردارد نقاب
دیدهٔ ما در خور اونیست آیا چوں کنم

(اے عاشق! اگر معشوق حقیقی نے نقاب الٹ دیا اور ہماری آنکھیں اس کو دیکھ سکنے کے لائق نہ ہوئیں تو پھر کیا کریں گے؟)۔

اس شعر میں عاشق صادق کو ایک خاص انداز عربی میں قرآنی طریقہ تخاطب کے تحت ''ایہا العاشق'' کہہ کر پکارا گیا ہے۔ کہ عاشق زار! ذرا اس صورت حال کو ذہن اور تصور میں لا کر بتاؤ تو سہی کہ اگر تمہارے محبوب حقیقی اور عاشق ازلی نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور وہ تمہارے سامنے جلوہ افروز ہو گیا تھا' تو اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی۔ اس وقت کہ جب وہ اپنے روئے انوار سے پردہ ہٹا دے گا تو اس وقت اگر تمہاری آنکھیں ہی اس انوار الٰہی کی تاب نہ لا سکیں' یا وہ اس لائق ہی ہوئیں کہ وہ جمال حق کا نظارہ کر سکیں' تو پھر کیا صورت حال بنے گی۔ اس وقت پھر تم کیا کر سکو گے!

۷

محی باما دار خود رائے بے ریاضت تا ترا
چوں جنید و بایزید و شبلی' ذوالنون کنم

(اے محی الدین! تم اپنے آپ کو ہمارے ہی ساتھ رکھ تا کہ تجھے ریاضتوں کی مشقتوں میں پڑے بغیر حضرت جنید بغدادی' حضرت بایزید بسطامی' حضرت ابوبکر شبلی اور حضرت ذوالنون مصری کی طرح اولیاء میں سے کر دوں)۔

اگر چہ حضرت غوث الاعظم محی الدین بہت بڑے اور بلند مرتبہ ولی اور اہل تصوف کے سرخیل تھے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے سے پہلے اسلاف اور اجل صوفیائے کرام سے بے حد عقیدت اور الفت کا اظہار کرتے تھے۔ اسی لیے وہ خود ہی بتاتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی' حضرت بایزید بسطامی' حضرت ابوبکر شبلی اور حضرت ذوالنون مصری بہت بلند مرتبہ اولیاء اللہ تھے۔ اس لیے حضرت صاحب کو یہ بھی خبر تھی کہ مجاہدوں اور مشقتوں کے بجائے اولیاء اللہ جو

پیر کامل ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت بدر جہا بہتر اور زیادہ مفید ہوتی ہے۔ گویا اولیاء اللہ کا قرب برسوں اور صدیوں کے سفر کو آسان بنا دیتا ہے۔

# غزل ۶۰

(۱)

گر دل ہی بمادہ عاشق کہ ما امینم
با آنکہ دل بما داد ما روز و شب قرینم

(اے عاشق! اگر دل دینا چاہتے ہو تو ہمیں دو کیونکہ ہم امین ہیں۔ جس نے ہمیں دل دیا ہم روز و شب اس کے ساتھ ہیں)۔

اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عشاق سے کہا جا رہا ہے۔ اگر تم عشق میں کسی کو دل دینا چاہتے ہو تو اس مقصد کے لیے اس کے لیے ہم ہی سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اس لیے اے عشاق جہاں اپنا دل صرف ہمیں ہی دیجئے کیونکہ ہم امانت دار ہیں۔ ہم ایسے امانت دار ہیں کہ جس کے سپرد کوئی کر کے تمہیں بھروسہ اور اطمینان رہتا ہے۔ تمہارا پروردگار سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ جب تم اپنے سب امور اسی کو تفویض کرتے ہو تو اپنا دل بھی اسی کے سپرد کرو۔ وہ سب سے بڑھ کر اس کی حفاظت کرے گا۔ وہ جس کا دل لیتا ہے سدا اور ہمہ وقت اسی کے ساتھ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا اور کوئی محافظ اور حفیظ نہیں ہے۔ ''وہ سب سے بہتر محافظ اور خیر الحافظین ہے۔'' (۶۴:۱۲)۔

(۲)

گر ما دل تو یابم تسلیم تو بسازم
ناداں زیک دل تو صد دل بیا فرینم

(اے بندے ذرا سوچو تو سہی۔ اگر ہم تمہارا دل لے لیں اور تو اسے تسلیم و رضا سے دے دے۔ تو اے ناداں! اس ایک دل سے ہم سینکڑوں دل پیدا کر دیں گے)۔

اے عاشق نادان! اگر تم ہمیں اپنا دل پوری رضا و رغبت اور تسلیم و تہذیب کے ساتھ

دے دو تو اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی اسے قبول کر لیں تو یہ تیری بہت بڑی خوش بختی ہو گی اور یہ تم پر ہمارا بہت بڑا احسان ہو گا۔

ہم تمہارے اس دل کی اس طرح سے قدر اور عزت کریں گے ہم اس ایک دل میں سے صدہا دل پیدا کر دیں گے۔ اور وہ دل بھی تمہارے ہی حوالے سے تمہاری نمائندگی اور انابت کریں گے اور یہ اللہ کا قانون ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حسنات کا بدلہ بہت زیادہ دیتا ہے۔'' (۴:۴۰) بلکہ یوں بھی کہ ''جو شخص بھی ایک نیکی کرے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا دس گنا اجر ہے۔'' (۶:۱۶۰)

(۳)

تو نفی خویش می گو تا گم شود وجودت

چوں باتو بعد ازاں ما گویائی آفرینم

(اپنے آپ کی نفی کرو تا کہ تمہارا وجود گم ہو جائے اس کے بعد پھر ہم تمہاری قوت گویائی پیدا کریں گے)۔

ولایتِ عشق الٰہی میں سب سے پہلا مرحلہ اور منزل یہ ہوتی ہے کہ بندہ اپنی ذات کی نفی کرتا ہے اور اس کے بعد اپنے محبوب کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ موت تو اصل میں خودی کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ اسی حوالے سے جو موت سے پہلے ہی موت کو اپنا لیتے وہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ وادی عشق الٰہی میں جب بندہ اپنی ذات کی نفی بحوالہ ''موتوا قبل ان تموتوا'' کر دیتا ہے تو پھر اس کے اپنے اختیارات اور ارادے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ اپنی رضا کو وارد کرتا ہے۔ اس شعر میں بتایا گیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اس کی قوت گویائی پیدا کر دیتے ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد انسان کی ایک اور زندگی شروع ہوتی ہے۔ گویا یہ موت اصل میں بقول علامہ اقبال پیغام زیست بن جاتی ہے۔

(۴)

شیطان ہزار فرسنگ از گرد تو گریزد

سی صد نظر تو ہر روز اندر دروں بہ بینم

(شیطان تو تیری گرد سے بھی ہزاروں کوس دور بھاگتا ہے' اے بندے یہ اس لیے ہے

کہ ہم تجھے ہر روز تین سو بار دیکھتے ہیں)۔

بتایا جارہا ہے کہ انسان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدام نظر اور محافظت رہتی ہے کیونکہ اللہ جل شانہ بندے کی مسلسل نگہبانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے۔ وہ بہت بڑا محافظ، نگہبان اور نگرانی کرنے والا ہے۔ وہ اللہ" ہر چیز پر نگران اور نگہبان ہے۔" (۱۱:۵۷)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بڑا حافظ و ناصر اور حفیظ بھی ہے۔ وہ جس کی حفاظت اور نگرانی کرنا چاہتا ہے با آسانی کر لیتا ہے۔ وہ ایک بہتر اور احسن پاسبان بھی ہے۔ اس کا نظام حفاظت بڑا ہی فعال ہے، جس سے وہ سب کو محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ اپنے اسی نظام حفاظت ہی کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی شیطان سے بھی حفاظت کرتا ہے۔ وہ حفیظ بھی ہے اور الرقیب بھی ہے۔ "اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔" (۵۲:۳۳)۔ اور یوں بھی ہے کہ" وہ ہر شے کو اپنے احاطہ میں لے کر اس کی محافظت کرنے والا ہے۔" (۵۹:۲۳)

۵

گر صد ہزار شیطان اندر کمیں نشیند

بر تو ظفر نہ یابند ماہچو در کمینم

(اگر صد ہزار شیطان بھی تمہارے لیے گھات لگا کر بیٹھے رہیں تو وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ یہ اس لیے کیونکہ ہم نے تمہیں اپنی پناہ میں لے رکھا ہے)۔

اے انسان! اے میرے بندے! میں نے تجھے اپنی پناہ اور اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ مومنوں کو ہر گزند سے محفوظ رکھتا ہے۔" (۱۰:۱۰۳) اللہ تعالیٰ اپنے نظامِ حفاظت کے تحت جنہیں چاہتا ہے انہیں بچا لیتا ہے اور جنہیں چاہتا ہے تباہ و برباد کر دیتا ہے"۔ (۹:۲۱) بندے کی دعا اور طلب کے مطابق اللہ تعالیٰ جنہیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہے وہ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے مومنین اپنے پروردگار سے شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

(۶)

کن بندہ توبہ آنگہ بر تو کینم رحمت
سوگند خور تو ہمچوں مانیز برہمنیم

(اے بندے توبہ کرو تاکہ ہم تجھ پر اپنی رحمتیں نازل کریں۔ گناہوں سے رکنے کی قسم کھاؤ اور عہد کرو جس طرح ہم نے رحمت نازل کرنے کا عہد کر رکھا ہے)۔

اے بندہ خدا! ہر طرح کے گناہوں پر توبہ کرنے کے لیے اللہ کے ہاں معافی کا دروازہ کھلا ہے۔ توبہ یہ ہوتی ہے کہ بندہ سہو و خطا کے بعد باز آفرینی کر لے اور دوبارہ گناہ سے بچا رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے۔ بندہ جب توبہ کر کے اپنے پروردگار کی طرف آتا رہے تو "جو شخص زیادتی کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ بے شک اسے معاف کر دیتا ہے"۔ (۳۹:۵)۔ بلکہ یوں بھی بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تائب کی طرف لوٹتا ہے اور توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب غفران ہے اور صاحب رحمت ہے۔ بلکہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے۔" (۵۴:۵)

(۷)

محی ببر بکلی زیں دوستاں فانی
پیوند خود بماکن ما یار راستیم

(اے محی الدین! فانی دوستوں کو چھوڑ دو اور صرف ہمارے ساتھ اپنا ناتہ جوڑ لو۔ ہم تو وفادار اور راست دوست ہیں)۔

پروردگار کی طرف سے بندے سے بتایا جا رہا ہے اے انسان تو اس دنیا کی فانی چیزوں اور دوستوں سے کنارہ کش ہو جا۔ ہر شے کو ایک نہ ایک دن ضرور فنا ہونا ہے۔ یہ دنیا و مافیہا سب فانی ہیں۔ اگر کسی کو بقا اور دوام حاصل ہے تو وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ بقا ہی فنا کی ضد ہے۔ اسی حوالے سے قرآن مجید میں آیا ہے کہ "روئے زمین پر (کائنات ارضی میں) جو کچھ بھی ہے فنا پذیر ہے۔ بقا ہے تو صرف تیرے پروردگار کی ذات لافانی کو ہے جو صاحب اکرام

ہے۔" (۵۵:۲۶۔۲۷) اسی طرح ایک اور ارشاد باری میں یوں بھی آیا ہے کہ "اس کی ذات حی و قیوم کے سوا سماوی و ارضی کی ہر شے فنا و ہلاک کے بلا خیز طوفانوں میں) تباہ و برباد ہو جائے گی۔" (۲۸:۸۸) تو اے میرے بندو تم اپنے اللہ ہی کو اپنا دوست بناؤ۔ "کیونکہ دنیا و آخرت میں اللہ ہی سب کا ولی (دوست) ہے۔" (۱۲:۱۰۱)

## غزل ۶۱

(۱)

ما بجنت از برائے کار دیگر می روم
نے تفریح کردن طوبیٰ و کوثر می روم

(ہم جنت میں کسی اور ہی اہم کام سے جا رہے ہیں' نہ کہ طوبیٰ اور کوثر کی زیب و زینت اور سیر و تفریح کی خاطر وہاں جا رہے ہیں)۔

طوبیٰ جنت کا طیب اور پاکیزہ درخت ہے۔ اس عظیم الشان درخت کے بارے میں بتایا جاتا ہے اس کا پھل نہایت شیریں اور لذیذ ہوگا۔ اس کے پتوں اور شاخوں کا سایہ مومنین مخلصین کے گھروں کے اوپر ہوگا۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات میں طوبیٰ کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ جنت کے ایک درخت کا نام ہے اور ترجیح اس کو دی ہے کہ وہ جنت کی ہر ایک نعمت ہے۔ قرآن مجید میں یوں آیا ہے کہ "نیکوکار لوگوں کے لیے اجر عظیم کی خوشخبری ہے اور (خوشحالی۔طوبیٰ) اچھا ٹھکانہ (حسن مآب) ہے۔" (۱۳:۲۹) اس طوبیٰ کے معنی لذت و خوشی کے بھی ہیں اور اسی طرح کوثر تو وہ مخصوص نہر یا حوض ہے جس کی خاک خالص مشک' جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں اور جس کی کنکریاں جواہرات یا قوت کی مثل؛ جس کے پیالے آب و تاب اور شمار میں ستاروں کی مانند ہیں۔ شاعر بتاتا ہے کہ ہم جنت میں طوبیٰ و کوثر سے لطف اندوز ہونے کے لیے نہیں جا رہے۔ ہمارا مقصد تو اس سے بھی بہت عظیم اور بڑا ہے۔ ہم تو صرف دیدار الٰہی کے متمنی اور متلاشی ہیں۔

(۲)

مقصد ما حسن یوسف باشد اندر شہر مصر

مانہ در مصر از برائے قندو شکر می روم

(شہر مصر میں ہمارے جانے کا مقصد حسن یوسف علیہ السلام دیکھنا ہے، نہ کہ ہم مصر میں مصری اور شکر لینے جا رہے ہیں)۔

اے لوگو! جان لو کہ مصر کے بازار صرف اپنی مصری قند اور شکر شیریں ہی کی وجہ شہرت یافتہ نہیں بلکہ اے لوگو! شہر مصر کے بازار کی رونق اور وجہ شہرت اصل میں حسن یوسف علیہ السلام ہے۔ کیونکہ کسی زمانے حضرت یوسف علیہ السلام کو اسی شہر مصر ہی میں بکنا پڑا تھا اس تناظر میں شاعر بتا رہا ہے کہ اے ناصح! ہم شہر مصر میں قند مصری اور مصری کی ڈلیوں کے لیے نہیں جا رہے بلکہ ہمارا مقصد تو حسن یوسف علیہ السلام کی ایک جھلک دیکھنا ہے۔ علامتی طور پور بازار مصر کو دنیا اور قند و شکر کو یہاں کی رغبتیں اور لذائذ دنیاوی کہا جا سکتا ہے اور اس طرح حسن یوسف علیہ السلام سے مراد حسنِ خالقِ یوسف ہے۔

(۳)

اندراں خلوت کہ در وے رہ نیابد جبرئیل

بے سروپا ما بہ پیش دوست اکثر می روم

(وہ خلوت کدہ کہ جس میں جبرئیل علیہ السلام بھی نہیں جا سکتے میں وہاں اپنے دوست کے پاس اکثر بے وسروساماں ہی چلا جاتا ہوں)۔

عرف عام میں جبرئیل امین وہ فرشتہ خاص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر نازل ہوتا تھا۔ یہ وہ فرشتہ ہے جو بلندی پر اڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ممتاز اور مقرب فرشتہ ہے۔ بعض صورتوں میں کل ملائکہ کے لیے یہ لفظ بطور مجاز بولا جاتا ہے۔ اس شعر میں عشق حق کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اے لوگو! وہ مقام کہ جہاں پر جبرئیل علیہ السلام کا جانا بھی مشکل اور ناممکن ہوتا ہے، ہم تو اس مقام پر بغیر کسی ساز و سامان اور تکلفات میں پڑے بغیر اکثر جاتے رہتے ہیں۔ ہمیں یہ مقام و مرتبہ صرف عشق حقیقی ہی کی بدولت میسر آیا ہے۔

(۴)

می گریزند زاہدان خشک از تردامنی

مابر خورشید خود بادامن تر می روم

(زاہدان خشک اپنی تر دامنی کی وجہ سے گریزاں پھر رہے ہیں جبکہ ہم (عاشقان صادق) اپنے تر دامن کو خشک کرنے کی خاطر سورج کے پاس جاتے ہیں)۔

ہم نے یہ دیکھا ہے کہ زاہدان خشک' یعنی جو ظاہری باتوں کے پابند ہیں اور ریا کاری کا شکار ہیں۔ وہ اپنی تر دامنی (یعنی گنہگاری) کے باعث اپنے پروردگار کے سامنے جانے سے ادھر ادھر جان بچاتے پھر رہے ہیں۔ وہ اپنے اعمال کے ساتھ سامنے جانے سے کترا رہے ہیں۔ ان کے منافقانہ اور ریاکاری بھرے اعمال سیہ ان کے اور پروردگار کے مابین ایک مزاحم پردہ بنے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم جو اس ذات باری کے عشق حق میں جنم جنم کے اور ازلی عاشق ہیں' ہماری صورت حال اور ہی ہے۔ وہ ہمارا محبوب تو ہمارے لیے آفتاب حسن و جمال ہے۔ ہم اس کے پاس شوق فراواں لیے ہوئے اپنے تر دامن کو خشک کرنے کی خاطر یا اپنے گناہوں کی معافی کے لیے بلا حیل و حجت جاتے ہیں۔

(۵)

پارسا گوید بکوئے ما بیا شو نیک نام

ما در آں کوچہ' خدا دانست کمتر می روم

(پارسا لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ نیک نامی کے لیے ہمارے کوچے میں آ جاؤ۔ گویا وہ اس زعم میں ہیں کہ وہ نیک اور صالح ہیں۔ لیکن خدا خوب جانتا ہے کہ ہم اس کوچہ میں بہت کم ہی جاتے ہیں)۔

یہ کیسی خوبی کی بات ہے کہ نیک' پرہیز گار' صالح یعنی پارسا لوگ ہی ہمیں کہتے ہیں کہ تم دنیا میں کس طرح کی زندگی گزار رہے ہو۔ ہمارے کوچہ نیک نامی میں آ جاؤ۔ اس سے تم خلق میں نیک نام اور خوش نہاد مشہور ہو جاؤ گے۔ گویا ان سادہ لوح صوفیوں کی یہ خواہش ہے کہ ہم صرف نیک نامی کمانے کے لیے ان کے کوئے صفا میں چلے جائیں اور جان بوجھ کر ریا کاری'

منافقت اور کذب کا شکار ہو جائیں۔ لیکن اے دوستو! ہمارا خدا جانتا ہے ہم اس کوچہ صوفیاء میں نیک نامی کمانے کے لیے کبھی نہیں گئے۔ بلکہ ہمارا تو اس جانب کم ہی جانا ہوتا ہے۔ ایسے بھی یہ امری اور واضح حقیقت ہے کہ ہم برائے نیک نامی اور خلق میں مقبول ہونے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ ہمیں شہرت اور نیک نامی کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔

(۶)

من ز دنیا کو قلندر خانہ عشق خدا ست
سوئے عقبیٰ عاشق و مست و قلندر می روم

(یہ دنیا جو عشق خدا کا قلندر خانہ ہے، میں تو اس دنیا سے عقبیٰ کی طرف عاشقوں، مستوں اور قلندروں کی مانند جاتا ہوں)۔

بتایا جاتا ہے کہ قلندر وہ ہوتا ہے جو اس قدر روحانی ترقی کر گیا ہو کہ اپنے وجود اور دنیا کے تمام تعلقات سے بے خبر اور لاتعلق ہو کر صرف اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ اسے فقیر بھی کہتے ہیں۔

یہ دنیا گویا ایک طرح سے قلندر خانہ ہے۔ قلندروں کے رہنے کی جگہ ہے۔ یہ دنیا تو عشق خدا کا قلندر خانہ ہے اور اس میں عاشق لوگ عقبیٰ کی جانب جاتے ہیں۔ یہاں پر عقبیٰ سے مراد مال کار یا انجام بھی ہے اور عقبیٰ آخرت اور قیامت کے لیے بھی ہے، اسی میں جنت اور حور و قصور کا بھی مذکور ہے۔ اسی تناظر میں شاعر نے بتایا ہے کہ عاشق لوگ تو اس دنیا کو معمولی سمجھتے ہوئے یہاں سے مستوں اور قلندروں کی طرح عقبیٰ پر نظر رکھتے ہیں۔

(۷)

شیخ ما عشقت و ما ہم درپے او تا ابد
بے عصاؤ خرقہ و کشکول و لنگر می روم

(ہمارا رہبر اور شیخ ہمارا عشق ہی ہے۔ اور ہم عصا، خرقہ کشکول اور لنگر کے بغیر ہی اس کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں)۔

اے دنیا! ہمارا مرشد اور ہمارا شیخ تو ہمارا عشق ہی ہے۔ عشق ہی ہر میدان میں ہماری

رہنمائی اور دستگیری کرتا ہے اور ہم نے محسوس کیا ہے کہ ہمیں اس سے بہتر پیر اور ہادی اور کوئی نہیں مل سکتا۔ اگرچہ فقیروں کی متاع اور لوازمات میں عصا' خرقہ' کشکول اور لنگر وغیرہ ضروری سمجھے جاتے ہیں لیکن ہم تو ان لوازمات اور تکلفات سے بے نیاز ہو کر حضرت عشق کے پیچھے جارہے ہیں یہ لوازمات پیری بھی ہیں اور تکلفات عاشق بھی' لیکن ہمارے عشق حق نے ہمیں ان مادی سہاروں سے بھی بے نیاز اور لاپرواہ کررکھا ہے۔ سہارے تو عقل کے حیلے اور بہانے ہوتے ہیں جبکہ عشق ان عقلی موشگافیوں سے مبرا اور پاک ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے عقل کے مقابلے میں عشق کی رہبری میں ناکامی ممکن نہیں ہوسکتی۔

(۸)

زہرہ ماراہبر از قہر یا از نیکوئی

ما اگر نیکو گر بد ہم بداں در می روم

(ہمارا گروہ ہمارا رہبر ہے۔ معلوم نہیں وہ ہم سے ناراض ہے یا ہم پر خوش ہے۔ ہم اچھے ہیں یا برے ہیں۔ ہم تو خود کو گناہگار ہی سمجھ کر چلے جارہے ہیں)۔

ہمارا گروہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہی ہمارا رہبر و رہنما ہے۔ ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ہے کہ وہ ہم پر خوش یا ناراض۔ یہ اس کا کام اور منصب ہے۔ لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے۔ وہ اتنا ہی ہے کہ ہم اس کی رہنمائی کو مانتے رہیں اور اس کی رہبری سے بھرپور استفادہ کریں۔ کیونکہ ہم نے تو اپنے آپ کو بندہ عاجز اور گناہگار ہی سمجھ رکھا ہے ہماری یہ پیروی بھی گناہگاروں ہی کی طرح سے ہے۔

(۹)

برکفن مارا تو اے عشاق بوئے خوش بسا

ما بگو راز بہرآں دلبر معطر می روم

(اے میرے دوست اور ہمدرد عاشقو! ہمارے کفن کو خوشبوؤں میں بسا دو کہ ہم اپنے محبوب کے لیے معطر و معنبر ہو کر جانا چاہتے ہیں)۔

اے میرے غم خوار ہمدرد عاشق دوستو! ہم خاک لحد میں خاک نشینی میں پڑے ہیں۔

کوئی ہمارا پرسان حال نہیں ہے۔ لیکن ہمیں یہ تو یقین ہے کہ ہمیں بہر صورت دیدار حق ہو کرر ہے گا۔ اس لیے دوستو! ہمیں چونکہ دربار الٰہی میں ہر حال میں پیش ہونا ہے۔ اس لیے ہمیں تم اچھی اچھی خوشبوئیں لگاؤ۔ ہمیں معنبر اور معطر کر دو۔ شاید ہماری یہ خوشبوئیں ہمارے گناہوں کی بخشش کا موجب بن جائیں۔ اور ہم بھی گناہوں کے غم واندوہ سے آزاد ہو سکیں۔

﴿۱۰﴾

دولت دیدار می خواہم در جنات عدن

من نہ آنجا از برائے زیور و زر می روم

(الوگو! ہم جنت عدن میں صرف اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کی دولت کے لیے جار ہے ہیں، ہم وہاں پر زیورات اور زر کی خاطر تو ہرگز نہیں جار ہے)۔

جنت عدن وہ جنت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو دانہ گندم کھانے سے پہلے رکھا ہوا تھا۔ یہ ہمیشہ رہنے والی جنت بھی کہلاتی ہے۔ اس کے باغات اور ہریالیاں اور ہوائیں اور فضائیں بھی بڑی ہی سکون آور اور جانفزا بتائی جاتی ہیں۔ شاعر بتاتا ہے کہ اے لوگو! ہم اس جنت عدن میں وہاں کی رنگینیوں اور آسائشوں سے بہر یاب ہونے کے لیے نہیں جار ہے بلکہ وہاں پر ہمارا مدعا تو فقط ہمارے محبوب حق کا دیدار کرنا ہے۔ ہم اس جنت عدن میں اپنے پروردگار کے دیدار کی بے بہا دولت کو سمیٹنے کی خاطر جار ہے ہیں۔ ہمیں اس جنت کی رنگینیوں، زر و جواہرات اور سہولتوں اور آسائشوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہمارا تو مقصد دیدار الٰہی سے فیض یاب ہونا ہے اور اس سے بڑی ہمارے لیے اور کون سی دولت ہوگی۔

﴿۱۱﴾

محی مارا ہم چوں کوہ افسردہ می بینی ولے

مابہ سر چوں ابر خوش بے پاؤ بے سر می روم

(اے محی الدین! تم ہمیں مانند کوہ افسردہ اور خاموش دیکھ رہے ہو، لیکن دراصل ہم تو بادل کی طرح خوشی کے ساتھ بے سروپا اپنے محبوب حقیقی کی طرف جار ہے ہیں)۔

پہاڑوں کی تنہائی، خاموشی اور ویرانی سی دیکھ کر ان پر سے افسردگی کا ایک گہرا تاثر ابھرتا

ہے' اسی لیے شاعر محی الدین نے اپنے آپ کو پہاڑ ہی کی طرح خاموش' چپ چاپ' ملول اور افسردہ قرار دیا ہے۔ لیکن ان کے اندر جو ایک خاص شوق دیدار الٰہی ہے۔ اس کے باعث وہ ایک بادل کی سی وارفتگی' سبک روی اور خوش دلی کے ساتھ سر اور پاؤں کے بغیر ہی اپنے محبوب کی جانب رواں دواں ہے۔

## غزل ۶۲

### ①

باز کشم لشکر و تا بہ فلک بر روم
قلعہ روحانیاں گیرم و برتر روم

(میری منزل دور ہے اس لیے میں پھر لشکر کشی کروں گا اور آسمان کی جانب بڑھوں گا۔
پھر روحانیوں کے قلعہ کو فتح کر کے اور اوپر چلا جاؤں)۔

بتایا جا رہا ہے کہ میں پھر سے لشکر کشی کر کے حملہ کر دوں گا اور چڑھائی کرتا ہوا آسمان کی طرف بلندیوں میں جا کر دھاوا بھول دوں گا۔ میرے اس حملے اور دھاوے کا مقصد آسمان کی بلندیوں پر جانا ہوگا۔ وہاں پر روحانیوں نے یعنی فرشتوں نے جو مضبوط عمارتیں اور قلعے بنا رکھے ہیں' میں انہیں بدستور تسخیر اور فتح کرتا چلا جاؤں گا۔

اس شعر میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان اپنے رتبے اور وقار و مرتبہ میں فرشتوں سے بھی برتر ہے اور چونکہ فرشتوں کہ وہ مسائل و افکار لاحق نہیں ہیں۔ اس لیے وہ گناہوں سے مبرا ہیں۔ لیکن انسان کو مسائل اور دیگر امور کے ازدحام میں پھنسا کر رکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنا ارادہ اور اختیار بھی دے رکھا ہے۔ لہٰذا اگر انسان کوئی منزل طے کرتا ہے یا کوئی بلندی حاصل کرتا ہے تو اس کی اور ہی شان اور درجہ ہوتا ہے۔

### ②

من ملک مقبلم' لیک دریں منزلم
بادل مستغنی حرم و خوشتر روم

(میں ایک خوش بخت بادشاہ ہوں اور ابھی تک اسی منزل اور مرحلے میں ہوں۔ اس پر میں

اپنے پر استغنا دل کے ساتھ خوش و خرم آگے بڑھ رہا ہوں کہ میرے سامنے میری منزل ہے)۔

اے لوگو! جان لو کہ میں تو اپنے عشق الٰہی کی بدولت ایک بہت خوشحال اور بڑے ملک کا صاحب اقبال بادشاہ ہوں۔ بہت دولت مند' خوشحال' صاحب مرتبہ اور بھاگ وان ہوں' میری یہی انتہا نہیں ہے' میں تو ابھی مزید منزلیں اور مرتبے حاصل کیے جا رہا ہوں۔ میں یہ مقام و مرتبہ اس لیے سنبھالے ہوئے ہوں کہ میں تو حق تعالیٰ کا فرمان قبول کرنے والا ہوں اور ارباب الٰہی میں عزت دار ہوں۔ یہ میری منزل اور آخری خواہش نہیں ہے۔ اسی لیے میں اپنے بے نیاز اور آسودہ حال اور مطمئن و بے پرواہ دل کے ساتھ اپنی منزل مقصود کے لیے رواں دواں ہوں۔ یہی نہیں بلکہ میں اپنی اس حالت منصب اور مرتبے پر خوش بھی ہوں اور خرم بھی' اسی لیے مزید آگے ہی آگے ذوق فراواں کے ساتھ بڑھا جا رہا ہوں۔

(۳)

کشور دنیا و دیں دارم من زیر نگیں

چند نشینم چنیں جانب لشکر روم

(میں نے کشور دین و دنیا کو اپنے زیر نگیں کر رکھا ہے۔ اس لیے اب یہاں کس لیے بیٹھا رہوں۔ میں اب اپنے لشکر کی جانب بڑھ رہا ہوں)۔

اے لوگو! میں نے دین اور دنیا کی سب ولائتیں اور ملک بفضل تعالیٰ فتح کر لیے ہیں۔ اب سب علاقے اور سب اقالیم میرے زیر تسلط ہیں۔ میں ان پر مکمل حکمران ہوں۔ اس مقام و مرتبہ اور وافر اختیارات کی موجودگی میں میرے لیے ضروری نہیں ہے کہ میں اسی مقام پر جامد ہو کر رہ جاؤں۔ انہیں پر قناعت کر جاؤں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں تو اب اور آگے بڑھ کر اپنے لشکر کے پاس یعنی عالم روحانی کی طرف پرواز کناں ہوں گا۔

(۴)

ہر نفسے از علا می رسدم ایں صلا

دار ہم من زیں بلاؤ بردر دلبر روم

(عالم بالا سے ہر لحہ مجھے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ میں اس دنیا کے علائق و امور سے

آزاد ہو جاؤں اور پھر اپنے دلبر کے دروازے پر چلا جاؤں)۔

دوسری دنیا یعنی ملائکہ کے جہاں سے مجھے یہ صدا مدام سنائی دیتی رہتی ہے۔ اس دنیا کو چھوڑ دو۔ اس دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے دور رہو۔ اس دنیا کے جھمیلوں اور بکھیڑوں سے آزاد اور ماورا ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ دنیا اللہ کی جانب سفر کی راہ میں مائل ہونے کی وجہ سے رکاوٹ بنتی ہے۔ بہادر اور پکے ارادے والے لوگ ہی اس راہ میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ اس میں بھی شک وشبہ نہیں ہے کہ دنیاوی متاع یقیناً وجہ کشش ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جب دنیاوی مفاد اور مستقل اقدار یعنی آخرت میں تصادم ہو تو اس وقت مستقل اقدار ہی کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ اس ضمن میں قرآن میں یوں ارشاد موجود ہے کہ: ''درحقیقت زمین میں جو بھی نشوونما کی صلاحیتیں ہیں' ہم نے انہیں زمین کے لیے بڑی ہی جاذب نظر اور پرکشش زینت بنادیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم انسانوں کو آزمائیں کہ ان میں اعمال کے اعتبار سے بہتر کون ہے۔'' (۷:۱۸)

۵

پیر خرابات جاں گر کشدم موکشاں

بندۂ کجائی بیا پیش شہ از سر روم

(اگر پیر خرابات مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچے اور کہے اے بندے ادھر تم کہاں پھر رہے ہو۔ تو میں تو اس کی دعوت پر سر کے بل اپنے بادشاہ کی طرف چلا جاؤں گا)۔

میری پروازوں اور اونچی اڑانوں کو دیکھ کر اگر عالم ارواح میں جو میخانہ حق ہے۔ وہاں کا پیر یعنی میرا ہادی اور رہنما میرا محبوب حقیقی' مجھے اس آوارہ خرمی میں میرے سر اور ماتھے کے بالوں سے پکڑ کر کھینچے اور پوچھے کے اے بندے! تم اس وادی ارواح میں کس مقصد اور کس کام کے لیے پھر رہے ہو۔ ادھر میرے پاس آجاؤ۔ تو اس دعوت حق پر تو میں کشاں کشاں خوشی میں ناچتا کودتا ہوا سر کے بل چل کر اپنے شاہشاہ کے پاس چلا جاؤں گا۔ میرے لیے اس سے بڑی اور کیا خوش بختی ہوگی کہ شاہ عالی خود میری طرف التفات فرما رہا ہوگا۔

⑥

قبلہ حاجات دل کوئے خرابات ما

وقت مناجات دل محی برآں در روم

(ہماری تمام حاجات کا کعبہ وقبلہ ہمارے مے خانہ کا کوچہ ہی ہے۔ یہ اسی اللہ کا در ہے۔ اے محی الدین! میں تو اپنے دل میں مناجات قلبی کے لیے اسی در کی جانب جارہا ہوں)۔

اے لوگو! کوئے خرابات یعنی شراب خانے کا کوچہ ہمارے دل کی تمام حاجات' خواہشوں اور آرزوؤں کا قبلہ ہے۔ ہمارے دل کی ہر حاجت اور طلب اسی در سے پوری ہوگی۔ یہی تو اصل میں ہمارے پروردگار حقیقی کا در اقدس ہے۔ اسی کو اختیار حاصل ہے اور اسی کو لائق ہے کہ وہ سب کی حاجات پوری فرماتا ہے۔ وہ لا یحتاج ہے۔ وہ حاجات سے مبرا اور منزہ ہے۔ اسی ضمن میں ارشاد باری ہے کہ ''اور یہ کہ وہی (بے نواؤں کو) غنی اور سرمایہ داروں کو مفلس کر دیتا ہے۔'' (۴۸:۵۳)۔ اور یہ اللہ تو خود سب سے بڑا غنی ہے اور خالق کائنات تو غنی و بے احتیاج ہے اور حمید وسزا وار حمد ہے۔'' (۱۵:۳۵) اے لوگو! میں تو اسی غنی الحمید کی جانب جارہا ہوں۔ وہی غنائے مطلق ہے۔ وہ خود حاجات سے بے نیاز ہے۔ وہ سب سے مستغنی ہے اور بے پرواہ اور بے نیاز بھی ہے۔

## غزل ۶۳

①

زاں بیوفائے سنگ دل جور و جفا می بایدم

ازکس نمی خواہم وفا ' آں بے وفا می بایدم

(میں اس بے وفا اور سنگ دل محبوب سے جور و جفا ہی چاہتا ہوں' میں وفا تو نہیں چاہتا مجھے تو وہی میرا بے وفا محبوب ہی چاہیے)۔

معشوق اور محبوب کی یہ خوئے عشق ہوتی ہے کہ وہ اپنے عاشق پر جورو جفا روا رکھے۔

اگر معشوق بیوفا نہ ہو تو معشوق ہی نہیں کہلا سکتا۔ محبوب کو جور و جفا اور ظلم و ستم ہی زیب دیتا ہے۔ اگر وہ ظلم و الم اور جور و ستم سے الگ ہو جائے تو عشاق کے لیے اس کا کوئی حسن و جمال باقی نہ رہے۔ شاعر اس شعر میں یہ بتا رہا ہے کہ میرا محبوب تو سراپا بے وفا اور سنگ دل ہے۔ میں اس سے کسی لطف و کرم کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ مجھے اس سے کسی لطف و کرم کی خواہش اور طلب ہے۔ مجھے تو اس بے وفا کی جفائیں ہی اچھی لگتی ہیں۔ اسی لیے مجھے اپنے اس جفا پرور، ستم شعار محبوب ہی کی طلب و چاہت ہے۔

(۲)

من مرغ آتش خوارہ ام بادانہ و دامم چہ کار ؟

آخر بجائے دانہ ہا در گور جامے بایدم

(میں تو آتش کھانے والا پرندہ ہوں۔ آتش سے مجھے کیا خوف اور خدشہ! دانہ و دام سے مجھے کیا سروکار۔ قبر میں آخر کار مجھے دانوں کے بجائے جام عشق ہی کی ضرورت ہوگی)۔

بتایا جا رہا ہے کہ میں تو عاشق ہوں اور عاشق تو آگ کھانے والے پرندہ کی مانند ہوتا ہے۔ اس کی غذا آتش عشق ہی ہوتی ہے۔ اس صورت میں دانہ اور دام سے میرا سروکار نہیں ہے۔ کیونکہ جو دانہ کی طلب و ہوس کرتا ہے، وہی اس کے لالچ میں دام میں پھنستا ہے۔ ہم نہ دانہ کھاتے ہیں نہ اس کی طلب رکھتے ہیں۔ آتش عشق ہی ہماری غذا اور خوراک ہے۔ اس لیے ہمیں دانے کی ہوس میں دام میں پھنسنے کا خطرہ نہیں ہے۔ ہمیں قبر کے مراحل میں بھی بالآخر آتشیں جام عشق پینا ہوں گے اور اسی کے ہم طلب گار اور حاجت مند ہیں۔

(۳)

دلہائے مردم یار خوش از شادی و عیش و طرب

من خوب محنت کردہ ام درد و بلا می بایدم

(اور لوگوں کے دل خوشی اور عیش و طرب سے شاداں اور فرحاں ہیں لیکن میں نے تو بہت محنتیں کی ہیں اس لیے مجھے درد و بلا ہی کی طلب و آرزو ہے)۔

دنیا کے اور لوگ اور دنیا دار دنیا کی خوشیوں کو چاہتے ہیں۔ ان دلوں میں خوشیوں،

مسرتوں، عیش وطرب اور مسرت وشادمانیوں ہی کی ترنگیں لہرا رہی ہیں۔ ان لوگوں کی شادی اور خوشی اسی میں ہے کہ انہیں جشن خوشی کے مواقع میسر رہیں۔ وہ خوشیوں میں نہال ہوتے رہیں۔ سدا عیش وطرب کا ماحول انہیں میسر رہے۔ عیش ونشاط اور عشرت وعیاشی سے وہ فیض یاب رہیں۔ ان کو زندگی کے مزے اور رنگینیاں اور خوشیاں حاصل رہیں۔ ان لوگوں کے مقابلے میں ہم تو اور ہی طرح کے لوگ ہیں۔ ہم نے محنتوں اور مشقتوں میں وقت گزارہ ہے۔ زحمتیں برداشت کی ہیں۔ ہم تو سختیوں اور قہر مانیوں میں سے نکلے ہوئے ہیں۔ دکھ درد اور ایذاؤں نے ہمیں پختہ کر رکھا ہے۔ درد وغم اور بلاؤں کے ہم ساتھی ہیں۔ اس لیے اب ہمیں سب وہی کچھ چاہیے جس میں ہم پہلے رہے ہیں۔

(۴)

پیراہن یوسف اگر بوئے نہ بخشد فارغم

مژدہ بسوئے دل ازاں بند قبا می بایدم

(اگر پیرہن یوسف سے مجھے بوئے یوسف نہیں آتی تو کوئی پرواہ نہیں میرے دل کے لیے تو بس بند قبا ہی کی خوشخبری کافی ہے)۔

اس شعر میں پیرہن یوسف کو ایک تلمیح کے طور پر سمویا گیا ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو نہیں آتی تو اس کی مجھے ذرا بھر پرواہ نہیں ہے۔ خوشبو پیرہن تو بہت بڑی بات ہے۔ ہمیں تو اگر اس کے پیرہن کے بند یعنی بند قبا کی نوید بھی مل جائے تو یہ ہی سب کچھ ہوگی۔ یہاں پر پیرہن یوسف سے مراد پیرہن یزداں بھی مراد ہے۔ جس طرح انسان کا جسم اس کے لباس میں چھپا ہوا ہے۔ اسی طرح انسان اور خدا دونوں کا لباس بھی ہے۔ کیونکہ ہماری نظر مجازی اعتبار سے ازل تا ابد بھی وقت اور زمان کی حد سے باہر نہیں۔ اس لیے عاشق کے لیے بند قبا یعنی قبا کی گرہ کی خوش خبری بھی بڑی اور کافی وشافی ہوگی۔

(۵)

سینہ بس تنگ است و دل از غیر می دارم تہی

مہمان غم آمد مرا در جان سرا می روم

(میرے سینے میں زیادہ گنجائش نہیں ہے، اس لیے اس میں محبوب کے علاوہ کسی

دوسرے کے لیے جگہ نہیں ہے۔ میرے ہاں تو مہمان غم آیا ہوا ہے۔ اور اس کو میں اپنی جان کی سرائے میں ٹھہرانا چاہتا ہوں)۔

اے لوگو! یوں سمجھو کہ میرا سینہ تنگ ہے۔ اس میں گنجائش بہت کم ہے۔ اس میں سمائی کے لیے زیادہ جگہ نہیں ہے۔ تنگ اور تھوڑی جگہ والا سینہ جیسا بھی ہے وہ تو میرے محبوب ہی کا مسکن ہے۔ اس میں محبوب کے علاوہ کسی کے لیے نہ تو جگہ ہے اور نہ گنجائش اور اب صورت حال یہ ہے کہ میرے ہاں میرے پاس غم کا مہمان آیا ہوا ہے۔ میں نے اس کو اپنی جان کی سرائے جگہ دے رکھی ہے۔ اس لیے اب کسی اور مہمان کی نہ ضرورت اور نہ جگہ ہی ہے۔ اس شعر میں اس جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ میرا مہمان وہ میرا محبوب ہی ہے۔ جو حبیب حق ہے اس کے سوا میرے دل و جان میں کسی اور کے لیے ذرا بھی گنجائش اور ضرورت نہیں ہے۔

(۶)

بیگانہ ام بامرد ماں و زر خویشتن بیگانہ تر

تا چند ایں بیگانگی دل آشنا می بایدم

(میں دنیا والوں سے بیگانہ ہوں اور اپنے آپ سے بیگانہ تر ہوں۔ معلوم نہیں یہ بیگانگی کب تک رہے۔ اب تو دل بیچ بیچ آشناؤں کی ضرورت محسوس کرتا ہے)۔

بتایا جا رہا ہے کہ اے لوگو! میں دنیا کے لوگوں یا دنیا داروں سے بیگانہ ہوں۔ مجھے دنیا سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ میں دنیا کے لیے اور دنیا میرے لیے غیر اور ناواقف ہے اور اس کے علاوہ میں اپنے آپ سے بھی ناواقف بلکہ بیگانہ تر ہوں۔ مجھے تو اپنی بھی سدھ بدھ اور خبر نہیں ہے۔ میں کیا ہوں، میں کون ہوں اور کہاں ہوں مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ میری بیگانگی اور یہ لاتعلقی حد سے بڑھ چکی ہے۔ اس بے تعلقی کی انتہا کب اور کہاں ہوگی، میں اس سے بھی ناواقف اور لاعلم ہوں۔ بہر صورت اس قدر بیگانگی میں اب تو مجھے بیچ بیچ کسی دل آشنا کی شدید ضرورت اور کمی محسوس ہوتی ہے۔

۷

محی لبسے لذت بود در عشق ور زیدن ولے

ہجراں مرا مشکل بود' صبر و رضا می بایدم

(اے محی الدین! عشق میں بڑی لذت ہوتی ہے۔ مگر محبوب کی جدائی بڑی شاق گزرتی ہے۔ اس ہجر وفراق میں مجھے اب صبر ورضا کی ضرورت ہے)۔

اے محی الدین! عشق ایک عظیم الشان جذبہ ہے۔ عشق اختیار کرنا مردان حق کا کام ہوتا ہے۔ وادی عشق کے ہر مرحلہ پر جداگانہ انبساط وراحت اور لذت ہوتی ہے۔ راہ عشق میں ہجر وفراق اور انتظار کی صورتوں میں بھی بے پناہ لذتیں ہوتی ہیں۔ بتایا جارہا ہے کہ محی الدین نے پیشہ عشق اختیار کررکھا اور اس میں وہ خاص قسم کے لذائذ روحانی سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔ محبوب کی جدائی اس پر بے حد سخت اور شاق گزرتی ہے' لیکن اس میں لذت ہی لذت ہے۔ لیکن اس جدائی اور ہجر وفرائق میں لازمی طور پر صبر و رضا ہی کو اختیار کروں گا کیونکہ اس میں بھی میرے لیے لذت ہی ہے۔

## غزل

۱

خوش آں غوغا کہ من خود را بہ پہلوئے تو می دیدم

تو سوئے خلق می دیدی و من سوئے تو می دیدم

(وہ ہنگامہ اور نظارہ کتنا اچھا تھا کہ میں اپنے آپ کو تیرے پہلو میں پڑا ہوا دیکھتا تھا' اس وقت تو اپنی خلق کو دیکھ رہا تھا اور میں صرف تجھے دیکھ رہا تھا)۔

اے میرے محبوب حقیقی! میرے خالق و مالک! وہ نظارہ بھی کیا ہی پر مسرت اور خوش کن تھا کہ جب میں آپ کے پہلو میں پڑا ہوا تھا۔ اس سے بڑی میری اور کیا خوش بختی ہو سکتی تھی۔ میں اپنے حبیب کے اس قدر قریب تھا۔ وہ میرا حبیب چونکہ خلق کا خالق ہے۔ اس کی گوناں گوں مخلوقات اس کے سدا سامنے رہتی ہے۔ اے میرے پروردگار مجھے تیرا قرب

میرے لیے کونین کی ہر خوشی اور ہر اچھائی اور بھلائی سے بھی افضل اور بہتر ہے۔ تو تو خالق مخلوقات ہے' اس لیے تو انہیں دیکھ رہا ہے جبکہ میں صرف اور صرف اپنے پروردگار کے انوار کو دیکھ رہا تھا۔ اس شعر کو بحوالہ قبر بھی دیکھا جاسکتا ہے جب بندہ اس میں پڑا ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی نظر اللہ کی رحمت پر ہی ہوتی ہے۔

(۲)

نمی دانم مرا می آزمائی یا شدی بد خو

کہ آن حالت نمی بینم کہ از خوئے تو می دیدم

(میں نہیں جانتا کہ آپ مجھے آزما رہے ہیں یا سچ مچ آپ ناراض ہو گئے ہیں۔ آپ کی جانب سے جو پہلے التفات تھے وہ کیا ہوئے۔ اب آپ ہم پر پہلے کی طرح مائل بہ کرم نہیں ہوتے)۔

اے میرے محبوب! تیری ادائیں بھی عجیب اور پراسرار ہی سی ہیں۔ اس لیے مجھے تو اپنی انسانی سطح پر اس کا اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ آپ مجھ سے خفا اور ناراض ہیں یا یوں ہی مجھے آزما رہے ہیں۔ اے میرے پروردگار! میں تیری آزمائش کے لائق نہیں ہوں۔ میں اتنی ہمت اور حوصلہ نہیں رکھتا کہ تیری کسی طرح کی ناراضگی یا خفگی کو برداشت کر سکوں۔ میں آپ کی نوازشات اور لطف و کرم سے محروم رہوں۔ اے میرے محبوب حق! میری گستاخیوں اور میری کوتاہیوں کو معاف فرما دے اور مجھ پر اپنی رحمتوں کو پہلے ہی کی طرح جاری و ساری فرمائے رکھ۔

(۳)

اگر در باغ رضواں خویش رابینم چناں نبود

کہ شب در باغ ' خودرا برسر کوئے تو می دیدم

(اگر میں اپنے آپ کو باغ رضوان میں بھی دیکھوں تو بھی کوئی بات نہیں' کہ جو میں رات کے وقت تیری گلی میں سے تیرا دیدار کرتا ہوں وہ باغ رضوان سے بہتر ہوتا ہے)۔

باغ رضوان یعنی جنت کے باغ دنیا والوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہیں۔ اس میں جو

نعمتیں اور آسائشیں ہیں' ان میں لوگوں کے لیے بڑی دلکشی اور چاہت ہے۔ لیکن اس کے دیکھنے میں مجھے کوئی راحت اور خوشی نہیں ہے' نہ مجھے اس کی طلب و آرزو ہی ہے۔ مجھے تو اگر رات کے وقت تیری گلی میں سے تیرا دیدار کر کے جو خوشی اور انبساط حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ بڑھ کر اور بہتر ہے۔ باغ رضوان کی خوشیاں اور نظارے میرے محبوب کے دیدار سے ہیچ اور کمتر ہیں۔

⟨۴⟩

فدایت ایں زماں جانم بیادت ہست پیش از آں

کہ صد دشنام دادیٔ چوں بروئے تو می دیدم

(میری جان آپ پر فدا ہو۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اس سے پیشتر تو جب میں آپ کے روئے پر جمال کی طرف دیکھتا تھا تو آپ کی طرف سے صدہا تلخ اور سخت باتیں سننا پڑتی تھیں)۔

اے میرے محبوب! میں دل و جان سے آپ پر قربان جاؤں۔ ایک وقت تھا کہ جب میں آپ کے چہرہ پر جمال کی طرف دیکھتا تھا تو اس دور میں سخت' ترش اور تلخ بلکہ دشنام طراز لہجے اور رویے کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اب میں آپ کے رویے میں تبدیلی دیکھتا ہوں۔ کیا یہ مجھ بندہ ناچیز پر آپ کی جانب سے التفات و اخلاص ہے یا کسی اور جور و ستم کا یہ پیش خیمہ ہے کہ آپ خاموش ہیں اور اے میری جان! یہ صورت حال اس سے پہلے تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔

⟨۴⟩

عجب نبود اگر عاشق خود از خود سرگرداں بودے

کہ صید بستہ باہر موئے گیسوئے تو می دیدم

(بے چارے عاشق کی تسلی کے لیے ہے کہ اس میں تعجب نہ ہو گا کہ اگر عاشق تیرے گیسوؤں کے ہر ایک بال میں جکڑے ہوئے شکار دیکھے تو وہ خود ہی سے بے زار اور پریشان ہو جائے)۔

اے میرے محبوب! تیرے گیسوؤں کے ایک ایک بال کی قدر و قیمت کتنی ہے۔ اس

سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تیرے ایک ایک بال نے سینکڑوں ہزاروں شکار کو جکڑ اور پھانس رکھا ہے۔ عام عاشق لوگ اس صورت حال کو دیکھ کر سرگرداں اور پریشان ہو کر رہ جائیں اور اس سے چاہیں تو عبرت حاصل کر کے وہ عشق سے باز رہ سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے لیے تو یہ صورت حال ایک معمول کی حالت ہے۔ اس سے ہمیں کوئی تعجب یا حیرت نہیں ہو گی۔

⟨۶⟩

بیادم آمد اے محی کہ چوں برخاک افتادی

بہر جا سایہ افتادہ از بوئے تو می دیدم

(اے محی الدین! مجھے وہ وقت یاد آتا ہے کہ جب تم خاک پر پڑے تھے۔ مجھے تو ہر افتادہ سایہ میں سے تیری ہی خوشبو آتی تھی)۔

اس شعر میں یوں بتایا جا رہا ہے کہ یہ اس دور کی بات ہے کہ جب یوم الست تھا۔ یعنی پروردگار روحوں سے اقرار لے رہا تھا' روحوں سے ایک میثاق باندھا جا رہا تھا کہ بتاؤ تو سہی کہ تمہارا رب کون ہے۔ کون تمہاری پرورش اور نشو و نما کرنے والا ہے۔ تو اس موقع پر تمام ارواح نے برملا اقرار کیا تھا کہ اے پروردگار! تو ہی ہمارا رب ہے۔ ہمارا تیرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اس وقت ہمیں تو ہر افتادہ سایہ میں سے تیری ہی خوشبو آ رہی تھی۔ ہر سایہ تیرا ہی پرتو تھا۔ اسی یوم الست ہی کی خوشبو سے ہم آج تک سرشار ہیں اور اس عہد پر کاربند ہیں۔

## غزل ۶۵

⟨۱⟩

ہرگز مباد آنکہ بہشت آرزو کنم

خود را بہ ہیچ بہر چہ بے آبرو کنم

(میں ایسا تو ہرگز نہیں کر سکتا کہ تجھے نظر انداز کر کے بہشت کی آرزو کروں۔ بہشت کیا ہے میں اسے طلب نہیں کرتا۔ ایک معمولی اور ادنیٰ چیز کے لیے میں اپنے آپ کو کیوں بے آبرو

کروں)۔

اے میرے محبوب! جنت اور اس کی بہاریں' آسائش' وہاں کی معطر و معنبر فضائیں' محلات و قصور اور ان میں نہایت حسین و جمیل حوریں اور جنت کی دیگر رنگینیاں بہت پر کشش اور وجہ سکون و راحت نعمتیں ہیں۔ لیکن اے میرے پروردگار! میرے لیے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ میں تیرے حسن و جمال کے جادو سے نکل کر کسی جنت کی طرف توجہ کروں۔ تیرے لقائے حسیں اور جلوہ ربانی کے علاوہ کسی اور حسیں رنگینی کی طرف مائل ہونا گویا اپنے آپ کو کسی کمتر اور ادنیٰ خواہش کا اسیر بنانا ہے۔ ایسا کرنے میں سراسر بے وفائی اور بے اعتنائی ہے۔ اگر میں تجھے چھوڑ کر کہیں اور جاتا ہوں تو یہ میری کم ظرفی اور بدقسمتی ہوگی کہ میں ایک اعلیٰ چیز کے بجائے ادنیٰ کی خواہش کر کے بے آبرو ہوتا ہوں۔

(۲)

چندیں ہزار جان گرامی شود بہ باد
گر من حدیث طرہ او مو بمو کنم

(اگر میں آپ کے گیسوؤں کے ایک ایک بال کا ذکر کروں اور تعریف کروں تو مجھ سی ہزاروں قیمتی جانیں ختم ہو جائیں لیکن تذکرہ ختم نہ ہو)۔

اے میرے محبوب! آپ تو سراپا حسن اور منبع حسن و جمال ہیں۔ آپ کی ایک ایک چیز اور ایک ایک عضو میرے لیے بیش بہا نعمت اور دولت ہے۔ اگر میں تو صرف آپ کے معطر و معنبر گیسوؤں کی تعریف اور تذکرہ کرنا چاہوں تو بھی ممکن ہی نہیں کہ میں آپ کے ایک ایک بال کی' بال بال' ذرا ذرا اور حرف بہ حرف کرنا بڑا مشکل اور دقت طلب کام ہے بلکہ شاید یہ تعریف بالوں کے شایان شان کی ہی نہ جاسکتے۔

(۳)

چوں دست من بجام مرصع نمی رسد
قلاش وار درمے [illegible] ازو آرزو کنم

(چونکہ میری رسائی اس مرصع جام تک نہیں ہے۔ اگر وہ جام میسر نہیں تو بہتر یہی ہے کہ

میں مفلسوں کی طرح اس سے ایک درہم ہی کا سوال کروں)۔

اس محبوب کے میکدہ عشق کے جام وصبو سب بڑے ہی خوب صورت مرصع اور منقش ہیں۔ اگر میری یہ قسمت نہیں ہے کہ میں اس جام تک جاسکوں یا اس کی طلب کرسکوں تو ایسی صورت میں مجھے اس سے تو کوئی منع نہیں کرتا کہ میں اس سے گداگروں کی طرح درہم ہی کا سوال کردوں۔ گویا پروردگار کی رحمت سے خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔ اس دربار عالی سے جو مل جائے اسی کو نصیب اور مقدر سمجھ لینا چاہیے۔

(۴)

آں سالِ و مہ مبادا بے ماہ روح تو
یک لحظہ زندگانی خود آرزو کنم

(وہ سال وہ مہینہ خدا نہ کرے کہ آئے جب میں تیرے پر جمال چہرے کے چاند کو دیکھے بغیر ایک لحظہ کے لیے بھی زندگی کی آرزو کروں)۔

خدا نہ کرے کہ میری زندگی میں کوئی سال یا کوئی مہینہ بلکہ کوئی دن بھی ایسا آئے کہ جب میں آپ کے چہرے کا چاند دیکھنے سے محروم رہوں۔ مہ وسال تو کجا میں تو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ کبھی آپ کے رخ انور کے چاند کو نہ دیکھ سکوں۔ تیرے چہرے کا چاند اور اس کی تابانیاں ہی میری زندگی کا حاصل ہیں۔ ہماری تو زندگی ہی آپ کے چاند چہرہ کی وجہ ہے جب تک یہ چاند چہرہ ہمارے سامنے ہوتا ہے ہمارے جسم و جان کو حیات حاصل رہتی ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ جب میری زندگی کی زمین اپنے اور چاند چہرے کو طلوع ہوتے نہ دیکھے۔

(۵)

خود را بہ دار برکشم از دستِ جور او
وز آہ جاں گداز، رسن در گلو کنم

(اس کے جوروستم سے تنگ آکر جی میں آتا ہے کہ کس طرح نجات حاصل کروں اپنے آپ کو تختہ دار پر چڑھا دوں اور اپنی جاں گداز آہوں سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے گلے

میں پھانسی کا پھندا ڈال لوں)۔

میری جان کا دشمن میرا محبوب ستم شعار مجھ پر بے پناہ ظلم وستم ڈھاتا رہتا ہے۔ روز روز کے جور اور جفائیں میرے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہیں۔ اس محبوب کے مظالم اور جور وستم میری جان کا عذاب بنے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہر روز جی میں یہی آتا ہے کہ اپنے آپ کو تختہ دار پر چڑھا لوں اور ان مظالم سے آزاد ہو جاؤں۔ اور جی میں آتا ہے کہ میں اپنے گلے میں خود ہی پھندا ڈال کر اپنی جان ختم کرلوں تا کہ ہجر وفراق کی ماری ہوئی اس زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

(٦)

محی اگر بہ کعبہ کنم روئے در نماز
شرم شود کہ روئے دگر سوئے او کنم

(اے محی الدین نماز پڑھتے ہوئے جب میں اپنا منہ کعبہ کی طرف کرتا ہوں تو اس وقت مجھے ایک حجاب سا محسوس ہوتا ہے کہ میں اس کے چہرے کے علاوہ کسی اور کی طرف منہ کر رہا ہوں)۔

اے محی الدین! میں جب نماز پڑھتے وقت اپنا منہ جب کعبہ کی طرف کرتا ہوں تو مجھے یہ عجیب سا لگتا ہے۔ ایک خیال آتا ہے کہ میرا قبلہ اور کعبہ تو وہی میرا محبوب ہی ہے۔ اور اس اعتبار سے مجھے لاج آتی ہے کہ میں اس محبوب حقیقی کے چہرے کے بجائے کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز ادا کر رہا ہوں۔ اس شعر میں عشق حقیقی کی ایک خاص منزل پر بات کی گئی ہے کہ جہاں پر محبوب کے چہرے کو کعبہ سے بھی اہم اور زیادہ مقدس ومحترم سمجھا گیا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے چہرہ محبوب حق کے بجائے کسی اور رخ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا گویا ایک طرح سے حجاب کی بات ہے۔

# غزل

(۱)

دو چشم از بہرآں خواہم کہ در درخسار اوبینم

دگر آں دوشم نبود درو دیوار او بینم

(دوآنکھیں میں اس لیے چاہتاہوں کہ میں اپنے محبوب کے رخ ورخسار کودیکھ سکوں۔ یہی ان آنکھوں کا مصرف ہوگا۔ اور میرا دوست گھر میں نہ ہوتو میں اس کے درودیوار ہی کودیکھ لوں)۔

اے پروردگار میں دوآنکھیں صرف اس لیے چاہتاہوں تاکہ ان آنکھوں سے میں اپنے محبوب کے حسین وجمیل رخ ورخسار کوخوب طرح سے دیکھ لوں۔ میرے لیے ان آنکھوں کا اس کے سوا اور کوئی مصرف نہیں ہے کہ ان سے میں اپنے محبوب کے رخ انور کے علاوہ کچھ اور دیکھوں اور اگر میرا سب سے حسین وجمیل محبوب گھر میں نہ ہوتو پھر میں اپنی ان آنکھوں سے اپنے محبوب کے گھر کے درودیوار کوہی دیکھ سکوں۔ گویا مجھے میرے سر میں موجود ان دوآنکھوں کی اپنے محبوب کودیکھنے کے علاوہ کسی اور کام کے لیے ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

(۲)

کنند جاں درتنم آمد شدو یابد ضیاء چشم

چوں بالائے بلند و شیوہ رفتار او بینم

(میرے جسم کوایک نئی جان اور میری آنکھوں کوروشنی مل جاتی ہے۔ جب میں بلند قامت محبوب کی رفتار کے انداز کودیکھتاہوں)۔

اے دنیاوالو! اس حقیقت سے باخبر ہوجاؤ کہ میرا محبوب حقیقی بہت عظیم المرتبت ہے۔ وہ سب سے بلند و بالا اور سب پر برتر ہے۔ مجازی طور پر بھی بہت بلند قدوقامت والا ہے۔ اس کی اور میری کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ بقول حضرت مہر علی شاہ ''کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء گستاخ اکھیاں کتھے جالڑیاں۔'' اے لوگو! میرا محبوب خوب رواور حسین قدوقامت والا ہے۔

میں تو جب اس رعنا' خوش خرام کی رفتار کی خوش ادائیاں دیکھتا ہوں اور اس کی چال کے انداز دیکھتا ہوں تو میرے جسم میں ایک نئی جان آ جاتی ہے۔ اس رعنا جمال کو جب میں دیکھتا ہوں تو اس دیکھنے سے میری آنکھوں کو روشنی مل جاتی ہے۔

(۳)

نخواہم دیدۂ روشن کہ برغیرے فتد ناگہ
ہماں بہتر کہ از نوررخش دیدار اوبینم

(میں اپنی آنکھوں کے لیے ہرگز ایسی بینائی نہیں چاہتا کہ جو یکا یک بلا توقع محبوب کے علاوہ کسی اور کو دیکھے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کے رخ کے نور ہی سے اس کا دیدار کروں)۔

اے لوگو! میں نے یہ دو آنکھیں پائی ہیں' یہ اس پروردگار کا بے حد احسان اور کرم ہے۔ یہ اللہ کی دی ہوئی آنکھوں کی ایک عظیم نعمت ہے۔ میری یہ آنکھیں جس نے مجھے دی ہیں یہ اسی کے لیے ہیں۔ اسی لیے میں ان آنکھوں میں ہرگز ایسی بینائی اور بصارت نہیں چاہتا جو غیر ارادی طور پر محبوب حق کے علاوہ کسی اور کو دیکھے۔ ان آنکھوں کے لیے سب سے بہتر یہی ہے کہ میں ان سے اپنے محبوب حقیقی کے چہرے کے نور ہی سے اس کا دیدار حق کروں۔ یہی دیدار حقی ان میری آنکھوں کا وظیفہ ہوگا۔

(۴)

چوں مجنوں آہوئے صحرا ازاں دوست دوامی درم
کہ بادے حالتے از نرگس بیمار او بینم

(مجنوں کی طرح میں بھی صحرا کے ہرن کو اس لیے سب سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا ہوں کہ اس کی آنکھیں میرے محبوب کی آنکھوں کی طرح سے ہیں)۔

مجنوں کو جس سگ کوئے یار سے بے پناہ رغبت ہوتی ہے اور وہ اس کو بھی اس لیے پسند کرتا ہے کہ وہ کتا یار کی گلیوں میں پھرتا ہے۔ اسی طرح مجنوں صحرا کے ہرن کو اس کی آنکھوں کی بناوٹ اور خوب صورتی کی وجہ سے پسند کرتا ہے۔ شاعر بیان کرتا ہے کہ میں بھی

مجنوں ہی کی طرح صحرا کے ہرن کو اس لیے دوست رکھتا ہوں کہ اس کی آنکھیں بھی میرے محبوب کی آنکھوں سے ملتی جلتی ہیں۔ شاعر نے محبوب کی آنکھوں کو ''نرگس بیمار'' کہا ہے۔ نرگس کو شاعر محبوب کی مخمور، نیم وا اور شرمیلی آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں کہ یہی کیفیت مریض کی آنکھوں کی ہوتی ہے۔ اس سے دونوں میں مماثلت اور مشابہت ثابت کی جاتی ہے۔

⑤

زرشک آنکہ خواندی از سگان کوئے خود محی
ہمہ کس سنگ کیں برکف پئے آزار او بینم

(اے محی الدین! مجھے یہ بھی قبول ہے کہ اس نے رشک کے ساتھ مجھے اپنی گلی کا کتا کہا ہے، میں اب اپنا حشر یوں دیکھ رہا ہوں کہ سب لوگوں نے مجھے مارنے کی خاطر ہاتھوں میں پتھر اٹھا رکھے ہیں)۔

بتایا جا رہا ہے۔ میری وارفتگی، حالت اور کیفیت کو دیکھیے اس نے مجھے، اپنی گلی کا کتا گردانا ہے۔ میری حالت بھی چونکہ معشوق کی گلی کے اس کتے کی سی ہے جو سدا معشوق کی گلی ہی میں سرگرداں رہتا ہے۔ اور کتے کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ سدا سدا کا وفادار ہوتا ہے اور کسی بھی تنگی ترشی یا مالک کی بے رخی کے باعث اس کے در سے دور نہیں جاتا۔ ہر حالت میں وہ مالک کے در پہ ہی پڑا رہتا ہے۔ اس نے میری بے چینیوں اور کوئے یار کے طواف کرنے کو دیکھ کر مجھے اس گلی کا کتا کہا ہے۔ اب اس صورت میں میں یوں دیکھ رہا ہوں کہ جیسے سب لوگوں نے میرے مارنے کے لیے اپنے ہاتھوں میں پتھر اٹھا رکھے ہوں۔

## غزل ۶۷

①

بخواب مرگ خواہم شد مکن اے بخت بیدارم
کہ من دور از درش امشب زعم خویش بیزارم

(میں موت کی نیند سو جانا چاہتا ہوں، اے میرے بخت مجھے بیدار نہ کر دینا۔ آج رات

میں چونکہ اس کے در سے دور ہوں۔ اس لیے اپنی زندگی سے بھی بیزار ہوں)۔

اس شعر میں شاعر نے جدائی اور فراق یار کے حوالے سے بات کی ہے اور شاعر اپنے بخت اور مقدر سے گویا ہوتا ہے کہ اے میرے بخت! میں آج رات اپنے محبوب کے دروازے سے دور ہوں۔ محبوب نے آج رات اپنے در محبت سے ہمیں اٹھا دیا ہے۔ اس لیے آج میں موت کی نیند سو جانا چاہتا ہوں۔ اس دوری اور جدائی اور علیحدگی سے موت بدر جہا بہتر اور اچھی ہے۔ اس لیے اے میرے بخت! مجھے موت کی اس نیند سے ہرگز بیدار نہ کرنا کہ اب میرے لیے مر جانا ہی ایک اچھا حل ہے۔

(۲)

خلافت ایں کہ می گویند باشد آرزو در دل
مرا دل برد بد خوئے وچندیں آرزو دارم

(یہ عام لوگوں کا فلسفہ اور خیال ہے کہ کہا جاتا ہے کہ آرزو دل میں ہوتی ہے لیکن یہ ایسا نہیں ہے۔ دیکھو میرا محبوب میرا دل لے گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی میں تو بے شمار آرزوئیں رکھتا ہوں)۔

اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان کا دل ہی اس کی آرزوؤں اور خواہشات وغیرہ کا مرکز ہوتا ہے۔ سب خواہشیں اور آرزوئیں دل ہی میں جنم لیتی ہیں۔ انسانی احساسات وجذبات کی آماجگاہ دل ہی ہوتا ہے۔ اسے قرآن مجید نے لفظ ''فواد'' سے تعبیر کیا ہے۔ ایک عاشق زار کہتا ہے کہ یہ مفروضہ غلط ہے کہ آرزوئیں اور تمنائیں دل میں ہوتی ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ میرا محبوب میرا دل لے جا چکا ہے۔ لیکن اس دل کے جانے کے باوجود بھی میرے اندر ہزاروں آرزوئیں اور خواہشیں مچل رہی ہیں۔ گویا اس کے جانے سے بھی خواہشات کم نہیں ہوئیں۔

(۳)

نہ آخر عاشقاں بار زخوباں رحمتے بیند
تو ہم رحمے بکن بامنکہ در عشقت گرفتارم

(عشق میں یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق آخر کار اپنے محبوب سے کسی وقت رحم کا سلوک

دیکھتا یا پاتا ہے۔اس لیے میرے حبیب! تو بھی میرے ساتھ رحم کر کیونکہ میں تیرے عشق میں گرفتار ہوں۔

مانا کہ جفا اور جور و ظلم خوئے دلبراں ہے' وہ اپنے عاشقوں پر بہت مظالم اور آلام روا رکھتے ہیں۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عاشقوں کو کبھی کسی نہ کسی وقت ایک وقفے کے طور پر ہی سہی محبوبان خوش ادا سے رحم اور نرمی اور دلجوئی کی بھی صورت دکھائی دیتی ہے۔لیکن اس ساری صورت حال میں عاشق اپنی نماز عشق کبھی قضا نہیں ہونے دیتے۔شاعر بتاتا ہے کہ میں بھی چونکہ اے میرے محبوب تیرے عشق میں گرفتار ہوں' اس لیے خوبان خوش خصال کی طرح مجھ پر بھی رحم کی نظر کر دے کہ میں بھی زندگی کا مدعا پالوں۔

(۴)

بروز وعدہ از ہر جا کہ آوازے زور آید

زشادی برجہم از جا کہ باز آمد ز در یارم

(وعدہ کے دن جب کسی کے دروازے پر بھی کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دیتی ہے تو میں خوشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو جاتا ہوں کہ شاید میرا یار آ گیا ہے)۔

عاشق زار سدا انتظار میں رہتے ہیں اور پھر اس دن رات یا لمحے کا انتظار کہ جب محبوب نے وعدہ کیا ہوا ہو کہ وہ آئے گا۔اس وعدہ کے دن عاشق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جب کسی اور کے دروازے پر بھی دستک یا کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے تو وہ عاشق اپنی ہی انتظارگاہ سے اس امید میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اس کا یار ہی شاید آ گیا ہے۔گویا اس وقت عاشق سراپا انتظار بنا ہوتا ہے اور اسے یہی آس اور امید ہوتی ہے کہ ابھی اس کا محبوب آیا کہ ابھی آیا۔اس بے تابی اور بے چینی کو صرف عاشق ہی محسوس کر سکتا ہے۔

(۵)

بہ یاد مجلس عیش و طرب تو عشرتم ایں بس

کہ افتد لخت لخت خون دل از چشم خوں بارم

(مجلس عیش و طرب کی یاد میں ہی میری زندگی کی عیش و عشرت ہے۔اسی کی یاد میں

میری خونی آنکھوں سے دل کا خون قطرہ قطرہ ہو کر ٹپک رہا ہے)۔

اے میرے دوست! میرے لیے یہی کافی ہے کہ تو ہی میرا سب کچھ اور تو ہی میری زندگی ہے۔ معلوم نہیں تجھے اس کی خبر ہے بھی کہ نہیں! لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں تو اسی مدھم سی اور نہایت خفیف سی امید پر جی رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی مفروضہ سی مجلس عیش و طرب کی یاد میں میری سدا خون بہانے والی خونی آنکھوں سے دل کا خون قطرہ قطرہ بن کر ٹپکتا رہتا ہے۔ اب تو میں اپنے پروردگار سے یہ بھی دعا کرتا ہوں یہ میری موہوم امید ٹوٹ نہ جائے بلکہ سدا قائم رہے۔

〈۶〉

چہ حالت اینکہ ہر گہہ وعدہ وصلش رسد محی
ہماں دم مانعے آید کہ از بخت نگو نسارم

(یہ بھی کیسی حالت ہے کہ اے محی الدین! جب بھی وعدہ وصل قریب آجاتا ہے تو پھر اس کے بعد بر وقت وعدہ میری بدقسمتی سے کوئی نہ کوئی امر مانع آجاتا ہے)۔

اے محی الدن! ہماری بھی کیا قسمت ہے جب بھی صدیوں کے انتظار کے بعد وصل یار کا وعدہ آتا ہے تو پھر وہ وعدہ صرف وعدہ ہی رہ جاتا ہے کیونکہ عین اس کے وعدہ وصل کے وقت میری بدقسمتی کے باعث کوئی نہ کوئی امر ضرور مانع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہمارے ساتھ وہ وعدہ وصل دھرے کا دھرا ہی جاتا ہے۔ ہماری تشنگی سدا ہی کی طرح بحال اور برقرار رہتی ہے اور ہماری بدقسمتی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ اس ساری صورت حال کو ہم اپنی بدبختی کہیں یا اس کو محبوب کا ہی کوئی حیلہ بہانہ قرار دیں۔ بہر صورت ہم امید پر ہی زندہ ہیں۔

## غزل ۶۸

〈۱〉

بغیر از سایہ در کویت کسے محرم نمی یابم
کنوں روزم سیہ شد آں چناں کانہم نمی یابم

(تیرے کوچے میں میرے اپنے سائے کے سوا میرا کوئی محرم نہیں ہے۔ میرا کوئی ہمدرد

اور غم گسار بھی نہیں جو حالت جانتا ہو۔ میرا دن اس قدر سیاہ ہوگیا ہے کہ اس سیاسی میں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا)۔

اے میرے محبوب! تیری گلی اور تیرا کوچہ میرے لیے اس قدر بیگانہ کیوں ہوگیا ہے۔ وہاں پر تو اب کوئی بھی تیرے سوا ایسا نہیں ہے۔ جو میرے حال سے واقف ہو۔ کوئی مجھے جانتا نہیں۔ کسی کو مجھ سے صرف ہمدردی بھی نہیں ہے۔ تیری گلیوں میں پھرتے ہوئے میرے ساتھ میرا صرف سایہ ہی ہوتا ہے اور وہی میرا ساتھی' میرا ہم راز اور میرا محرم ہے۔ میرا سایہ ہی اب تو خوب جانتا ہے کہ میں کس قدر اور کس مقصد کے لیے تیری گلی میں گھومتا رہتا ہوں۔ اس معاشرتی لاتعلقی نے میرے روشن دن کو بھی سیاہ اور تاریک کر رکھا ہے اب مجھے کچھ بجھائی نہیں دیتا کیا کیا جائے۔

(۲)

چوں مجنوں آہو صحرا ازاں رو دوست می دارم

کہ بوئے مردمی از مردم عالم نمی یابم

(میں مجنوں کی طرح صحرا میں اپنا دوست صرف ہرن کو سمجھتا ہوں۔ وہ بھی آوارہ اور میں بھی آوارہ' ہانپتا کانپتا ہوا۔ کہ اب مجھے دنیا کے لوگوں میں دوستی اور وفا کی بو تک نہیں آتی)۔

بتایا جاتا ہے کہ مجنوں تک صحراؤں میں بے یار و مددگار پھر رہا تھا۔ اس وقت صحراؤں کے جانوروں اور ہرنوں کے سوا اس کی کسی سے دوستی نہیں تھی۔ تو میری بھی صورت اور حالت مجنوں ہی کی کسی سے ہو چکی ہے' میرا بھی کوئی دوست یار نہیں ہے۔ صرف صحراؤں کے ہرنوں کو میری حالت کی خبر ہے۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ میں نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ اس دنیا جہاں کے لوگوں میں دوستی' وفا اور الفت کی بو موجود نہیں ہے۔ سب مطلب پرست اور خود غرض ہیں۔ لہٰذا اس خود غرضی اور نفسا نفسی و خود مطلبی دور میں کسی سے امید وفا رکھنا اپنے آپ کو سراب کے سپرد کرنا ہے۔

(۳)

برو اے ماتمی شیون تو بر ارباب عشرت کن
کہ غیراز لذت و شادی من از ماتم یابم

(اے ماتم کرنے والو! تم عیش وعشرت کرنے والوں کا ماتم کرو کیونکہ مجھے تو ماتم میں سے لذت اور خوشی کے بغیر اور کچھ میسر نہیں آتا)۔

اے ماتم کرنے والو! اے آہ وزاری میں مبتلا رہنے والو! تم کس الم ومرگ پر ماتم کر رہے ہو، کن محرومیوں اور ناکامیوں پر روتے رہتے ہو۔ اگر سچ پوچھو تو غم وآلام اور مرگ واجل وغیرہ اور ناگہانی قضا پر رونا دھونا درست نہیں ہے کہ یہ تو المناک ہیں ہی، اصل رونے والے امور عیش وعشرت ہیں کہ ان پر تو آخرت میں مدام ماتم کرنا اور رونا دھونا ہوگا۔ اس لیے اے ماتم کناں لوگو! اگر تمہیں ماتم کرنا ہے تو پھر تم عیش وعشرت، زندگی کی خوشیوں، جیون مزوں اور عیاشیوں کا ماتم کرو اور اے دوستو! میں نے تو یہ بھی محسوس کیا ہے کہ ماتم کرنے سے بھی لذت اور خوشی ہی کا حصول ہوتا ہے۔

(۴)

مرا آں نغمہ شادی کند غمگیں کہ بے موجب
دل شوریدہ خود را دگر خرم نمی یابم

(دوستو! مجھے تو نغمہ خوشی بھی غم ہی دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ میں تو اپنے دل شوریدہ کو کبھی خوش نہیں پاتا)۔

اے دوستو! چونکہ ہماری زندگی عشق الٰہی میں پڑنے کے بعد رنج، غم، الم وستم اور جور و جفا ہی سے مرصع ہو چکی ہے، اس لیے ہمیں ہر طرف غم ہی غم دکھائی دیتا ہے۔ اس مسلسل اور مدام غم کے طفیل اب یہ ہوا ہے کہ ہمیں تو خوشی کے نغمے بھی غمگین ہی کرتے ہیں اور کبھی کسی خوشی کی بات سے بھی ہمیں کبھی خوشی میسر نہیں آتی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارا دل یونہی بے وجہ کبھی خوش نہیں ہوتا۔ چونکہ غموں اور آلام کا ازدحام ہے اس لیے اب خوشی ملنا مشکل ہی ہو کر رہ گیا ہے۔

⑤

مرا حد شکایت نیست لیکن ایں قدر گویم

کہ از تو حالتے می دیدم وایں دم نمی یابم

(اے میرے محبوب! میں شکایت نہیں کرتا۔ لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ میری حالت دیکھیے کہ آپ کے پہلے سے لطف و کرم اب کیا ہوئے)۔

یہ بجا ہے کہ عاشق لوگ جو سچے ہوتے ہیں وہ کسی قسم کا شکوہ شکایت نہیں کرتے' سب کچھ صبر و شکر سے اپنی جان پر برداشت کرتے رہتے ہیں۔ اپنے محبوب کا شکوہ و شکایت کرنا وہ ایک طرح کی بے وفائی اور کفران سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود شاعر کہتا ہے کہ اے میرے محبوب میں کوشکوہ نہیں کرتا۔ کوئی حرف شکایت کا زبان پر نہیں لاتا۔ لیکن صرف یہ ضرور باور کرانا چاہتا ہوں کہ ہماری حالت بہت پریشان ہے۔ جو لطف و کرم آپ کے پہلا ہم پر ہوا کرتے تھے اب وہ نہیں ہیں۔ اس محرومی پر ہم اپنے آپ پر افسوس کرتے ہیں۔

⑥

ندانم عشق من گم گشتہ یا شد بے خودی افزوں

کہ آں خوش وقت اول روز درد و غم نمی یابم

(میں نہیں جانتا کہ میرا عشق گم ہو گیا ہے یا میری بے خودی بڑھ گئی ہے۔ مجھے اس کی خبر نہیں کہ کیا ہوا ہے' لیکن یہ جانتا ہوں کہ اول روز کے خوش وقت والا درد و غم میرے اندر مجھے نظر نہیں آتا)۔

آج کل کی جو صورت حال ہے' اس کے بارے میں نہیں جانتا کہ کیا ہو گیا ہے' مجھے خبر نہیں کہ آیا میرا عشق کم ہو یا ہے یا شاید میرا عشق گم ہو گیا ہے اور شاید میری بے خودی' میری سرشاری پہلے سے بہت زیادہ از خود رفتہ ہو چکی ہے کہ جس کی وجہ سے میرے اندر وہ پہلے سا درد و غم نہیں رہا۔ اس ساری صورت میں جو رنج و الم اور دکھ درد مجھے پہلے نڈھال رکھتا تھا' وہ نہیں رہا۔ گویا وہ جو کبھی اچھے وقتوں کی درد و غم کی خاص کیفیت ہوتی تھی' وہ مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس شعر میں روحوں پر جو یوم الست کو خاص کیفیت ہوئی تھی' اس کی جانب بھی اشارہ

ملتا ہے اور اسے خوش وقت اور روز اول قرار دیا گیا ہے۔

(۷)

منم عاشق مرا دل ریش باید نیش نے مرہم
کہ ذوقے از جراحت بینم از مرہم نمی یابم

(میں عاشق ہوں۔ میرا دل زخمی ہے اسے مرہم کی نہیں نشتر کی ضرورت ہے۔ میں جو ذوق اور لطف جراحت میں حاصل کرتا ہوں وہ مرہم میں نہیں پاتا)۔

عاشق بھی اپنی طبیعت اور مزاج میں سب سے جدا اور انوکھے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی جانب سے ملنے والے ہر دکھ درد اور رنج والم و جور و جفا کو کم ہی سمجھتے ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کر گزریں اسے بہت تھوڑا اور ادنیٰ محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے زخموں کو مدام زندہ ہرا اور روشن رکھنا چاہتے' ان کے علاج کے لیے مرہم کی وہ پرواہ نہیں کرتے بلکہ ہر زخم کے لیے تکلیف دہ جراحت اور نشتر زنی کا ذوق رکھتے ہیں۔ عاشقوں کو زیادہ تکلیف میں زیادہ راحت اور زیادہ سکون میسر آیا ہے یا شاید وہ اس قرآنی فلسفے پر کاربند ہوتے ہیں کہ "بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔" (۹۴:۵)

(۸)

مگر در عاشقی محی کم از فرہاد و مجنوں نیست
اگر ذیشاں نباشد بیش بارے کم نمی یابم

(اے محی الدین! تم میدان عشق میں فرہاد اور مجنوں سے کم نہیں ہو' اگر تم ان سے زیادہ ذیشان نہیں تو تم ان سے کم بھی نہیں ہو)۔

فرہاد وہ افسانوی سنگ تراش ہے جو خسرو پرویز بادشاہ ایران کی ملکہ پر عاشق ہو گیا تھا۔ اس ملکہ کا نام شیریں تھا۔ افسانوی دنیا میں بتایا جاتا ہے کہ فرہاد نے شیریں کی فرمائش پر چراگاہ سے لے کر اس کے قصر تک اپنے تیشے سے بے ستون نام پہاڑ کاٹ کر نہر بنائی تھی تاکہ شیریں کے لیے چراگاہ سے تازہ دودھ محل تک ہر وقت پہنچ سکے۔ اسی طرح مجنوں (قیس عامری) جو لیلیٰ پر عاشق ہو گیا تھا اور وہ اسی کے عشق میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ ان کو سچے عاشق بھی کہا جاتا

ہے۔ انہی کے حوالے سے شاعر بتاتا ہے کہ اپنے عشق و عاشقی میں تم بھی سچے ہو اس لیے اے محی الدین اپنے رتبے میں تم ان سے زیادہ نہ سہی کم بھی نہیں ہو۔ اور بلاشبہ تم بھی عاشق صادق ہو۔

# ردیف۔ن

## غزل ۶۹

(۱)

نہ چندانی گنہگارم کہ شرح آں تواں دادن
خداوندا بروئے من نیاری وقت جاں دادن

(میں وہ گناہگار نہیں ہوں کہ جس کے گناہوں کی تفصیل دی جاسکے۔ اے میرے پروردگار! میرے گناہوں کو میری موت کے وقت میرے سامنے نہ لانا)۔

بندہ اپنی انکساری میں اور اللہ کی رحمت کے نظریوں بتاتا ہے کہ اے میرے اللہ! میں ایک گناہگار ہوں کہ جس کے گناہ بے حد و حساب ہیں ان کی شرح و تفصیل کو شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ میں کوئی عام سا گناہگار نہیں ہوں۔ میں بہت بڑا عاصی گناہگار ہوں۔ گناہوں سے بھرا ہوا ہوں۔ اے میرے رحیم و کریم اللہ! تیری رحمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تیری رحمتوں کی وسعت لامحدود ہے۔ اس لیے میں یہی درخواست کرتا ہوں کہ اس وقت کہ جب میں جان دینے لگوں' مجھے میرے بے شمار گناہ نہ دکھانا کہ میں ان کا سامنا نہیں کرسکوں گا۔

(۲)

خداوندا مرا بستان زشیطان و ہوائے نفس
چہ حاصل نامرادے رابدست دشمناں دادن

(اے میرے پروردگار! مجھے تو شیطان اور ہوائے نفس سے اپنی پناہ میں رکھنا۔ کسی نامراد اور کمزور کو دشمنوں کے ہاتھ میں دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا)۔

اس شعر میں اللہ جل شانہ سے دعا کی جا رہی ہے کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے شیطان کے چنگل اور ہوائے نفس سے اپنی پناہ میں رکھنا۔ اسی شیطان کے بارے میں پناہ کے حوالے سے قرآن میں آیا ہے کہ "اے میرے پروردگار میں شیطان کے وسوسوں اور اکساہٹوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" (۲۳:۹۷) اسی طرح نفس امارہ کی خواہشات ہوا و ہوس سے بھی اے اللہ! ہمیں بچائے رکھ۔ اے میرے پروردگار! میں شیطان اور نفس امارہ کے سامنے کمزور اور بے بس ہوں' اس لیے مجھے ان کے سپرد کرنا گویا نامراد آدمی کو دشمنوں کے قبضہ میں دینے کے برابر ہے۔ اس لیے ان سے تو مجھے اپنی ہی پناہ میں رکھ۔

(۳)

دم آخر میں ایمان را بتو خواہم سپرد ازدل
کہ کار تو مرا از غارت شیطان اماں دادن

(اے میرے اللہ! دم آخر میں اپنا ایمان خوش دلی کے ساتھ تیرے سپرد کر دوں گا کیونکہ شیطان سے تو ہی اس کی لوٹ مار سے مجھے بچا سکتا ہے)۔

اے میرے پروردگار! شیطان تو سدا سرکش جذبات پر ابھارتا ہے۔ یہ شیطان ہی ہے جو انسان کو کفر کا مرتکب کرتا ہے اور پھر وہ خود اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتا ہے۔ اس لیے اے میرے خدا! اے میرے اللہ! مجھے تو ہی اس شیطان الرجیم سے بچائے رکھ' تو مجھے اپنی پناہ میں لے رکھ تاکہ میں موت کے وقت اپنا ایمان خوشدلی اور خوشی کے ساتھ تیرے سپرد کروں اور میں اس شیطان کی لوٹ مار' اس کی غارت گری سے بچا رہوں۔ شیطان تو سراسر مکر و فریب ہے اور شیطان کھلم کھلا انسان کا دشمن ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید بھی آیا ہے کہ "شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔" (۷:۲۲)۔

(۴)

خدایا دوستاں راچوں بفضل خود کنی مہماں
بکلب کوئے خود آں دم تو یک استخواں دادن

(اے پروردگار! جب تو جنت میں اپنے دوستوں کی مہمان نوازی فرمائے گا تو مجھے اپنی

گلی کا کتا جان کر ایک ہڈی میری طرف بھی پھینک دینا)۔

اے میرے اللہ! تو اپنے وعدوں کے مطابق جنت میں اپنے دوستوں کی کئی کئی طرح سے مہمان نوازی کرے گا۔ انہیں رنگا رنگ اور طرح طرح کے کھانے کھلائے گا۔ پھل اور مشروبات دے گا' لحم طیور بھی پیش کرے گا اور اس سے بھی زیادہ سب دوستوں کو دے گا۔ مشروبات میں دودھ شہد اور خمر ہوں گے۔ ''سو وہ ایک دل پسند مقام عیش ہوگا'' (۲۱:۶۹)۔ اے خدا اس موقع پر مجھے اپنی گلی کا کتا سمجھ کر صرف ایک ہڈی میری طرف بھی پھینک دینا۔ میرے لیے وہی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

۵

بیا مرز آخر عمرم کو از لطف و کرم باشد
کہ در آخر دمے آپ لبت باتشنگاں دادن

(اے میرے پروردگار! میری آخری عمر ہے۔ اب تو اپنا لطف و کرم کر دے۔ کیونکہ آخری وقت پر پیاسوں کو اپنے لبوں کا آب حیات دینا اور ان کی پیاس بجھانا تیرا کرم ہوگا)۔

اے میرے اللہ! میں اب اپنی عمر کے آخری وقت پر ہوں۔ بروقت دم واپسیں میری درخواست اور آرزو ہے کہ مجھے اپنے لبوں کا جام دے دے تاکہ میں پیاس بجھا کر تسلی کے ساتھ تیرے پاس آسکوں۔ اے پروردگار! مجھ پر یہ تیرا بے انتہا لطف و کرم ہوگا کہ تو بروقت نزع میری پیاس بجھا دے گا اور اس سے میری جان کی مشکل ختم ہو جائے گی۔ یہاں پر اس شعر میں یہ بھی مراد ہے کہ اے میرے پروردگار میرا خاتمہ تیری رحمت کے سایوں میں خیر ہو اور میں ایمان کی سلامتی کے ساتھ تیرے حضور پیش ہوسکوں۔ یہی میرے لیے تیرے لبوں کا آب حیات ہوگا۔

۶

سر خاکم گواہی دہ بہ نیکو کز نکوئی یا است
پس از مردن بہ نیکوئی گواہی از بداں دادن

(اے دنیا والو! میری لحد پر کھڑے ہو کر اچھائی کی گواہی دینا۔ ویسے بھی یہ ریت ہے

کہ مرنے کے بعد مرنے والے کے بارے میں اچھی گواہی دینا نیکی ہوتی ہے اور یہ بھی گواہی دینے والے کی نیکی ہوتی ہے)۔

اے دنیا والو! اے میرے مخاطب دوستو! میری قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر میرے بارے میں تمہاری اچھی اور بھلائی کی گواہی دینا بہت بڑی نعمت ہوگی۔ مانا کہ میں بہت براہوں' گناہگار ہوں لیکن اس کے باوجود اگر تم میرے بارے میں کلمہ خیر کہو گے۔ میرے بارے میں بھلائی اور اچھائی کی خواہش کرو گے۔ میری بخشش کے لیے اللہ کی رحمت طلب کرو گے تو اس سے مجھے میرا پروردگار تمہاری گواہی پر اپنے فضل و کرم سے احسن جزا دے گا اور اسے میری نیکی تصور کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اے دوست! اے میرے ہمدرد مخاطب! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مہربانی سے اور رحمت فراواں کے ساتھ تیرے حق میں بھی نیکی اور بھلائی میں اضافے فرمائے گا۔ اللہ کی رحمتیں بے حد وحساب اور بے حد وسیع ہیں۔

(۷)

بہ بخشا برمن اے جاں ! بے شفاعت کردن نیکاں

کہ بے منت ترا شاید مراد بندگاں دادن

(اے میرے غفور الرحیم رب! مجھے نیکوں کی شفاعت کے بغیر ہی بخش دینا۔ کیونکہ اپنے غلاموں کی تو مرادیں کسی احسان کے بغیر ہی پوری کر دیتا ہے)۔

اے میرے غفار اور غفور رب کریم! تو بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ تو ضرور میرے گناہوں کو بخش دے۔ تو تو خود اپنے بندوں کو متوجہ کر کے اپنی طرف بخشش کرنے کے لیے بلاتا ہے اور لوگوں کو استغفار طلب کیے بغیر بھی بخش دیتا ہے اور تیرا یہ بھی فرمان عالی ہے کہ "تم اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی مانگ لو' وہ بڑا غفور و رحیم ہے' وہ ضرور معاف کر دے گا۔ (اور خوش ہو کر)" (۷۱: ۱۰) اس لیے اے میرے پروردگار! مجھے نیکوں کی شفاعت کے بغیر ہی بخش دے۔ میں تیرا بندہ بے درم اور دست بستہ غلام ہوں' اور یہ تیری شان ہے کہ تو اپنے غلاموں کو ان پر احسان جتائے بغیر سب کچھ عطا فرما دیتا ہے' تو ہی اپنے بندوں کی مرادیں بغیر کسی احسان کے پوری کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ عین تیرے ہی شایان شان ہے۔

⑧

ازاں برکندہ ام دل راز ہر چہ غیر تست اے دوست!

کہ جاں را وقت جاں دادن بہ آسانی تواں دادن

(اے دوست! اے میرے حبیب! میں نے دمِ آخر تیرے بغیر ہر غیر کو اپنے دل سے نکال دیا ہے تاکہ میں سب سے بے نیاز ہو کر آسانی کے ساتھ اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر سکوں)۔

دل انسانی احساسات و جذبات کا ایک مرکز ہے بلکہ ایک آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ دل گویا ایک حوالے سے قرآنی اصطلاح میں ''فواد'' بھی کہلاتا ہے۔ یہی انسانی فکر و شعور کا مرکز سمجھا جاتا ہے اور یہی انسانی جذبات و احساسات کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اسی لیے مومنین کی یہ دعا ہوتی ہے کہ ''اے ہمارے پروردگار رشد و ہدایت کی دولت سے مالا مال کرنے کے بعد ہمیں زیغ قلب (دل کی کجی) سے محفوظ فرما دے۔'' (۳:۸) جناب غوث الاعظم بتاتے ہیں کہ ''میں نے اپنے وقت آخریں اپنے دل کو سب غیر اللہ سے پاک کر لیا تاکہ بغیر کسی تکلیف اور رکاوٹ کے اپنی جان اسی کے سپرد کر سکوں جس نے یہ جان مجھے دی تھی۔

⑨

منم مفلس تریں با خلق وعدہ کردۂ یا رب!

کہ خواہم گنج رحمت رابدست مفلساں دادن

(اے میرے پروردگار اللہ! میں مفلس ترین ہوں اور یا رب! تیرا مخلوق کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ تو اپنی رحمتوں کا خزانہ مفلسوں اور محتاجوں کے ہاتھ میں دے گا)۔

اے میرے رحیم و کریم رب الرحیم! میں اس سرزمین پر سب سے زیادہ مفلس' بے کس' بے سہارا اور بے یارومددگار ہوں' مجھ سے بڑھ کر اور کوئی نادار اور غریب بھی نہیں ہے۔ اور اے پروردگار تیرا تو اپنی مخلوق کے ساتھ یہ بھی وعدہ ہے کہ تیری رحمت ہر شے پر محیط ہے۔ (156:7) وہ پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ اور یہ بھی کہ ''راہ حق میں ہر مصیبت کو استقامت سے برداشت کرنے والوں کے لیے بھی رحمت فراواں ہے۔'' (۲: ۱۵۷) تو اے

ہمارے پروردگار! ہم سے زیادہ افلاس اور مصائب کو کس نے دیکھا اور جھیلا ہے' اس لیے تو ہمیں اس وقت اپنی رحمت بے پایاں سے محروم نہیں رکھے گا۔

۱۰

بقعر دوزخم جادہ بچنداں کز گنہہ باللہ

من بدرا دریغت جائے درصدر جناں دادن

(اے میرے پروردگار! مجھے میرے گناہوں کے عوض قعر دوزخ میں جگہ دینا۔ مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ مجھ سا گناہگار عین مرکز جنت میں ٹھہرنے کا حق دار نہیں ہے)۔

اس شعر میں ایک بار پھر عاشق اپنے خاص رنگ و آہنگ میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے برملا کہہ رہا ہے۔ میں ہی سب سے بڑھ کر گناہگار ہوں۔ میرا ٹھکانہ تو میرے اعمال و افعال شنیع کے باعث دوزخ کی گہرائیاں ہی ہے۔ میں دوزخ کے المناک عذاب کا مستحق ہوں۔ میں ہرگز اس جنت کے عین مرکزی اور وسطی وصدری حصوں میں رہنے کا حقدار نہیں ہوں۔ شاید اس انکساری کے پیچھے عاشق کا یہ جذبہ بھی کارفرما ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔" (۹۴:۵۔۸) لازم دکھائی دیتا ہے کہ تنگی اور تکلیف اٹھائے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور وہاں یہ مضبوط وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس اعتبار سے عشاق حقہ کی یہ طلب جہنم قابل غور ہے کہ وہ بڑی تکلیف کے بعد بڑی راحت پائیں گے۔

۱۱

غذائے محی در دُنیا بجز خون جگر نہ بود

کہ دارد ضعف دل او را کباب خونچکاں دادن

(محی الدین کی غذا اس دنیا میں خون جگر کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مجھے ضعف دل کا عارضہ ہے' اس لیے ایسے شخص کو خوں چکاں جگر کے کباب ہی دینے چاہئیں)۔

اے میرے پروردگار! تیرے عشق میں محی الدین نے اس دنیا میں عمر بھر اپنا خون جگر

ہی اپنی غذا بنائے رکھا ہے۔ اور اس نے مدام اسی غذا اور خوراک پر گزارہ کیا ہے۔ اور میرے پروردگار تو تو بخوبی واقف اور آگاہ ہے کہ میں ضعف دل کا مریض ہوں۔ میرا یہ مرض خاص مرض ہے۔ اس ضعف قلب سے میرا دل تیری ہی ہلکی سے ہلکی آہٹ پر بھی خوب دھڑکتا رہتا ہے۔ اس بیماری نے جو کمزوری اور ضعف مجھے بخشا ہے' اس کی ہر حالت اور کیفیت تجھ پر خوب واضح ہے۔ اس لئے اے میرے اللہ! اس طرح کے مریض کو تو خونچکاں جگر کے کباب ہی بطور غذا راس آسکتے ہیں اور ان کبابوں کے لیے بھی میرا ہی جگر کام آسکتا ہے۔

## غزل ﴿۵﴾

(۱)

اے کاسۂ سرشد سفال و دیدہ گریاں ہماں
تن بکویت خاک گشت و اشک در داماں ہماں

(کاسۂ سر مٹی میں مل گیا مگر پھر بھی آنکھیں گریا ہیں۔ یعنی تن تو میرا کوئے یار میں خاک ہو کر مل گیا ہے مگر میرا دامن بدستور آنسوؤں سے ابھی تر ہے)۔

عاشق زار اپنی ایک صورت حال کو اس طرح بتا رہا ہے کہ سر کی کھوپڑی کہ جو کاسہ کی مانند ہے وہ تو خاک میں مل چکا ہے۔ وہ مٹی کے ساتھ مٹی ہو گیا ہے لیکن اس سر میں موجود آنکھیں جو ہیں' وہ تو ابھی تک بدستور رو رہی ہیں۔ میرا سارا تن میرے یار کی گلی کی خاک کے ساتھ خاک ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرا دامن ہے کہ وہ ابھی تک میرے اشکوں سے تر ہے۔ اس شعر میں آنکھوں اور آنکھوں کے رونے کو خوب نادر انداز میں اجاگر کیا گیا ہے کہ جسم کے خاک ہو جانے کے بعد آنکھیں گریہ زاری کرتی رہتی ہیں۔

(۲)

دل نماند وآتشے در جان شیرینم ہنوز
جامہ جاں چاک گشت از اشک تر داماں ہماں

(آتش عشق سے میرا دل تو راکھ بن چکا ہے' میں دل سوز ہو چکا ہوں۔ لیکن شیریں

جان میں یہ آگ ابھی تک لگی ہوئی ہے۔ اگرچہ جان کا جامہ چاک ہو چکا ہے لیکن اشکوں سے دامن اسی طرح تر ہے)۔

اے لوگو! یہ عشق کی آگ بھی عجیب آگ ہے۔ اس نے میرے دل کو جلا کر راکھ بنا دیا ہے۔ اس دل میں سے کچھ بھی نہیں بچا۔ دل کو جلانے کے بعد بھی یہ آتش عشق ابھی تک شیریں جان کو جلائے جا رہی ہے۔ اسی لیے وہ آگ بدستور میری جان میں لگی ہوئی ہے اور جہاں تک جان کا تعلق ہے' اس کا جامہ تو تار تار ہو چکا ہے لیکن دامن آنسوؤں سے تر ہے۔ اس شعر میں بھی اشارہ ملتا ہے کہ جسم و قلب کے جلنے کے بعد بھی جان بدستور عشق میں جل رہی ہے اور جان کا جامہ بھی چاک ہو چکا ہے لیکن اس جان کا اظہار آنکھوں کے آنسوؤں سے ہوتا رہتا ہے۔

(۴۳)

آب شد در چشمہ وہم سنگ شد در کوہ آب

خوئے عاشق ہمچناں و سختی خوباں ہماں

(چشموں سے پانی رواں ہو گیا اور پہاڑوں کے پتھر بھی پانی ہو کر بہنے لگے۔ لیکن عاشقوں کی عادات میں کمی نہ ہوئی اور محبوبوں کی سخت مزاجی بھی اسی طرح ہی برقرار رہی)۔

بتایا جا رہا ہے فطرت کے اعتبار سے مزاج اور عادتیں کس قدر پختہ اور دائمی ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود بعض چیزوں میں بدستور تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ پہاڑوں پر مدتوں سے خشک ہو جانے والے چشموں سے دوبارہ پانی رواں دواں ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح پہاڑوں کے سخت پتھر بھی پانی بن کر بہنے لگے ہیں۔ لیکن عشاق تو اپنی فطری ضد کے پکے رہے۔ انہوں نے عشق کرنے سے توبہ نہ کی۔ ان کے برعکس پر جمال محبوبان جہاں کی سخت گیری اور سخت مزاجی میں بھی ذرا برابر تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے وہ جو جمادات ہیں وہ بے ارادہ و بے اختیار نہیں لیکن انسان تو اپنا ایک حد تک ارادہ اور اختیار بھی رکھتا ہے اور اس کی یہ حالت اس کی صلبی ضد کی سی ہے۔

(۴)

کافر از آتش پرستی رفت و آتش رانشاند

بت پرستی من و سوز دل بریاں هماں

(کافروں نے آتش پرستی چھوڑ دی اور ان کی پوجا والی آگ بھی بجھ گئی۔ مگر میری بت پرستی اور میرے جلے ہوئے دل کا سوز اسی طرح سے ہے)۔

اس شعر میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں ناممکن باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور ناممکن کسی وقت ممکن میں بدل جاتا ہے۔ یعنی جو کافر تھے انہوں نے اپنا کفر والحاد چھوڑ دیا۔ آتش پرستوں نے آتش پرستی کو ترک کر دیا اور پھر ان کی وہ آگ جو آتش دانوں میں جل رہی تھی وہ بھی بجھ گئی۔ لیکن اے دنیا! میں جس بت پرستی کا مرتکب ہو رہا ہوں، وہ تو قائم دائم ہے۔ میں جس آتش عشق میں جل رہا ہوں، اس کی تپش اور سوزش بدستور قائم اور جواں ہے جس سے میرا جلا ہوا دل سوز میں اسی طرح سے جل رہا ہے جیسا پہلے دن سے جلنا شروع ہوا تھا۔

(۵)

گر ترا نسبت کنم با مهرومه باشد خطا

چوں تو افزونی زمهر و از مه تاباں هماں

(میں گر تجھے سورج اور چاند سے تشبیہ دوں تو یہ میری غلطی ہوگی۔ کیونکہ تیرا حسن سورج اور مہ تاباں سے زیادہ حسین ہے)۔

اے میرے محبوب! تو بے حد حسین و جمیل ہے۔ تجھ سا اور کوئی حسین نہیں ہے۔ تیرا حسن و جمال بے مثال ہے۔ کسی دوسرے کے حسن کا تیرے حسن کے ساتھ مقابلہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا سورج اور چاند کو ان کی روشنیوں کی وجہ سے خوب صورت کہتے ہیں۔ چاند اپنی چاندی سی چاندنی کی وجہ سے حسین ہے۔ لیکن میں اگر انہیں تیرے حسن و جمال کے ساتھ تشبیہ دوں تو یہ بہت بڑی غلطی اور میری کوتاہی ہوگی کیونکہ تیرا حسن تو ان چاند اور سورج سے بہت بالاتر اور کہیں زیادہ بڑھ کر حسین ہے۔

(۶)

گل زبستاں رفت و بلبل ز فغاں خاموش
عاشق رویت ہماں و نالہ وافغاں ہماں

(باغ سے فصل گل ختم ہوئی اور بلبل بھی آہ وزاری سے رک گئی ہے لیکن تیرے چہرے کا عاشق اور اس کا نالا اور شیون اسی طرح سے ہے)۔

گلستان میں سے فصل بہار جا چکی ہے' پھولوں کا موسم بھی بیت گیا۔ پھول سب ختم ہو گئے ہیں۔ پرندوں کا چہچانا اور بلبل کی آہ وزاری بھی رخصت ہو چکی ہے۔ بلبل اپنی قسمت پر نہیں رو رہی اور وہ نالہ و فغاں بھی نہیں کر رہی۔ لیکن دل عاشق کا کیا کیا جائے کہ اسے قرار نہیں ہے' جو اپنے محبوب کے چہرے کا عاشق ہے وہ تو اسی طرح سے حسب سابق رو رہا ہے۔ اس کی زاری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

(۷)

دل ز جور او خراب و او زحالش بے خبر
مملکت ویراں شد و بے غوری سلطاں ہماں

(میرا دل محبوب کے جور وستم سے تباہ و برباد ہو چکا ہے مگر اس کے باوجود میرا محبوب اس حالت سے بے خبر ہے۔ ساری مملکت تو ویران ہو چکی ہے لیکن بادشاہ کی عدم توجہ اسی طرح سے ہے)۔

میرے محبوب کے جور وستم اور ظلم والم بہت زیادہ ہیں' ان سے میرا دل تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ میرے دل کی بستی ویران اور سنسان ہو چکی ہے۔ مجھ پر جو بیت رہی ہے اور اس حال میں میری جو حالت اور کیفیت ہو چکی ہے۔ اس سے بھی میرا محبوب کلی طور پر بے خبر اور بلکہ بے نیاز ہے۔ اسے اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے کہ اس کے عاشق زار پر کیا بیت رہی ہے۔ میرے جسم و جان کی سلطنت کا وہی میرا محبوب ہی مالک ہے۔ اس کی بے پرواہی اور غور نہ کرنے کے سبب میرے جسم و جان کی مملکت تباہ و برباد ہو چکی ہے۔

⟨۸⟩

به نخواہد گشت عالم زانکه گر گریم بسے

بخت من باشد ہماں بد مہری دوراں ہماں

(زمانے کی حالت پر میں اگر اور بھی گریہ وزاری کروں تو زمانے کی حالت پھر بھی نہیں سدھرے گی۔ میری بدبختی بھی اسی طرح ہی رہے گی اور زمانے کی بے مہری بھی اسی طرح رہے گی)۔

احوال و واقعات کی صورت ایسی ہو چکی ہے کہ ان میں کسی طور بہتری پیدا نہیں ہو رہی۔ زمانے کی حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ اس پر اگر میں روتا دھوتا رہوں اور صبح و شام گریہ وزاری کرتا رہوں تو بھی زمانے کی حالت نہ سدھرے گی اور نہ بدلے گی۔ میرے رونے دھونے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا بلکہ برعکس اس کے میری بدقسمتی میں اضافہ ہوگا اور زمانے کی بے وفائی اور بے مہری بدستور بڑھتی چلی جائے گی۔

⟨۹⟩

ہر زمانش شربتے دیگر مفرما اے طبیب

چونکہ باشد محی دل افگار را درماں ہماں

(اے طبیب! اے میرے ہمدرد معالج! محی الدین کا دل زخمی ہے۔ اس گھائل دل کو تیرے شربتوں سے افاقہ نہیں ہوگا۔ اس لیے تم اس کے لیے ہر دور میں نیا شربت تجویز نہ کرتے رہو)۔

اے میرے طبیب حاذق! محی الدین کا دل تو عشق الٰہی میں سدا کا زخمی اور گھائل ہے۔ وہ عشق کا مارا ہوا ہے۔ جان لو کہ اس دل مجروح کو تیرے علاج معالجے اور تیرے طرح طرح کے شربتوں سے کوئی افاقہ نہیں ہو رہا۔ لیکن تم عجیب طبیب ہو کہ اس کے علاج کے لیے ہر روز نئے سے نیا شربت تجویز کرتے رہتے ہو۔ حالانکہ اس کا ایک ہی علاج شربت دیدار میں مضمر ہے۔

# غزل ۱۷

۱

مجالے کے بود با تو حدیث خویشتن گفتن
کہ پیش چوں بد خوئے نمی آرم سخن گفتن

(تم سے اپنی حالت بیان کرنے کی کسے مجال ہے۔ آپ سے سخت' درشت مزاج کے سامنے تو میں کوئی بات نہیں کر سکتا)۔

اے میرے دشمن جاں' اے میرے محبوب! ہم پر جو بیت رہی ہے وہ ہمی جانتے ہیں۔ ہم اپنی واردات قلبی کا کس سے ذکر کریں۔ آپ کے سامنے کوئی اس دل کی واردات کو بیان کر سکے' اس کی کسے مجال ہو سکتی ہے۔ آپ تو بے حد سخت مزاج' سخت طبیعت اور ترش عادات والے ہیں۔ آپ کی بے پرواہی مثالی ہے۔ اپنے عاشق کے ساتھ آپ کا رویہ بے رحمانہ اور سخت اور درشت ہے' اس لیے کون ہے جو آپ کے سامنے بول سکے اور گلہ گزاری کر سکے۔

۲

زمانے خلوتے خواہم کو گویم حال خود باتو
کہ نتواں شرح حال خویشتن درانجمن گفتن

(اے میرے حبیب! میں صرف ایک لمحے کے لیے آپ سے خلوت اور تنہائی کی درخواست کرتا ہوں تا کہ حال دل کہہ سکوں۔ اپنے دل کا حال بھری محفل میں بالتفصیل نہیں بتایا جا سکتا)۔

اے میرے پیارے حبیب! میں کیا بتاؤں میری کیا حالت ہے اور دل کے ہاتھوں کس قدر مجبور ہو چکا ہوں۔ میں آپ سے ایک لمحے کی خلوت اور تنہائی کی درخواست کرتا ہوں تا کہ آپ سے وہ کہہ سکوں جو دل پر بیت رہی ہے۔ کھل کر آپ سے اپنے دل کا حال بیان کر سکوں۔ آپ کی یہ خلوت ہی میرے لیے ایک دولت ہوگی۔ میں تو صرف دل کا حال کہنا چاہتا ہوں۔ بھری محفل میں مفصل طو پر شرح کے ساتھ کچھ کہنا نہ تو زیب دیتا ہے اور نہ یہ تشریح بیان

ہی کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اے میرے محبوب مجھ پر توجہ فرمائیے۔

(۳)

قدو روئے ترا چوں ہر کسے سروسمن گوید
تواں خار وخس کویت بہ از سروسمن گفتن

(ہر ایک فرد تیرے قد اور چہرے کو سروسمن قرار دیتا ہے، حالانکہ تیری گلی کے خار اور خس وخاشاک کو بھی سروسمن سے بہتر کہا جاسکتا ہے)۔

اے میرے محبوب! ہر شخص جو اپنے آپ کو صاحب فردا سمجھتا ہے وہ آپ کے قدو قامت کو سرو سے تشبیہہ دیتا ہے۔ سرو ایک سدا بہار سیدھا، لمبا اور ہر موسم میں یکساں سرسبز رہنے والا درخت ہے۔ شعرا محبوب کے قد کو اکثر اسی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اے میرے محبوب! تیرے چہرے کو گورا چٹا اور سمن کی طرح سفید اور تازہ بہ تازہ کہتے ہیں اور سروسمن سے ملاتے ہیں۔ حالانکہ اے میرے محبوب! تیری تو گلی کے خار، کانٹے اور خس وخاشاک بھی سروسمن سے بہت بہتر ہیں۔

(۴)

بجاں کندن نہانی یک سخن گوئید ازوبامن
کہ از شیریں حکایت خوش بود باکوہ کن گفتن

(اے دوست! جان کندن کے وقت سرگوشی کے سے انداز میں میرے محبوب کی ایک بات میرے کان میں کہو، کیونکہ مجنوں کو اپنی شیریں کی بات اسے پہاڑ کھودنے کے دوران مہمیز کا کام دیتی تھی)۔

اے دوست! بروقت نزع کہ جب عزرائیل میری جان لینے کے لیے آئے میرے کان میں نہایت آہستگی سے میرے محبوب کی کوئی بات کہو۔ اس سے مجھے سکون اور اطمینان ہوگا اور بغیر کسی تکلیف کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دوں گا۔ بتایا جاتا ہے کہ جب فرہاد کوہ بے ستون کو کاٹ اور کھود رہا ہوتا تھا، اس وقت اس کی محبوب شیریں کی شیریں باتیں نہایت ہی اچھی، بھلی اور پیاری لگتی تھیں اور یوں وہ زیادہ مستعدی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہتا تھا۔

۵

نہ باید گفت باید روئے ہرگز وصف حسن تو
کہ بے حاصل بود بسیار از گل با زغن گفتن

(تیرے حسن و جمال کی بات کسی بدذوق سے ہرگز نہیں کرنی چاہیے کہ کسی کوے سے پھول کی بارے میں باتیں کرنا بے فائدہ ہوتا ہے)۔

کسی کم ظرف اور بدذوق شخص سے اس کی طبع اور مزاج کے خلاف کوئی بات کرنا بے وقوفی اور نادانی ہے۔ جہاں تک محبوب کے حسن و جمال کا تعلق ہے س کا تذکرہ تو کسی غیر سے کرنا بھی روانہیں ہے اور پھر اگر اپنے محبوب کے حسن اور زیبائی کا تذکرہ کسی ایسے شخص سے کرنا کہ جو کم ظرف اور سفلہ ہو یہ بہت بڑا ظلم ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کسی بھی غیر متعلق شخص سے اپنے پیاروں اور محبوبوں کے ذکر سے اجتناب ہی کیا جائے کیونکہ اس کی مثال ایسے ہوگی کہ خوشبوؤں اور رنگوں کے حسن و جمال میں لدے ہوئے پھولوں کا ذکر غلاظت اور گندگی پسند کرنے والے کوئے سے کرنا گویا اس حسن و جمال کی ناقدری کرنا ہے۔

۵

غم تو از دل محی نخواہد شد بہ آسانی
کہ نتواں با مقید بے جہت ترک وطن گفتن

(اے محی الدین! تیرا غم آسانی کے ساتھ دل میں سے نہیں جا سکتا یعنی کسی بے جہت مقید کے لیے وطن کو ترک کرنا آسان کام نہیں ہوتا)۔

اے محی الدین! تیرا غم دل میں خوب گھر کیے ہوئے ہے۔ اس نے دل میں اس طرح سے بسیرا کر رکھا ہے گویا یہ گھر اسی غم ہی کا مسکن بنا ہوا تھا۔ یا یہ غم اسی دل کے گھر ہی کے لیے تخلیق ہوا ہے۔ اب صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ یہ غم اس گھر کے لیے اور یہ گھر اس غم کے لیے لازم و ملزوم ہو چکے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے بے حد ناگزیر اور اہم ہیں۔ اس حالت میں اب یہ محبوب سے کہا جا رہا ہے کہ اب تیرا غم میرے دل کے لیے ایک زندگی بن چکا ہے اور اب میں اس زندگی کے بغیر ایک خالی قالب کی صورت میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

# غزل ۲۷

(۱)

من کہ ہستم زندہ دور از دلربائے خویشتن
گر برفتم می کشد بازم بجائے خویشتن

(میں جو اپنے محبوب سے دور ہوں' پھر بھی کس طرح سے زندہ ہوں' اس جدائی سے تو مجھے زندہ رہنے کے بجائے مرجانا چاہیے تھا)۔

اے دنیا! یہ ایک حقیقت ہے کہ میں اپنے محبوب سے دور رہوں' جدائی اور ہجر و فراق اور دوری نے مجھے تو مار ہی ڈالا ہے۔ اس صورت میں کس طرح سے زندہ ہوں اور میں کیوں زندہ ہوں؟ میں اس جدائی کے صدمات سے اب علیحدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ میں اس جدائی کے باوجود محبوب سے دور رہ کر بھی کس طرح سے زندہ ہوں' اس سے تو بہتر تھا کہ میں مر ہی گیا ہوتا۔

(۲)

نے مبرا در خانہ کس راہ ونے در مسکینے
می توانم بود یک دم در سرائے خویشتن

(نہ میں کسی کے گھر میں جاتا ہوں اور نہ کسی کے مسکن کی طرف جاتا ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ۔ میں تو صرف اپنے دل کی سرائے ہی میں رہ سکتا ہوں)۔

اے لوگو! میں تو اپنی ہی کملی میں مگن رہتا ہوں۔ میں کسی دوسرے کے گھر میں نہیں جاتا ہوں اور نہ میں کسی کی رہائش گاہ کی طرف دیکھتا ہوں۔ میرے لیے کسی کے گھر یا کسی کی آسودہ رہائش میں کوئی دلکشی اور دلچسپی نہیں ہے۔ میرا دل ہی میرا گھر ہے' وہی میری رہائش گاہ ہے' وہی میرے لیے میری ایک خفیہ اور درون خانہ سرائے ہے اور میں صرف اور صرف اسی سرائے ہی میں رہ سکتا ہوں' اسی میں رہ کر مجھے سکون ملتا ہے۔ اس لیے مجھے کسی دوسرے کی رہائش کو دیکھنے یا کسی غیر کے گھر میں جانے کی ہرگز طلب وضرورت نہیں ہے۔

(۳)

اے کہ می نالی ز عشق یار و جور روزگار
سوئے من بین وبکن شکر خدائے خویشتن

(اے مخاطب! تم عشق یار اور زمانے کے جور وستم سے نالاں ہو' میری طرف دیکھو اور میری حالت دیکھ کر اپنی حالت پر خدا کا شکر ادا کرو)۔

(اے مخاطب !تم نے زمانے کے ظلم وستم اور زمانے کی روش کی گلہ گزاری شروع کردی. اور یہ بھی کہ تم اپنے یار کے غم کو بھی اپنے لیے عذاب بنا رکھا ہے اور اس سے نالاں رہتے ہو حالانکہ یار کا غم عشق تو یار کی مقدس امانت ہوتا ہے. اے دوست !تم میری حالت کو دیکھو' میں اپنے محبوب کے عشق میں اس قدر وارفتہ اور محو ہوں کے مجھے کچھ خبر ہی نہیں ہے۔ اس لیے تم اپنی حالت پر اللہ کا شکر بجالاؤ۔ کے تمہارے غم اور دکھ بہت ہی کم ہیں۔ ان پر واویلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور زمانے سے بھی نالاں ہونا بے سود ہے۔

(۴)

گر ز عشق افزوں نبودے درد بے پایاں من
فکر می کردم بجا' گرد ہوائے خویشتن

(اگر میرا بے انتہا درد میرے عشق سے فزوں تر نہ ہوتا تو میرے لیے اپنے حرص وہوا کی فکر کرنا بجا تھا۔ گویا میرا درد بہت زیادہ اور بے پایاں ہے)۔

اس شعر میں شاعر نے اپنے عشق اور اپنے درد کا ایک طرح سے موازنہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ میرا عشق اگرچہ بہت بڑا ہے اور میں نے بہت بڑی ذات کے ساتھ عشق کر کے اسے اپنا محبوب بنا رکھا ہے۔ لیکن اس عشق کی وجہ سے جو میں نے درد اور الم کما رکھا ہے وہ میرے عشق سے بھی کہیں بڑا ہے۔ اس لیے اے لوگو! میرے عشق کے معیار اور رتبے کو دیکھنا ہو تو تم اسے میرے درد کے حوالے سے دیکھو' میرا درد تو پہاڑوں سے بھی بڑا ہے' اور میرا یہ درد ہر روز فزوں تر ہوتا جاتا ہے' میرا درد جتنا زیادہ بڑھتا ہے میں اس قدر دنیا و مافیہا سے بے نیاز اور بے پرواہ ہوتا جاتا ہوں۔

⑤

تانہادم برسر کویت قدم بے اختیار

توتیائے دیدہ سازم خاک پائے خویشتن

(میں نے جب اے محبوب! تیرے کوچے میں قدم رکھا تو پھر میں نے بے اختیار ہو کر اپنے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کے لیے توتیا بنالیا کہ یہ آنکھوں کے لیے اکسیر ہے)۔

اے میرے حبیب! تیرے کوچہ کی خاک بھی میرے لیے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور اس سے مقدس میرے لیے اور کوئی شے نہیں ہے' یہی نہیں تیرے کوچے کی خاک تو میرے لیے اکسیر اعظم سے بھی بہتر اور برتر ہے۔ تجھے کیا خبر کہ میں نے اپنے دل کے ہاتھوں تنگ آ کر ایک خاص حالت میں تیرے کوچے میں قدم رکھا' تو میں نے اپنے اس فعل کو ایک بہت بڑی سعادت سمجھا' اور تیرے کوچے میں اپنے قدموں کے نیچے سے خاک لے کر میں نے اسے اپنی آنکھوں میں لگایا کہ میرے لیے تیرے کوچے کی خاک جو میرے پاؤں کے نیچے آئی ہے توتیا سے بھی زیادہ اکسیر ہے۔ ایک تو اس خاک کو میں مقدس جان کر تقدس دیتا ہوں اور دوسری یہ کہ اس سے بڑھ کر میری آنکھوں کے لیے اور کوئی سرمہ اکسیر نہیں ہے۔

⑥

بس کہ زاری می کنم بے ہوش گردم ہر زماں

باز می آیم بہ ہوش از نالہ ہائے خویشتن

(میں اس قدر زیادہ گریہ وزاری کرتا ہوں کہ میں اس سے ہر گھڑی بے ہوش ہو جاتا ہوں اور اس کے بعد پھر اپنے ہی نالوں کے شور وغل سے میں دوبارہ ہوش میں آجاتا ہوں)۔

اے لوگو! ہماری قسمت میں عشق کرنے کے بعد رونے دھونے اور گریہ زاری کے سوا اور کچھ نہیں ہے' اسی لیے میں ہمیشہ گریہ وزاری ہی کرتا رہتا ہوں۔ میری گریہ وزاری اور میرا رونا دھونا اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے میں ہر لمحہ بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ اور پھر یہ بھی لطف کی بات ہے کہ جب میں بے ہوش ہو جاتا ہوں تو پھر میں اپنے نالوں اور آہ و بکا سے

دوبارہ ہوش میں آجاتا ہوں۔ گویا یہ ایک دور ہے جو چلتا رہتا ہے۔ یعنی رونے دھونے سے بے ہوش ہو جانا اور نالوں اور آہ و بکا سے دوبارہ ہوش میں آجانا۔

(۷)

غیر محی کو خود از بہر تو خواہد در جہاں
ہر کہ می خواہد ترا خواہد برائے خویشتن

(اے میرے محبوب! تجھے محی الدین کے بغیر اور کون ہے جو تجھے تیرے ہی لیے چاہتا ہو۔ کیونکہ تجھے جو بھی چاہتا ہے وہ تو تجھے اپنے ہی لیے چاہتا ہے)۔

اے میرے محبوب! میرے پروردگار' یہ تیرا بندہ محی الدین تجھے بے حد چاہتا ہے۔ اور یہ تجھے صرف تیرے ہی لیے چاہتا ہے۔ اس کا تجھے چاہنا صرف تیری ہی رضا اور خوشنودی کے لیے ہے۔ اے میرے حبیب! اس دنیا میں جو بھی تجھے چاہتا ہے وہ صرف اپنی غرض اور مقصد کے لیے ہی چاہتا ہے' ہر دنیا والا تجھے چاہنے میں سب سے پہلے اپنا فائدہ اور اپنی کسی غرض ہی کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور پھر اس کا تجھے چاہنا گویا ایک طرح سے مشروط ہوتا ہے۔ لیکن برعکس ان لوگوں کے تیرا یہ گناہگار بندہ محی الدین' تجھے صرف تیرے ہی لیے چاہتا اور طلب کرتا ہے۔

## ردیف: و

## غزل ۴۳

(۱)

گرتو طلبی داری ' بیداری شبہا کو ؟
با ذکر خدا بودن ' در خلوت تنہا کو ؟

(اگر تو اللہ کی طلب رکھتا ہے تو پھر تیری راتوں کی بیداری کہاں ہے؟ اور خلوت کے اندر تنہائی میں ذکر خدا کرنا ہے' وہ کیا ہوا؟)

اے دوست یہ ایک اچھی بات ہے کہ تو اپنے اللہ کی طلب رکھتا ہے اور یہ سب سے

بڑی حقیقت ہے کہ بندے کو صرف اپنے اللہ ہی کی طلب و آرزو کرنی چاہیے۔ اے دوست! تو اپنے اللہ کی آرزو تو ضرور رکھتا ہے' لیکن اس کے لیے تیرا کوئی عمل تائید نہیں کرتا۔ اپنے پروردگار کے طلب گاروں اور چاہنے والوں کو راتوں کو بیداری اختیار کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح خلوت اور تنہائی میں ذکر و فکر کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں بھی ارشاد موجود ہے کہ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو اور سحر و شام اس کی تسبیح میں مشغول رہو۔'' (۳۳:۴۱۔۴۲)۔ لیکن تم نے تو اس آئین عاشقی کو فراموش کر رکھا ہے۔

⟨۱⟩

آں دوست زہر ذرہ خود را بہ شما بنمود

در مشرق و مغرب یک دیدہ بینا کو ؟

(وہ دوست تو کائنات کے ہر ذرے میں تمہیں نظر آ رہا ہے' لیکن مشرق و مغرب میں ایک بھی دیدہ بینا نہیں ہے)۔

اے انسان! اس پروردگار کی ذات حق تو اس کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہے۔ وہ رب الرحیم تو ایسا ہے کہ سب مشرق و مغرب اسی کے ہیں۔ ہر جانب اسی کی حکومت ہے۔ اس کے اقتدار اور اختیارات کو ہرگز محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہی اس پوری کائنات کا نشو و نما دینے والا رب العالمین ہے۔ بلکہ وہ اللہ ایسا ہے کہ ''انسانی چشماں ظاہر اس کا ادراک و تماشا نہیں کر سکتیں اور اسے انسانوں کی آنکھوں کی نارسائی کا پورا پورا ادراک ہے' اور وہ باریک سے باریک نقطے کو سمجھتا اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کی خبر رکھتا ہے۔'' (۶:۱۰۳)۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے تخلیقی مظاہر کی رو سے پہنچانا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ ''ظاہر'' بھی ہے۔ لیکن اسے دیکھنے والی تیز فہم بابصیرت آنکھ موجود نہیں ہے۔

⟨۲⟩

ہر چیز کز و جستی بہر تو مہیا کرد

تو ہیچ نمی گوئی کاں خالق اشیاء کو ؟

(تو نے جس بھی چیز کی طلب کی اس اللہ نے تجھے مہیا کر دی۔ حالانکہ تجھے تو یہ بھی خبر

نہیں ہے کہ ان اشیاء کا خالق کون ہے! اور وہ کہاں ہے )۔

اے انسان! تو بڑا ہی سادہ دل اور لاعلم ہے۔ تو اپنی طلب و آرزو میں جو بھی چاہتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ وہ سب کچھ تجھے مہیا اور فراہم کر دیتا ہے۔ تجھے خبر ہی نہیں ہے کہ اس کی ذات تو تجھے دن' رات' دھوپ' ہوا' روشنی پانی' چاندنی' موسم اور رُتیں سب تیرے مانگے بغیر تجھے دیئے جا رہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی ہزاروں چیزیں تجھے تیری طلب کے بغیر ہی مل رہی ہیں۔ وہ جس نے تجھے پیدا کیا ہے' وہ تیرے لیے سب کچھ کر رہا ہے۔ لیکن اے ناشکرے انسان! تم تو یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ان سب اشیاء کا خالق و مالک کون ہے۔ اس نے یہ سب کچھ کیوں اور کس لیے تجھے دے رکھا ہے۔

(۴)

بسیار گنہہ کردی از حق تو نہ ترسیدی

از ترس عذاب حق نالید شبہا کو ؟

(اے انسان! تو نے بہت سے گناہ کیے اور تو نے اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کیا خوف عذاب الٰہی سے تیرا وہ راتوں کا رونا اور گریہ وزاری کیا ہوئی)۔

اے دوست تو بے شمار گناہ کیے جا رہا ہے۔ ہر روز تو گناہوں میں مزید ڈوبا چلا جا رہا ہے۔ لیکن تو عجیب نڈر اور بے پرواہ قسم کی مخلوق ہے کہ تو اپنے گناہوں پر اپنے خدا سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ بدستور گناہ کمائے جا رہا ہے۔ قرآن مجید نے بھی گناہ کرنے کے حوالے سے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ''جرم یعنی گناہ اور اس کے عملی نتائج سامنے آنے تک جو وقفہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے لوگ جرائم میں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔'' (۳:۱۷۸)۔ اور تمہیں یہ بھی خبر ہونی چاہیے کہ گناہوں کا بدلہ عذاب ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تو اپنے پروردگار کے خوف اور خشیت سے راتوں کو گریہ وزاری کر کے توبہ کرتا لیکن تو نے تو راتوں کے تضرع کو طاق نسیاں پر رکھ دیا۔

۵

چوں گوئی تو یا اللہ گوئیم بنو لبیک
ایں بندہ نوازی ہا جز حضرت مارا کو ؟

(اے میرے بندے تو جب مجھے یا اللہ کہہ کر پکارتا ہے تو اس پر ہم تجھے لبیک کہتے ہیں۔ اس قدر زیادہ بندہ نوازیاں تجھے ہمارے سوا اور کہاں سے ملیں گی؟)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے یوں فرمارہا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی ہر پکار کا جواب دیتا ہوں۔ اس حوالے سے یوں ارشاد باری موجود ہے کہ ''جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے۔ (میری طرف متوجہ ہوتا ہے) تو میں اس کی پکار کو سنتا ہوں۔'' (۱۸۶:۲) اللہ جل شانہ کا اپنے بندوں کی پکار سننا اور اس کا جواب دینا گویا یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبولیت بخشتا ہے۔ اور اے بندے تیرا اللہ جو رحمٰن و رحیم ہے' اس نے تو ہر حال میں رحمت کرنا اپنے اوپر فرض کر رکھا ہے کیونکہ ''وہ اللہ صاحبِ رحمت ہے''۔ (۵۸:۱۸)۔ اس لیے اے میرے بندے تجھے اس قدر بندہ نوازیاں اور رحمتوں کے سائے تیرے اللہ الرحمٰن کے سوا اور کہاں سے مل سکتے ہیں۔ جان لو کہ ''تمہارا پروردگار بلا شبہ رحمٰن ہے۔'' (۹۰:۲۰)۔

٦

بر خود نہ کنی رحم و من بر تو کنم رحمت
امید گنہگاراں غیراز کرم ما کو ؟

(اے میرے بندے تو خود اپنے آپ پر رحم نہیں کرتا لیکن میں تو تیرے لیے سراپا رحمت ہی ہوں۔ بتاؤ تو سہی ہمارے سوا گناہگاروں پر اور کون کرم کر سکتا ہے؟)۔

اے انسان تو خود بڑا ظالم ہے۔ تو تو خود اپنے آپ پر بھی ظلم کرنے سے نہیں چوکتا۔ لیکن اس کے برعکس میں تو تیرے لیے بے حد رحمت ہوں۔ اے انسان جان لے کہ تمہارا پروردگار رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہ کسی پر رحمت کرتے ہوئے اس بندے کے اعمال و افعال یا مذہب یا عقیدے کو نہیں دیکھتا۔ کیونکہ اس نے تو رحمت کرنا اپنے اوپر واجب قرار دے رکھی ہے۔

(۱۲:۶)۔ گویا اس پروردگار نے اپنے آپ پر آفاق کی تمام رحمت کو لازم کر لیا ہے۔(۶:۵۴)۔ اس لیے بندے کو اپنے پروردگار سے رحمت ہی میسر آتی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کلی رحمت نہ ہوتا تو انسانوں کے لیے تباہی اور بربادی تھی۔

⑦

بنیندہ و شنوندہ جز من کسے دیگر نہ

بے سمع و بصر چوں من بینندہ و شنوا کو ؟

(اے بندے! ہمارے سوا دیکھنے اور سننے والا اور کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اس طرح سے ہے۔ کیا سمع اور بصر کے بغیر ہماری طرح کوئی اور سنتا اور دیکھتا ہے؟)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی صفات میں سمیع وبصیر بھی ہے۔ وہ سب سے زیادہ سننے والی ذات ہے اور سب سے زیادہ دیکھنے والی ذات بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سننا اس سے پاک ہے کہ وہ انسان کی طرح کان کا اس سننے کے لیے محتاج ہو۔ اسی طرح اللہ کا بصیر ہونا آنکھ کا محتاج نہیں۔ اسی طرح اللہ کا ظاہر ہونا کسی وجود ظاہری کا محتاج نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام صفات اللہ کی خلق کردہ مخلوقات کی طرح حواس وجوارح کی نہ تو پابند ہیں اور نہ ان میں مقید ہو کر کسی کی محتاج ہیں۔ وہ سب سے زیادہ سنتا ہے اور سب سے بہتر سنتا ہے۔ اسی طرح سب سے زیادہ دیکھتا اور بہتر دیکھتا ہے۔

⑧

من اول و من ظاہر و من باطن

جملہ منم و جز من یک ذرہ تو بنما کو ؟

(میں اول بھی ہوں، میں آخر بھی ہوں، میں ظاہر بھی ہوں اور باطن بھی ہوں۔ سب کچھ میں ہی ہوں۔ میرے بغیر کوئی ہے تو دکھاؤ وہ کہاں ہے؟)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی صفات عالی میں اول، آخر، ظاہر و باطن سب کچھ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کی صفات اول اور آخر یوں آئی ہیں کہ ''وہ ایسا اول ہے جس سے پہلے کوئی اور اول نہیں اور وہ ایسا آخر ہے جس کے بعد کوئی آخر نہیں۔'' (۵۷:۳)۔ اسی طرح اللہ

تبارک و تعالیٰ کی صفات ظاہرو باطن بھی ہیں کہ ''وہ سب سے زیادہ ظاہر ہے اور سب سے زیادہ مخفی (باطن) ہے۔'' (۵۷:۳)۔ اس کی شرح یوں بھی کی جاتی ہے کہ اللہ اپنی آیات سے ظاہر اور اپنی ذات میں باطن ہے۔ یا ظاہر اس لحاظ سے کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور باطن اس لحاظ سے کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ گویا اول و آخر و ظاہر و باطن سب وہی اللہ ہی ہے۔ ان صفات عالی کا حامل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

﴿۹﴾

از غایت پیدائی پنہاں بود ایں دانم
پیدائے چناں پنہاں می گو کہ تو آیا کو ؟

(میں تو یہ جانتا ہوں کہ تو پنہاں ہونے کے باوجود بھی عیاں ہے اور اسی طرح عیاں ہوتے ہوئے بھی پنہاں ہے۔ ایسا کوئی اور ہے جو ان صفات کا حامل ہو؟)۔

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کی صفات ظاہر و باطن کے حوالے سے یوں آیا ہے کہ ''ھوالظاہر و الباطن'' (۵۷:۵)۔ اس میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تخلیقی مظاہر کی رو سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کا ظاہر ایسا ہے کہ انسانی آنکھ اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔ اور اللہ باطن یوں بھی ہے کہ وہ باطن ایسا ہے جو صفت خالقیت و ربوبیت کا مظہر ہے اور اس کی ہستی کی زندہ شہادت ہے لیکن اس کی ذات انسانی نگاہوں سے پنہاں اور مستور ہے۔ ایسی صفات کا مالک اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

﴿۱۰﴾

ذات و صفت اسمے چوں خلق بظاہر کرد
ہر کون ابد بنگر کاں مظہر اشیاء کو ؟

(جب اس اللہ نے اپنی ذات وصفات اور اپنے نام کو خلق پر ظاہر کر دیا ہے اس میں اس اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ تو پھر ابد تک مظاہر کائنات کو دیکھو کہ ان کا ظاہر کرنے والا کون ہے؟)۔

اے لوگو! اس حقیقت کو جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات اور اسماء کو

اپنی مخلوقات پر ظاہر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اس کے اسماء سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ کا ہر اسم اس کی ایک صفت ہے اور ہر صفت اس کا اسم حسنیٰ بھی ہے۔ اسی ضمن میں قرآن مجید میں یوں بھی آیا ہے کہ ''اس کائنات میں جتنے بھی اسمائے حسنیٰ یعنی حسین و جمیل نام ہیں، سب اسی کے ہیں۔'' (۱۷:۱۱۰)۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور اسماء الحسنیٰ کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ان پر مسلسل اور مدام دغور و فکر کرتا رہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کو کائنات میں کس کس طرح سے ظاہر فرما رکھا ہے۔

〈۱۱〉

اے دوست محی الدین گفت کہ اے عاشق
گر تو طلبی داری بیدارئی شبہا کو ؟

(اے دوست! محی الدین یہ کہتا ہے کہ اے عاشق! اگر تم اس اللہ کی طلب رکھتے ہو تو پھر تمہاری راتوں کی بیداری کہاں ہے؟)۔

اے دوست! یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ جل شانہ کو بندے کا راتوں کو اٹھ کر عبادت کرنا اور راتوں کی گریہ وزاری بے حد مرغوب ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے صلوٰۃ الفجر سے پہلے اور صلوٰۃ العشاء کے بعد کے وقت کو بالخصوص تمہاری خلوت کے اوقات قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے رات کو تہجد نماز ادا کرنے کے لیے بھی فرمایا کہ یہ نفلی عبادت ہے۔ (۱۷:۷۹)۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں ایسے حالات پیدا فرما دیتا ہے کہ جن کے باعث ان میں عجز اور تضرع پیدا ہو۔ (۷:۹۴)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تو مومن مردوں اور عورتوں کی خاص صفت خاشعین اور خاشعات بھی بتاتا ہے۔ (۳۳:۳۵)۔ راتوں کی گریہ وزاری بارگاہ احدی میں بہت مقام اور مرتبہ رکھتی ہے اور وہی دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہی ہوتا ہے تو اس لیے اے عاشق صادق تو آہ صبحگاہی اپنا لے۔ طلب حق کی راہ میں اس کی بہت اہمیت ہے۔

# غزل ۷۴

۱

نداریم گرچہ آں دیدہ کہ بینم در جمال تو
نیم نومید چوں عمرم گذشت اندر خیال تو

(اگر چہ میں وہ آنکھیں نہیں رکھتا کہ جن سے تیرے جمال کا نظارہ کرسکوں؛ لیکن تیرے خیال ہی میں میری عمر گزری ہے اس لیے میں نا امید نہیں ہوں)۔

انسان اس حقیقت سے باخبر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بابرکات ایسی ہے کہ اس کی مثال بھی کوئی نہیں ہے۔ اس لیے اسے کسی مثال سے بھی نہیں سمجھایا جاسکتا۔ شاعر اپنے بارے میں بتارہا ہے کہ اگر چہ میری وہ آنکھیں نہیں جو اللہ کے حسن و جمال کا نظارہ کرسکیں۔ لیکن اس کے باوجود میں تیرے خیال سے غافل نہیں ہوں۔ قرآن مجید نے اسی حوالے سے فرمایا ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے کہ ''انسانی چشمان ظاہر اس کا ادراک وتماشا نہیں کرسکتیں اور اسے انسانوں کی آنکھوں کی نارسائی کا پورا پورا ادراک ہے۔'' (۶:۱۰۳)۔ لیکن اے میرے پروردگار میری ساری عمر تیرے ہی خیال اور اسی امید میں گزری ہے کہ تیرے حسن و جمال کا نظارہ کرسکوں گا۔

۲

تو جنت را بہ نیکاں دہ' من بدرا بہ دوزخ بر
کہ بس باشد مرا آنجا تمنائے وصال تو

(اے خدا! تو اپنے نیک بندوں کو جنت عطا فرمادے۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن مجھ گناہگار کو دوزخ میں لے جا۔ میرے لیے وہاں تیرے وصال کی تمنا ہی کافی ہے)۔

اے میرے پروردگار' اے میرے محبوب! جن لوگوں نے نیک اعمال کیے ہیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں تو انہیں جنت عطا فرمادے۔ لیکن میری یہ التجا ہوگی کہ اے خدا! میں بہت گناہگار

ہوں۔ اس لیے تو مجھے دوزخ میں لے جا۔ میں دوزخ کو آسانی کے ساتھ جھیل سکوں گا کیونکہ مجھے وہاں پر تیرے وصال اور نظارہ جمال کی امید ہوگی۔ اس امید میں اور تیری طلب میں مجھے دوزخ بھی عزیز ہوگا۔ میں اسی امید پر اس دوزخ میں جانا پسند کرلوں گا۔

(۳)

من دیوانہ در دوزخ بہ زنجیر تو خوش باشم
اگر یک بار پرسی تو کہ مجنوں! چیست حال تو

(میں دیوانہ ہوں دوزخ میں پڑا ہوا' تیری زنجیر میں جکڑا ہوا خوش رہوں گا' صرف اگر تو مجھے دوزخ کے اندر ہی ایک بار ہی اتنا بوجھ لے کر اے میرے مجنوں! تم کس حال میں ہو؟)۔

اے میرے اللہ! میں تیرے عشق میں جکڑا ہوا ہوں۔ تیرے عشق کے سوا مجھے دوزخ یا جنت کی نہ تو پرواہ ہے اور نہ خبر ہے۔ اسی لیے میں اب دیوانگی کی حالت میں دوزخ میں پڑا ہوا ہوں۔ میں دوزخ میں یونہی نہیں پڑا ہوا بلکہ میں دیوانہ ہونے کی وجہ سے زنجیروں میں بھی جکڑا بندھا ہوا ہوں۔ اے خدا! میں اپنی اس حالت میں بھی بے حد خوش ہوں' بشرطیکہ تو مجھے اسی حالت میں ایک ہی بار پوچھ لے کہ اے میر دیوانے' میرے عاشق! تیرا کیا حال ہے۔ اس شعر میں مجنوں اور اس کی دیوانگی اور پھر زنجیروں میں جکڑا ہوا ہونا' مجنوں کا صحیح نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اور سچے عشق کی انتہا کو ظاہر کیا گیا ہے۔

(۴)

چوں بوئے عشق تو آید زمغز استخوان من
بسو زاند میرا آتش زعشق آں جمال تو

(جس وقت میری ہڈیوں کے مغز سے تیرے عشق کی خوشبو آئے گی اس وقت تیرے جمال کی آگ مجھے جلا کر رکھ دے گی)۔

اس شعر میں عشق کی ایک بہت بلند سطح کی بات کی جارہی ہے کہ جس وقت عشق الٰہی بندے کی ہڈیوں میں بھی رچ بس جاتا ہے۔ یہ عشق کی انتہائی وارفتگی کی حالت ہوتی ہے کہ

جس عاشق کے رگ و پے اور ہڈیوں اور ہڈیوں کے گودے تک میں عشق سما جاتا ہے۔ گویا جب عشق کی یہ حالت ہوتی ہے تو اس وقت تیرے حسن و جمال کی طلب کی آگ مجھے جلا کر بھسم کردے گی۔ جس قدر عشق کی شدت ہوتی ہے' اس کا درد اور آتش عشق اتنی ہی شدید اورالم ناک ہو جاتی ہے اور عاشق جس قدر زیادہ عشق میں چلا جاتا اسی قدر زیادہ اس کی طلب اور وارفتگی ہوتی جاتی ہے۔

۵

تو شربت ہائے جنت را بما تا کے دہی رضوان
نشد کم تشنگی مارا ز آب ایں زلال تو

(اے رضوان! تو ہمیں کب تک جنت کے مشروب دیتا رہے گا۔ تیرے ان ٹھنڈے شربتوں سے ہماری پیاس نہیں بجھ سکتی)۔

اے میرے پیارے داروغہ جنت! تیرے جنت میں طرح طرح کے میٹھے' شیریں' لذیذ اور فرحت بخش اور خوب طرح سے سیراب کرنے والے مشروبات ہیں۔ جن میں پھلوں کے رس' شہد' دودھ اور زنجبیل والے طرح طرح کے شربت موجود ہیں۔ خوشبوؤں اور مشک والے جام بھی ہیں۔ لیکن اے منتظم جنت! مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری طلب اور پیاس جو عشقِ الٰہی میں لگی ہے' اسے یہ نہیں بجھا سکتے۔ میری پیاس بجھانے کے لیے یہ ٹھنڈے میٹھے پانی کسی فائدے کے نہیں ہیں۔ میری پیاس شربت دیدار الٰہی سے بجھے گی۔

۶

میارا روئے حورعین کہ سرمستاں آنحضرت
جمال حق ہمی بینندز زلف و خط و خال تو

(اے حور عین! اپنے چہرے کو آراستہ و پیراستہ نہ کر۔ جان لو کہ جو اللہ کے مست ہیں انہیں تمہاری زلفوں اور خد و خال میں جمال حق دکھائی دیتا ہے)۔

اے خوب رو اور موٹی آنکھوں والی حورو! تم اپنی تزئین و آرائش کی خاطر اپنے چہرے کو کیوں آراستہ و پیراستہ کرتی ہو۔ تمہارا حسن و جمال تو اس تزئین و آرائش اور زیب و زینت

کے بغیر ہی قدرتی طور پر بہت لاجواب اور بے مثال ہے۔ تمہیں تو تمہارے خالق و مالک نے پہلے ہی خوب حسن و جمال دے رکھا ہے۔ ہم کہ جو اللہ کے مست ہیں' اس ذات حق کے حسن و جمال سے بے خود اور مخمور ہو چکے ہیں' اے حورو! ہمیں تمہاری زلفوں اور چہرے مہرے اور شکل وصورت میں اسی اللہ کا حسن و جمال نظر آتا ہے۔

(۷)

مگر پردہ بہ اندازی ز پیش چشم مشتاقان
وگرنہ کے تواں دیدن جمال باکمال تو

(تو شاید اپنے مشتاقان کی آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دے گا۔ یہ پردہ ضرور تا ہوگا۔ کیونکہ پردے کے بغیر تیرا جمال دیکھنے کی کون تاب لاسکتا ہے)۔

اے ہمارے پروردگار! تیرے حسن و جمال کو تیرے عاشق اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی ہرگز تاب نہیں لاسکتے۔ بقول قرآن مجید انسانی چشماں ظاہر اس کا ادراک و تماشا نہیں کرسکتیں۔ انسانوں کی آنکھیں اس کے جلوے کے لائق ہی نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انوار الٰہی کی تجلی کی تاب نہیں لاسکے تھے اور وہ بے ہوش ہو کر رہ گئے تھے۔ (۷:۱۴۳)۔ اسی پس منظر میں شاعر کہتا ہے کہ آنکھوں پر پردہ لٹکائے بغیر کوئی تیرے جمال باکمال کو دیکھنے کی ہرگز تاب نہیں لاسکے گا۔

(۸)

بہ مالک گویم اے مالک چناں اللہ خواہ گفت
کہ از اللہ من سوزد جہنم با سگال تو

(میں دوزخ کے فرشتے مالک سے کہوں گا اس سے اجازت طلب کروں گا کہ اے مالک میں اس طرح سے اللہ کہنا چاہتا ہوں کہ تیرے اندیشہ وخیال کے ساتھ جہنم بھی جل کر رہ جائے)۔

ایک اللہ کا عاشق یوں بتا رہا ہے کہ دوزخ کا جو دربان فرشتہ جس کا نام مالک ہے' میں اس سے یوں کہوں گا کہ اے مالک! داروغہ جہنم' مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے مالک و خالق

اور محبوب حقیقی اللہ جل شانہ کے نام کا نعرہ اس دوزخ میں اس طرح سے بلند کروں کہ اسے سن کر جہنم کا بھی سینہ چاک ہو جائے اور وہ جہنم بھی میرے ہی قلب کی طرح جل اٹھے۔ گویا اس طرح عاشق صادق اپنے عشق کی آگ کا بیان کرنا چاہتا ہے اور بتاتا ہے کہ میرے عشق کی آتش تو جہنم کی آگ سے بھی کئی گنا زیادہ شدید اور المناک ہے۔

۹

جگر ہائے کباب مانگردد تا ابد سراب
مگر ساقی شود مارا خدائے ذوالجلال ما

(ہم عاشقوں کے کباب شدہ جگر ابد تک سراب نہ ہوں گے کہ جب تک خدئے ذوالجلال خود ہمارا ساقی نہ بنے گا)۔

اے واعظ! ہم عاشقان حقہ' سدا سدا کے سوختہ جگر ہیں۔ ہم سب کے جگر آتش عشق الٰہی میں جل کر کباب ہو چکے ہیں۔ اس لیے ہمارے سوختہ جگریوں ہی سیراب نہیں ہو سکتے۔ ہمارے جگر جس آتش عشق میں جل بھن کر ازل سے اب تک کباب ہوئے ہے وہ ابد تک سیراب نہیں ہو سکتے کہ جب تک ہمیں ہمارا خدائے ذوالجلال خود ساقی بن کر یہ سیرابی نہ کرے۔ بصورت دیگر ابد تک ہماری سیرابی اور سرسبز و شادابی ممکن ہی نہیں ہے۔

۱۰

بہ دوزخ گر زمن پرسی کہ چونی محی در آتشیں!
شوم من تا ابد مست و کنم رقص از سوال تو

(اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے نار جہنم کے اندر بھی پوچھے گا کہ اے محی الدین! یہاں آگ میں کیسے وقت گزر رہا ہے؟ تو میں اس استفسار کی خوشی میں ابد تک رقص کرتا ہوا مست رہوں گا)

اے میرے مالک و خالق پروردگار! اپنے گناہوں کی پاداش میں اگر میں جہنم میں چلا گیا تو تو جب از راہ لطف و کرم کبھی ہم سے دریافت فرمائے گا کہ اے محی الدین! اس دوزخ کے اندر تم کیسے وقت گزار رہے ہو؟ تو میرے لیے تیرا یہی استفسار ایک بہت بڑی نعمت اور دولت

ہو گی۔ تیرے اسی استفسار پر میں شاداں و فرحاں ہو جاؤں گا اور پھر ابد تک شراب استفسار کے خمار سے سرشار رہوں گا۔ اس کے بعد میں بے خودی میں مدام مستی میں رقصاں رہوں گا۔

# غزل

(۱)

افسر شاہی نخواہم خاک پائے یار کو ؟
بال خود بشکن ہما آں سایہ دیوار کو ؟

(مجھے تاج شاہی نہیں چاہیے۔ اس تاج کی میرے نزدیک کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہے۔ میرے یار کے پاؤں کی خاک کہاں ہے؟ اے ہما! تو اپنے پروں کو توڑ دے' مجھے تیرے پروں کے سایہ کی ضرورت نہیں' وہ سایہ دیوار کہاں ہے؟)۔

مجھے کسی منصب اور اقتدار کا شاہی تاج ہرگز نہیں چاہیے۔ میرے لیے تو میرے یار کے پاؤں کی خاک دنیا کی ہر سلطنت اور ہر شاہی تاج سے افضل ہے۔ اے ہما! مجھے تیرے سائے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری بلا سے تو اپنے پروں کو توڑ دے۔

مجھے خوش بختی بھرے تیرے پروں کا سایہ نہیں چاہیے۔ میرے لیے تو سب سے زیادہ خوش بختی بھرا میرے محبوب کی دیوار کا سایہ ہوگا۔ یاد رہے ہما ایک مشہور خیالی پرندہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ اس روایتی پرندے کے حوالے سے یہ شعر خوب ہے۔

(۲)

سرو را گیرم کہ دارد باقد او نسبتے
آں گل رخسارہ و آں شیوہ رفتار کو ؟

(چلیے فرض کر لیتے ہیں سرو کو اس کے قد و قامت سے کچھ نست ہے۔ سرو بھی سیدھا اور لمبا ہوتا ہے۔ مگر وہ محبوب گل رخسار اور خوب صورت رفتار والا دلربا تو اور ہی بات ہے)۔

سرو جو سدا بہار' سیدھا' لمبا اور مدام سرسبز و شاداب رہنے والا بلند قامت درخت ہے' اس اعتبار سے مان لیتے ہیں کہ میرے محبوب کے قد و قامت سے نسبت ہے۔ یہ تو محض ظاہری

اور اتفاقی نسبت ہے۔ میرے محبوب کا جو پھولوں سے بھی حسین چہرہ اور شاندار لب و رخسار ہیں' ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے اور پھر اسی طرح کون ہے جو میرے حبیب کی دلکش اور پر وقار اور پر ناز چال کی مثال پیش کر سکے۔ سرو بے چارہ تو ایک جامد و ساکن جذبات و احساسات سے عاری ہے۔ اسے میرے محبوب سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

(۳)

در ہماں گیرم کہ گل بار آرد و جنبد زباد
آں تبسم کو وآں شیریں لب و گفتار کو ؟

(یہ ٹھیک ہے کہ پھول سے پھل بن جاتا ہے اور پھول ہوا سے لہراتا بھی ہے مگر میرے محبوب کی سی مسکراہت کہاں اواس کے رسیلے لبوں کی اور گفتار کی مٹھاس کہاں؟)۔

مانا کہ پھول کے بعد اسی پھول میں سے پھل بن جاتا ہے جو شیریں اور لذیذ بھی ہوتا ہے اور وہ جو پھول ہوتا ہے' وہ بھی جب تک پھول رہتا ہے ہوا میں خوب لہراتا اور خوشبوئیں پھیلاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ قدرت نے جو مسکراہٹ اور تبسم میرے محبوب کو بخش رکھا ہے۔ وہ اس پوری کائنات میں کسی اور کے پاس کب ہو سکتا ہے' اس کا جواب یا مثال کہیں اور سے کب مل سکتی ہے۔ اس پر مستزاد میرے محبوب کے وہ شیریں لب' خوشگوار لب' ان رس بھرے لبوں کی خوش گفتاری اور سریلا پن کسی اور میں کہاں ہو سکتا ہے۔ ایسی خوش نوائی اور فصاحت کہاں مل سکتی ہے!

(۴)

دیدہ آہو اگرچہ دلفریب آمد ولے
آں کرشمہ کردن و آں غمزہ خونخوار کو ؟

(ہرن کی آنکھیں بجا' خوب صورت اور دلفریب ہوتی ہیں' مگر میرے محبوب کا عشوہ و ناز اور غمزہ خونیں اور ہی بات ہے!)۔

ہرن کی خوب صورت' لمبی' تپلی اور قدرتی طور پر سرمیلی آنکھیں اگرچہ بے مثال اور دلفریب ہوتی ہیں۔ ان آنکھوں میں ایک حسین نشہ اور خمار سا بھی دکھائی دیتا ہے جو آنکھوں کو

اور بھی رعنا اور دلکش بنا دیتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جو حسن و خوبی زیب و زینت اور ناز و انداز میرے محبوب کی آنکھوں کا ہے اس کا جواب لانا محال ہے۔ میرے محبوب کی آنکھوں کا خونی غمزہ، ناز نخرہ، عشوہ اور معشوقانہ انداز کسی اور کے ہاں ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ ہرن بے چارہ تو اپنی معصوم آنکھوں سے کیا کر سکے گا جو میرے محبوب کا غمزہ خونیں کر سکتا ہے!

۵

وصل اور دشوار بے او زندگی دشوار تر
مردن زخم ہم ننگ ست، پائے دار کو؟

(اس محبوب کا وصال بمشکل ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے بغیر زندگی کرنا تو مشکل ترین کام ہے۔ بے زخم مرجانا موجب شرم ہے، بتایئے کہ تختہ دار کہاں ہے مرجانے کے لیے)۔

محبوب کا وصل نصیب ہو، یہ تو ایک واہمہ ہے، راہ میں ہزاروں دشواریاں، مشکلات اور گھاٹیاں موجود ہیں لیکن کیا کیا جائے وصال یار کے بغیر زندگی بسر کرنا تو اور بھی دشوار تر ہے۔ زندگی گزر ہی نہیں رہی اس محرومی اور ہجر و فراق میں۔ اس زندگی سے تو مرجانا بہتر ہے۔ لیکن مرا بھی نہیں جا سکتا اور پھر بے سبب اور بغیر کسی زخم کے مرجانا اور بھی باعث شرم امر ہے۔ اے دوست! بتاؤ، وہ تختہ دار کہاں ہے تاکہ اسی پر چڑھ کر اپنی زندگی ختم کر لیں۔ لوگ منصور کی طرح یاد تو کریں کہ کسی نے خود سولی پر چڑھ کر ہنستے ہوئے جان دے دی۔

۶

اے خوش آں عاشق بہ عشق خوش بشناسند یار
وصل و ہجر آنجا نہ نگنجد یار کو؟ اغیار کو؟

(اے خوش نصیب عاشق تو اچھا ہے جو اپنے عشق و مستی میں بھی اپنے یار کو پہچان لیتا ہے۔ ورنہ تو عشق و مستی کی شدت میں وصل، ہجر اور یار غیر یار کا بھی امتیاز نہیں رہتا)۔

اے میرے خوش بخت دوست تو بڑا ہی باخبر اور صاحب عقل و فرد عاشق ہے۔ اسی لیے تو اپنے عشق و مستی اور جذب و سرشاری کی حالت میں بھی اپنے یار کو خوب پہچان لیتا ہے۔

ورنہ ہماری حالت تو شدت عشق و مستی میں ایسی ہو جاتی ہے کہ ہمیں نہ وصال کی طلب و راحت کی خبر ہوتی ہے اور نہ ہجر و فراق کی اتھاہ گہرائیوں کی پرواہ ہوتی ہے۔ اس وقت صبح و شام اور اپنے بیگانے کسی کی نہ تو خبر ہوتی ہے اور نہ ہوش باقی رہتا ہے۔ ایسی حالت اور کیفیت میں تو یا اور غیر یار کی تمیز کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

(۷)

جاں فدایت باد دارد ہر خبر آں تند خو
باز پرسد از رقیباں محی دل افگار کو ؟

(میری جان تجھ پر فدا ہو میرے تند خو محبوب کو میری ہر حالت اور بات کی خبر ہوتی ہے۔ پھر بھی وہ رقیبوں سے پوچھتا پھرتا ہے کہ زخمی دل والا محی الدین کہاں ہے)۔

میرے سخت گیر اور میری جان کے دشمن میرے محبوب سے میری کوئی حالت اور کوئی کیفیت پوشیدہ نہیں ہوتی۔ وہ میری ہر حالت سے باخبر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ مجھ پر یہ سب کچھ ظاہر نہیں کرتا۔ ایک تو وہ مجھے اس خوشی سے محروم رکھتا ہے اور اس پر مستزاد وہ میرے رقیبوں سے میرے بارے میں استفسار کرتا ہے کہ وہ جو دل فگار محی الدین ہے، جس کا دل شدید زخمی ہے، وہ کیسا ہے اور کس حال میں رہ رہا ہے۔ یہ بھی میرے تند خو ظالم اور سخت گیر محبوب کی ایک ادائے دلربائی ہے۔

## ردیف: ء

## غزل ۴۶

(۱)

من کئیم رسوائے شہر و عاشق دیوانۂ
آشنا با ہر غم و از خویشتن بیگانۂ

(میں کیا ہوں، رسوائے شہر اور دیوانہ عاشق ہوں۔ اگرچہ ہر غم سے آشنا ہوں لیکن اس

کے باوجود اپنے آپ سے بیگانہ ہوں)۔

اے دنیا والو! میں اپنے بارے میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کون ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں اس شہر میں سب سے زیادہ رسوائے زمانہ ہوں۔ عاشق نامراد اور طالب ناصبور ہوں' یہی نہیں بلکہ میں دیوانہ سودائی اور مجنوں کی طرح بدنصیب خبطی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں عشق میں ہر غم اور دکھ درد سے بخوبی واقف ہوں۔ سب طرح کے غموں کی اور مصائب و آلام کی میں ہی آماجگاہ ہوں۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنے آپ سے بیگانہ ہوں۔ میں اپنے آپ سے ناواقف' اجنبی اور غیر ہوں' میری یہ حالت میرے عشق ہی سے ہوئی ہے۔

(۲)

ہم شوم شاد از غمش کر در دلم منزل گرفت

ہم شوم شاد از غمگین کہ اوجا کرد در ویرانہ

(میں اس کے غم سے اس لیے خوش ہوں کہ وہ میرے دل میں رہتا ہے۔ وہ میرے بڑا ہی قریب ہے۔ اس کے باوجود میں غمگین ہوں کہ اس نے تو ایک ویرانہ کو اپنا گھر بنا رکھا ہے)۔

اے لوگو! میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی اور کیا بات ہے۔ اس لیے اس کے غم نے میرے لیے دل کے اندر اپنی منزل بنا رکھی ہے۔ اس لیے اس کا غم میرے لیے موجب خوشی بنا ہوا ہے۔ اس صورت میں بھی میں بڑا غمگین اور دکھی ہوں کہ اس نے جہاں پر اپنا قیام رکھا ہوا ہے۔ یعنی میرا دل جو اس کا مسکن ہے۔

وہ تو سراسر ویرانہ ہے۔ میرا دل تو غیر آباد' ویران اور اجاڑ ہے۔ اس لیے اب یہی دکھ ہے کہ میرا محبوب میرے ویران اور غیر آباد دل میں رہتا ہے۔

(۳)

ترک شہر آشوب من درکشوے منزل نہ کرد

تانہ کرد اول غمش صد رخنہ در ہر خانہ

(میرا محبوب شہر آشوب کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے وہ کبھی ایسے گھر میں نہیں رہتا کہ

جب تک اس کا غم روز اول ہی گھر میں سینکڑوں سوراخ اور روزن نہ بنادے)۔

ایک حدیث شریف میں اس طرح سے بھی آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شکستہ دلوں میں رہتا ہے۔ اسی لیے شاعر کہتا ہے کہ میرا محبوب بھی ایسے گھر میں ٹھکانہ نہیں کرتا جو شکستہ اور ٹوٹا ہوا نہ ہو۔ یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ میرا محبوب ایسا ہے کہ وہ کبھی اس گھر میں نہیں رہتا جو غموں اور مصائب وآلام کا مرکز نہ ہو۔ میرا محبوب جس بھی گھر میں رہتا ہے اس میں وہ سینکڑوں سوراخ اور روزن بنا دیتا ہے۔ گویا تصوف کی رو سے محبوب کو صرف شکستہ دل ہی پسند اور مرغوب ہوتا ہے۔

(۴)

گہہ گیاہ درد روید از دلم گہہ خار غم

من بہ حیرت کیں ہمہ گل چوں دہد از ہر دانہ

(میرے دل میں کبھی درد کی گھاس اور کبھی غم کے کانٹے اگتے ہیں۔ اس سے میں حیران ہوں کہ ایک دانے سے ہمہ قسم پھول کس طرح سے اگ آتے ہیں)۔

میرے دل کی کھیتی بھی بڑی عجیب وغریب ہے۔ اس میں کبھی تو درد الم اور دکھ اور کرب کی گھاس اگ آتی ہے اور کبھی سخت اور تیز نوکیلے کانٹے اگ پڑتے ہیں۔ یہ کانٹے غم' افسوس' ملال' رنج اور آزردگی کے ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں میں حیران ہوتا ہوں کہ یہ ایک ہی دانے سے کئی قسم کے پھول اور کانٹے کس طرح سے اور کیسے پھوٹ پڑتے ہیں۔ گویا اصل میں یہ ہمارے غم عشق ہی کی طرح طرح کی اور رنگ برنگ کیفیتیں ہیں جو ایک ہی دانے میں سے نمو پا کر علیحدہ علیحدہ طور پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یعنی کبھی درد کی گھاس اور کبھی غم کے کانٹے اُگ آتے ہیں۔

(۵)

من خورم خون دل و خود رابہ مستی می دہم

تا کنم گستاخ پیش ایں نالۂ مستانہ

(میں اپنے دل کا خون پیتا ہوں یہی میری غذا ہے۔ اور پھر مستی میں چلا جاتا ہوں

تا کہ میں مستانہ وار اپنے نالے کو گستاخ و بے ادب کر کے اس کی خدمت میں پیش کر سکوں )۔

اے دوست! میں اس ذات باری کے عشق میں عاشق زار ہوں۔ سدا غم عشق میں پڑا رہتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں ہمہ وقت اپنے ہی دل کا خون پیتا رہتا ہوں اور پھر اس سے میں اپنے آپ کو مستی کے حوالے کر دیتا ہوں۔ یہ مستی مجھے مستانہ دیوانہ کیے رکھتی ہے۔ اور پھر اس دیوانگی اور مستی میں میرا میرے نالوں' آہوں اور شور و غوغا پر کوئی اختیار نہیں رہتا۔ میرے نالے اور شور و غوغا گستاخ اور بے ادب ہو کر نفاست کی سب حدوں کو عبور کر جاتے ہیں۔ اے دوست میری اس حالت پر میرا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اسی حالت میں اپنے محبوب کے سامنے پیش ہو جاتا ہوں۔

(۶)

گفتہ محی کہ باشد تادم از عشقم زند
در طلب فرزانہ و در عاشقی مردانۂ

( محی الدین کی کیا باتیں ہیں! کہ وہ تو ہمارے عشق کا دعوی رکھتا ہے۔ وہ واقعی اپنی راہ طلب میں فرزانہ اور میدان عاشقی میں جوانمرد اور باہمت ہے )۔

محی الدین کی باتیں اور اس کا کلام کیا خوب ہے۔ وہ اس ذات حق سے اپنے عشق کا دعویٰ رکھتا ہے کہ جو ذات بے ہمتا ہے۔ وہ اس کا خالق و مالک اور رب الرحیم ہے۔ اے لوگو! وہ اپنے عشق میں صادق اور پر خلوص ہے۔ اپنی راہ طلب و عشق میں وہ بڑا دانا' عقل مند اور ہوشیار اور زیرک ہے۔ تمام امور کو وہ خوب سمجھتا ہے اور اسی لیے وہ اپنے راہ عشق اور میدان عاشقی میں بڑا جوانمرد' بہادر اور باہمت شخص ہے۔ اس لیے وہ خوب باتیں کرتا ہے۔

## ردیف: ی

# غزل ۷۷

۱

بگوئی ایں دل سنگیں کشد جور و جفا تا کے؟

کجائے لذت شادی غم و درد و بلا تا کے؟

(یہ تو بتا دیں کہ میرے دل کا پتھر تیرے جور و جفا کب تک برداشت کرتا رہے گا۔ خوشی کی لذت کہاں گئی، یہ غم اور درد و بلا کب تک رہیں گے)۔

اے میرے محبوب! میں ایک مدت سے تیرے عشق کے غم میں ہوں، میرے دل کا پتھر تیرے جور و جفا صدیوں سے برداشت کرتا آ رہا ہے، جور و جفا کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ کیا یہ کب ختم بھی ہوگا نہیں! وہ کبھی جو خوشی کی کبھی کبھار، تھوڑی بہت لذت میسر آتی تھی، اب وہ کیا ہوئی۔ اب تو صدا کے درد و الم ہیں۔ میری مصیبتیں، آفات اور سختیاں کب کم ہوں گی، کیا ان کی کبھی انتہا ہے کہ نہیں ہے۔

۲

شدم بیگانہ از خویش و نگشت او آشنا بامن

کند بیگانگی چندیں بمن آں آشنا تا کے؟

(میں اپنے آپ سے بیگانہ ہو چکا ہوں، لیکن اس کے باوجود میرا محبوب میرا نہ بن سکا۔ نہ جانے وہ میرے ساتھ یہ بیگانگی کب تک اختیار کیے رکھتا ہے)۔

میں اپنے محبوب کے عشق اور غم عاشقی میں اپنے آپ سے بیگانہ ہو چکا ہوں، مجھے اپنی کوئی خبر نہیں ہے کہ میں کیا ہوں، کہاں ہوں اور میری منزل مقصود مجھے ملتی بھی ہے کہ نہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ میرا حبیب میرا نہیں بن سکا۔ میں جس کی وجہ سے اپنے آپ سے بیگانہ ہوا ہوں اس نے تو سدا کی بیگانگی اور لاتعلقی ہی اختیار کر رکھی ہے۔ وہ تو مجھ سے بے سرد کار

ہے۔ کون جانے اس کی یہ بیگانگی اور خودروی کب تک جاری رہتی ہے اور اس کے مجھ پر ظلم و ستم کب تک جاری رہتے ہیں۔

(۳)

بکن قصدے چوں من در رہ فتادہ از برائے تو
زحد بگذشت مشتاقی نیائی سوئے ما تا کے ؟

(میں آپ کی راہ میں دیدار کے لیے گرا پڑا ہوں۔ کرم کیجئے اور مہربانی سے اس طرف آ جائیں۔ میرا شوق حد سے گذر چکا ہے' آپ کب تک ہماری طرف نہیں آئیں گے؟)۔

اے میرے محبوب! میں آپ کے دیدار و نظارہ کے لیے آپ کی راہ پر پڑا ہوا ہوں۔ میں اسی انتظار میں ہوں کہ آپ اس طرف کب آتے ہیں۔ میں بہت لمبا اور جان لیوا انتظار کھینچ رہا ہوں۔ میں سراپا امیدوار دیدار بنا ہوا ہوں۔ بس اب تو یہی درخواست ہے کہ اب آپ آ ہی جایئے۔ کیونکہ میرا شوق حد سے گزر چکا ہے۔ آپ کب تک ہماری طرف نہیں آئیں گے۔ ہمارا شوق تو آپ کے انتظار میں حدود فراموش ہو چکا ہے۔

(۴)

دلم طاقت نمی آرد تو ہم انصاف پیش آور
ز تو جور جفا چندیں زمن مہرو وفا تا کے !

(میرے دل میں برداشت کی مزید طاقت نہیں ہے۔ آپ خود ہی انصاف کریں آپ کب تک جور و جفا کرتے رہیں گے اور میں کب تک مہر و وفا نبھاتا رہوں گا)۔

اے میرے حبیب! میں تیرے عشق اور جدائی میں مدت مدید سے تکالیف اور صدمات برداشت کر رہا ہوں' اس لیے اب میرے دل میں ہجر و فراق کو برداشت کرنے اور انتظار کی مزید سکت نہیں رہی ہے۔ اس صورت حال میں آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ آپ اپنے یہ جور و ستم اور ظلم و الم کب تک روا رکھیں گے۔ مجھے کب تک اپنی جفاؤں اور کج اداؤں کا شکار رکھیں گے۔ اور پھر آپ مجھ سے میری عشوہ برداریوں اور مہر و وفا کی کب تک امید رکھیں گے۔

۵

بر و اے جاں! ازاں گلزار بوئے سوئے من آور
کشیدن منت بسیار از باد صفا تا کے ؟

(اے میری جان! جاؤ اور تم خود اس باغ کی خوشبو میرے پاس لے آؤ۔ ہم کب تک باد صبا کا احسان اٹھاتے رہیں گے؟)۔

اے میری جان! بہت ہو چکا کہ باد صبا کے بے شمار احسانات ہیں' باغ کی خوشبوؤں کو سدا وہی ہمارے پاس لے کر آتی ہے۔ تم کب تک اس کی منت کش رہو گی۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم خود اس مقصد کے لیے گلستان میں جاؤ اور خود ہی باغ کی خوشبو کو اپنے پاس لے کر آؤ۔ کیونکہ وہ خوشیوں کا ڈھیر جو غیروں کا مرہون منت ہو' اس کی نہ تو خوشبو ہوتی ہے اور نہ اس چاہت کی چاشنی ہوتی ہے۔ اس لیے اے میری جان! تم اپنے لیے خود ہی اپنی خوشیاں پیدا کرو۔

۶

کشائی تو قبا تا من بیا سائم زعمر خود
گرہ در دل مرا باشد ازاں بند قبا تا کے ؟

(آپ اپنی قبا کھول دیں تا کہ میں اپنی زندگی کے ہاتھوں سکھی ہو جاؤں۔ میں آزاد ہو جاؤں۔ اس بند قبا کی گرہ کب تک میرے دل میں پڑی رہے گی؟)۔

اے میرے محبوب! تمہاری یہ قبا ہمارے لیے ایک بہت بھاری پردہ بنی ہوئی ہے۔ اسے کھول کر تم کب اس میں سے باہر آؤ گے اور دبیز پردوں میں سے ہٹ کر کب اپنا جلوہ دکھاؤ گے۔ تمہاری قبا کے بندوں اور گرہوں ہی سے ہمارا دل بھی جکڑا اور بندھا ہوا ہے۔ جب آپ اپنی قبا کھولیں گے تو اس سے ہمارے دل کو بھی آزادی اور آسودگی میسر آئے گی۔ بند قبا کے باعث میری زندگی مقفل ہو چکی ہے۔ اس کا قفل آپ کی بند قبا کی گرہ کھلنے کے ساتھ ہی کھلے گا۔

⑦

گر او را کشتنی باشد مکش ورنہ کن آزادش
بود در دست تو محیؔ اسیرو مبتلا تا کے

(اگروہ لائق قتل ہے تو اسے قتل کر دو ورنہ اسے آزاد کر دو۔ تم اپنے ہاتھوں میں محی الدین کو کب تک اسیر اور مصائب میں مبتلا رکھو گے؟)۔

اے میرے محبوب! تو نے مجھے اپنے عشق میں قید کر رکھا ہے۔ اس قید میں پڑا ہوا میں نہ مرتا ہوں اور نہ زندہ ہوں۔ اے میرے حبیب! اگر تو میں واجب القتل ہوں اور لائق قتل ہوں تو مجھے تم بلا تکلف اور بلا تامل قتل کر دو۔ اور اگر میں واجب القتل نہیں ہوں تو مجھے پھر آزادی بخش دی جائے۔ میری موت اور میری حیات اب تیرے ہی ہاتھوں میں ہے' مجھے ہر فیصلے پر خوشی ہوگی۔ لیکن اگر تم مجھے اسی طرح اپنے ہاتھوں میں قید اور اسیر رکھو گے تو میں مبتلائے رنج والم رہوں گا۔

## غزل ۷۸

①

ایں دل پر درد ما گر غم گسارے داشتے
با بلا خوش بودے دور غم قرارے داشتے

(اگر ہمارے پر درد دل کا کوئی غم گسار ہوتا تو یہ دل مصیبت اور بلا پر خوش ہوتا۔ اسے کوئی غم اور دکھ درد نہ ہوتا اور غم کی حالت میں کچھ قرار حاصل ہوتا)۔

اے دوست! ہمارا دل درد سے معمور ہے۔ یہ دل درد میں درد دل میں رچا بسا ہوا ہے۔ دونوں غم اور دل ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہو چکے ہیں۔ اس صورت حال میں اگر ہمارے درد دل کا کوئی غم گسار ہوتا' کوئی ہمدرد اور غم خوار ہوتا تو ہمارا یہ دل اپنے اس درد و الم پر اور بھی زیادہ خوش ہوتا' اسے یہ تو ایک آسرا ہوتا کہ کوئی اس کے دل کے درد کو سمجھنے اور جاننے والا موجود ہے اور اس سے میرے غم اور میری مصیبتوں میں بھی ضرور کچھ کمی واقع

ہوتی۔اور یوں میری بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو جاتی۔

﴿۲﴾

نام مجنوں در جہاں ہرگز نبودے ایں چنیں
گر چناں بودے کہ چوں من یادگارے داشتے

(مجنوں کا نام ہرگز جہاں میں مشہور نہ ہوتا اگر وہ ہمارے جیسے یادگار محبوب کا عاشق ہوتا)۔

بتایا جارہا ہے کہ مجنوں کا نام اس دنیا جہاں میں اس لیے باقی اور موجود ہے کہ وہ عشق کرنے کے باوجود بھی زندہ رہا۔ اگر مجنوں کو ہمارے محبوب جیسا محبوب ملا ہوتا تو وہ بھی ہماری ہی طرح اپنے حبیب پر فریفتہ ہو کر فنا ہو چکا ہوتا۔ اور یوں اسے بھی کوئی ہماری ہی طرح نہ جانتا۔ بتایا جارہا ہے جو اپنے عشق میں تباہ و برباد ہو کر فنا ہو جاتا ہے وہ گویا ایک طرح سے بے نام ہو جاتا ہے۔ لیکن مجنوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ فنا نہ ہوا اسی لیے اس کا نام باقی اور زندہ ہے۔ ورنہ فنا ہو جانے والا جو ہوتا ہے اس کا کیا بچتا ہے!۔

﴿۳﴾

ہر دو عالم راز یک پر تو سراسر سوختے
آفتاب از آتش من گر شرارے داشتے

(اس میں شک نہیں کہ سورج دونوں جہانوں کو ایک ہی شعاع اور تاب سے جلا کر رکھ دیتا' اگر وہ ہماری آگ میں سے ایک بھی شرارہ یا چنگاری لے لیتا)۔

عاشق زار بتاتا ہے کہ اس دل میں جو آتش عشق لگی ہوئی ہے اور اس کی جو تب و تاب اور المناک گرمی ہے' وہ دنیا کے اس سورج کی آگ اور تپش سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ قوی' سخت اور گرم اور سوزاں ہے۔ اس سورج کی آگ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر یہ سورج ہماری آگ میں سے صرف ایک ہی شرارہ یا ایک ہی چنگاری لے لیتا' تو اس سے اس سورج کو وہ گرمی اور تپش میسر آتی کہ اس کی ایک ہی شعاع سے دونوں عالم جل کر خاکستر ہو جاتے۔ اس لیے ہمارے دل کی آتش عشق کا سورج کی گرمی اور آگ سے کیا مقابلہ کیا جاسکتا ہے!۔

(۴)

گل چرا غرق گشتے زخجلت پیش تو
گر نہ آں بودے کہ از رشک تو خارے داشتے

(تیرے سامنے پھول خجلت کے باعث پسینے میں غرق ہے۔ اس کی ندامت دیدنی ہے۔ کیونکہ وہ تیرے رشک کی وجہ سے اپنے ساتھ کانٹا رکھتا ہے)۔

اے میرے محبوب! تیرا حسن و جمال سب سے اعلیٰ اور سب سے فائق ہے۔ پھول اگر چہ بہت خوب صورت' حسین اور خوشبوؤں والا ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی تیرے سامنے نادم اور شرمندہ ہے۔ ایک تو وہ تیرے مقابلے کا نہیں ہے اور اس پر مستزاد وہ تو تیرے رشک کا شکار ہے اور اسی لیے وہ اپنے ساتھ خنجر کی طرح کانٹے بھی رکھتا ہے۔ اسی لیے وہ تیرے سامنے ندامت کے پسینے میں شرابور ہے۔

(۵)

نسبتے می داشت بامن شمع در سوز و گداز
گر دل بریاں و چشم اشکبارے داشتے

(اگر شمع کا دل بھی میری طرح سوختہ ہوتا اور آنکھیں پرنم ہوتیں تو اسے سوز و گداز میں مجھ سے نست ہو سکتی تھی)۔

اے لوگو! شمع کو ہمارے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اس کا دل ہماری طرح جلا ہوا اور بریاں و سوختہ نہیں ہے اور اس شمع کی آنکھیں اشکبار بھی نہیں ہیں۔ اس میں ہم سا سوز و گداز کہاں ہے۔ اس لیے شمع کو میرے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ اس کا دل میری طرح جلا ہوا نہیں ہے اور اس کی آنکھیں بھی اشکبار نہیں ہیں۔ اس لیے یہ بالکل میرے برابر کسی بھی طرح سے نہیں ہو سکتی۔

(۶)

یار محی گر کشودے رخ میان مرد ماں

ترک یار خویش کر دے ہر کہ یارے داشتے

(اے محی الدین! اگر میرا محبوب لوگوں کے سامنے اپنے رخ سے پردہ ہٹا دے تو سب لوگ اپنے اپنے یاروں سے قطع تعلق کر کے رہ جاتے اور اسے ہی دیکھتے رہ جاتے)۔

اے محی الدین! میرا محبوب دنیا جہاں میں سب سے خوب صورت' سب سے حسین و جمیل اور سب سے زیادہ رعنا اور پُر جمال ہے۔ میرا وہ محبوب اس قدر خوبرو ہے کہ اگر وہ دنیا جہاں کے سامنے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے تو وہ لوگ جو اپنے اپنے معشوقوں' یاروں اور دلبروں پر اپنی جان نچھاور کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں' وہ سب اپنے اپنے یاروں' محبوبوں اور پیاروں سے قطع تعلق کر کے میرے ہی محبوب اعلیٰ پر عاشق اور فریفتہ ہو کر رہ جائیں۔ میرا حبیب تو اتنا حسین اور پر جمال ہے کہ اس کے رُخِ انور کی ایک ادنیٰ سی جھلک بھی سب عشاق کو اپنے قدموں میں گرالے اور پھر وہ کسی اور در پر جانے کے لائق نہیں رہیں گے۔

## غزل ۷۹

(۱)

بے وفا بارے چنیں تا کے' جفا کاری کنی

نیست وقت آنکہ یک چندے وفا داری کنی

(اے میرے بے وفا محبوب! تم مجھ غریب کو کب تک تڑپاتے رہو گے۔ ایک آدھ بار وفاداری کرنا تو مشکل کام نہیں ہے)۔

میرے بے وفا' میری جان کے دشمن' میرے حبیب! تو اپنی جفا کاریوں پر کب تک قائم رہے گا۔ مجھے اپنے ظلم وستم کا کب تک نشانہ بناتا رہے گا۔ کب تک تو مجھ پر اپنے جور اور الم آزماتا رہے گا۔ کیا تو مجھے مہر و وفا سے سدا محروم اور مایوس ہی رکھے گا! کیا تو میری اس قابل رحم حالت پر کبھی رحم نہیں فرمائے گا۔ زندگی میں ایک آدھ بار وفا سے کام لینا کوئی مشکل اور

بڑی بات تو نہیں ہوتی۔ کیا تو نے کبھی اس غریب اور بے سہارا عاشق زار کے بارے میں نہیں سوچا!

(۲)

ایں چہ قسمت باشد اے بے رحم انصافے بدہ
برمن مسکیں ستم بادیگراں یاری کنی

(میری قسمت کی بدنصیبی بھی کیا خوب ہے۔ مجھ سے بڑا کون بدنصیب ہوگا!۔ میرے بے رحم محبوب' ذرا انصاف سے کام لو۔ تم مجھ مسکین کو تڑپاتے ہو اور دوسروں کے ساتھ یاری دوستی رکھتے ہو)۔

اے لوگو! مجھ سا بھی اس دنیا میں کوئی بدنصیب اور محروم عنایات ہوگا! میرا محبوب جو مجھے میری جان سے بھی پیارا اور سب سے حبیب ہے۔ وہ میرے ساتھ سدا بڑتی ہی بے اعتنائی سے کام لیتا ہے۔ اس نے میرے ساتھ کبھی انصاف کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہے۔ اسی لیے وہ مجھ پر مدام اپنے جور و جفا اور ظلم و ستم جاری اور روا رکھتا ہے۔ میں نے اپنے دشمن جان محبوب کو خوب جان لیا اور دیکھ لیا ہے۔ اس نے مجھ غریب پر اپنے ستم' ظلم' ناانصافیاں اور جفائیں روا رکھی ہوئی ہیں جبکہ اوروں کے ساتھ اس نے دوستی اور یاری کر رکھی ہے۔

(۳)

باوجود مردم دیگر نمی دانم چرا
میل دائم جانب رنداں بازاری کنی

(میں نہیں جانتا کہ تم دوسروں سے قطع تعلق کر کے مدام بازاری لوگوں کی جانب کیوں رغبت رکھتے ہو' یہ کیوں ہے؟)۔

اے میرے دوست! اے میرے محبوب! یہ بات میرے لیے خاصی تشویش اور پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے کہ تمہیں دنیا جہاں کے عام دیگر لوگوں کے بجائے ہمیشہ بازاری اور معمولی اور غیر معتبر لوگوں سے کس لیے زیادہ رغبت ہوتی ہے۔ تم مدام غیر سنجیدہ اور صرف دنیا

سازلوگوں ہی کی جانب کیوں اپنا میلان رکھتے ہو! آخرایسا کیوں ہے؟ کیاوہ بازاری لوگ تجھ پر زیادہ مرنے والے ہیں۔ کیا وہ اپنی وفاداری اور محبت کا زیادہ واویلا کرتے ہیں۔ یہی تو ان بازاری لوگوں کا بازاری پن ہے۔

﴿۴﴾

وقت آں آمد کہ دستے بردل زارم نہی
خوں شد از دست تو دل تا چند خونخواری کنی

(اب وقت آگیا ہے کہ تم میرے رنجیدہ و نالاں دل پر اپنا محبت بھرا ہاتھ رکھ دو۔ اس کا یہی علاج ہے۔ کیونکہ میرا دل تیرے ہی ہاتھوں خون ہوا ہے۔ آخرتم کب تک یہ خونخواری جاری رکھو گے؟)۔

اے میرے محبوب! میں محسوس کرتا ہوں کہ اب میری راہ عشق میں وہ وقت آگیا ہے کہ تم محبت اور ہمدردی کے ساتھ اپنا دست شفقت میرے رنج والم سے بھرے ہوئے اور غموں سے معمور دل پر رکھ دواور اے میرے حبیب! میرے دل کا یہ حال تیرے ہاتھوں ہی سے ہوا ہے۔ میرے دل کوتو نے ہی خون خون کیا ہے۔ کیا اب تک تیرے ظلم وستم کی انتہانہیں ہوئی کیا ابھی تک جور و جفا سے تیرا دل نہیں بھرا ہے! آخرتم کب تک اپنی خونخواری پر ڈٹے رہو گے اور مجھ پر نظر کرم نہیں کرو گے!۔

﴿۵﴾

خانہ دل گر فرو ریزد زیاد روئے دوست
سہل باشد ہر عمارت کش تو سرداری کنی

(اگر میرے دل کا گھر تیرے چہرے کی یاد میں گر کر تباہ ہوگیا ہے۔ تو پھر اب تمہارے لیے ہر عمارت کو آسانی کے ساتھ گرا کر اپنے شوق سے سرداری کرنا بھی آسان ہوگیا ہے)۔

اے میرے دوست! تمہیں تہدیم وتخریب کا بہت شوق ہے۔ اسی لیے تم نے میرے دل کا گھر بڑی ہی آسانی سے گرا کر اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ میرے دل کا گھر محبوب کے چہرے کی یاد میں دھڑام سے گر کر تباہ ہوگیا ہے۔ اس کے بعد اب تو تمہارے لیے دنیا جہاں

کی کسی بھی عمارت کو گرانا نہایت آسان اور سہل ہو چکا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے میرے محبوب کو تخریب و تہدیم کا شوق ہے۔ اپنے اس شوق کی تکمیل کی خاطر وہ دلوں کے ہنستے بستے شہروں کو اجاڑنے اور تباہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس نے ہمارے دل کا گھر تباہ کر دیا ہے اور اب بڑی آزادی اور آسانی کے ساتھ وہ اس میدان میں سرداری کر رہا ہے۔

⟨۶⟩

شیون و زاری مکن محی دگر کاں سنگ دل

جو را فزوں می کند ہر چند تو زاری کنی

(اے محی الدین! اب تم زیادہ آہ وزاری نہ کرو۔ کیونکہ تم جتنی زیادہ گریہ وزاری کرو گے وہ اتنا ہی زیادہ ظلم کرے گا)۔

اے محی الدین! محبوبوں کا شیوہ اور مزاج بھی بڑا عجیب ہوتا ہے۔ وہ اپنے عاشقوں پر سدا سدا کے لیے بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ اپنے چاہنے والوں کی آہ وزاریاں اور نالے سن کر بھی موم نہیں ہوتے۔ وہ عاشقوں کے ماتم' غم' دکھ درد' نالہ وفریاد کو عاشقوں کی فطری عادت سمجھتے ہیں۔ اس لیے اے محی الدین اب تم بھی زیادہ گریہ زاری نہ کرو۔ یہ بھی محبوبانِ دلربا کی ادائے معشوقانہ اور خوئے محبوبانہ ہوتی ہے کہ وہ عاشقوں کے رونے دھونے پر کان نہیں دھرتے بلکہ اس پر وہ اپنے جور و جفا میں اور بھی اضافہ کر دیتے ہیں۔ شاید انہیں عاشقوں کا رونا دھونا اور نالہ وفریاد بہت بھاتے ہیں۔ اسی حوالے سے قرآن مجید میں محبوب حقیقی نے بھی یوں فرمایا ہے کہ ''ہم نے نوع انسان کو بڑی مشقت کے لیے پیدا کیا ہے۔'' (۹۰:۴)۔

## غزل ۸۰

⟨۱⟩

ایں کہ سر برتن بود بردار بودے کاشکے

ویں بدن خاشاک راہ یار بودے کاشکے

(یہ جو میرا سر میرے تن پر ہے۔ اے کاش یہ دار پر لٹکا ہوتا۔ میرے لیے اس کی کوئی

وقعت نہیں ہے۔اور کاش میرا یہ بدن راہ یار میں خس و خاشاک ہو گیا ہوتا)۔

اے دنیا والو! جسم پر لگے ہوئے سر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔اصل قدر و قیمت تو اس سر کی ہوتی ہے جو یار کے قدموں میں پڑا ہو۔اسی لیے شاعر کہتا ہے کہ یہ جو میرا سر میرے جسم کے اوپر لگا ہوا ہے۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر یہ محبوب کی خاطر اور اس کی طلب میں دار پر لٹکا ہوتا۔اسی طرح سچے عاشق تو اپنے بدن کو بھی بکری کی چھینک کے برابر بھی وقعت اور اہمیت نہیں دیتے۔وہ کہتے ہیں کہ اگر ان کی جسم و جاں محبوب کی راہوں میں خس و خاشاک اور کوڑا کرکٹ اور گھاس پھونس کی طرح بھی بکھر گئی ہوتی تو بھی یہ کم تھا۔

﴿۲﴾

تا صبا خاکم نبردے از سر کوئے حبیب

خاک من خشتے ازاں دیوار بودے کاشکے

(کاش باد صبا میری خاک کو اڑا کر محبوب کی گلی میں نہ لے جاتی اور کاش میری خاک اینٹ ہی بن جاتی اور اس کی دیوار میں لگ جاتی)۔

یہ باد صبا بھی کس قدر ظالم اور بے رحم ہے۔یہ میرے جسم و جان کی خاک کو اڑا کر کوچہ جاناں میں لے گئی ہے۔ٹھیک تو ہے کہ جہاں میں نہیں پہنچ سکا وہاں میری خاک پہنچ گئی۔لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ اسی میری خاک سے ایک اینٹ بن جاتی اور وہ اینٹ محبوب کی دیوار میں چن دی جاتی۔لیکن افسوس ہے کہ میں اس قدر خوش قسمت نہ ہو سکا اور محبوب سے دور ہی رہ گیا۔

﴿۳﴾

چوں تو گاہی می کنی پرسش مریض خویش را

دائما چوں دل تنم بیمار بودے کاشکے

(اے میرے محبوب! تم کبھی کبھار اپنے بیمار کی تیمار داری کرتے ہو اے کاش میرا جسم بھی میرے دل کی طرح بیمار رہتا)۔

اے میرے محبوب! ہمیں معلوم ہے کہ از راہ عنایت اور بہ کرم فراواں تم کبھی کبھار

اپنے مریضوں کی پرسش حال کرتے ہو۔ یہ تمہاری بہت بڑی بندہ نوازی ہوتی ہے۔ میرے محبوب! ہمارا دل تو سدا کا مجروح' بیمار اور رنج والم و دکھوں اور غموں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ وہ دائم المرض ہے۔ ہمیشہ سے بیمار چلا آرہا ہے۔ اس کا کوئی علاج معالجہ ہی نہیں ہے۔ اے کاش میرے دل کی طرح میرا جسم بھی ہمیشہ بیمار رہتا تاکہ تم میری بھی بیمار پرسی کی خاطر میرے پاس آتے اور میری بھی عید ہو جاتی۔

(۴)

بسکہ بیداد تو افزوں می شود گویند خلق
جور امثال تو برمن یار بودے کاشکے

(لوگ کہتے ہیں تیرا ظلم وستم ہر روز بڑھتا جا رہا ہے۔ اس میں اذیت اور الم ہے' تو جو لوگوں پر ظلم کر رہا ہے۔ اے کاش وہ سب تو مجھ اکیلے پر ہی کرتا تو مجھے بے حد خوشی ہوتی)۔

اے میرے حبیب! لوگ اپنے اپنے حوالے سے اور اپنی اپنی صورت میں کہہ رہے ہیں تیرا ظلم روز بروز بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ تو میرے سوا اور لوگوں پر بھی مشق بیداد کرتا رہتا ہے۔ اے میرے محبوب! میری تو یہی آرزو ہے کہ اے کاش کہ وہ ظلم جو تو دوسروں پر کرتا ہے' وہ مجھ اکیلے پر ہی کر لے تاکہ لوگ تو تیرے ظلم وستم اور جور و جفا سے بچ جائیں۔ اے میرے حبیب! تو لوگوں کے بجائے سب ظلم مجھ ہی پر کر لے۔ مجھے اس سے دوہری خوشی حاصل ہو گی' ایک عام لوگوں کے بچنے کی اور دوسری تیری اس نوازش خاص کی۔

(۵)

باوجود از جور بسیار تو گویم ہر زماں
اینکہ باشد اند کے' بسیار بودے کاشکے

(باوجودیکہ میں اکثر تیرے ظلم کی زیادتی کی بات کرتا رہتا ہوں۔ اس کے باوجود تیرا ظلم تو ابھی بہت کم ہے۔ کاش کہ تو مجھ پر اور ظلم بڑھاتا)۔

اے میرے محبوب! میں بھی کس قدر بے صبر اور واویلا کرنے والا ہوں۔ ہر وقت میں تیرے ظلم کی بات کرتا رہتا ہوں کہ تو بہت ظلم کر رہا ہے۔ لیکن اے محبوب! حقیقت میں تیرے

ظلم وستم زیادہ نہیں بلکہ بہت کم ہیں۔ اسی لیے میں تو ہمیشہ یہی آرزو کرتا ہوں کہ کاش تم مجھ پر اور زیادہ ظلم کرتے اور میں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا اور یہی میری خوش بختی اور سعادت مندی ہوتی۔

⟨۲⟩

چوں تو نتوانی کہ ہم چوں گل جدا کر دی زخار

محی دل افگار تو آں خار بودے کاشکے

(اے میرے محبوب! تم بھی پھول ہی کی طرح اپنے آپ سے کانٹے کو الگ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اے کاش! محی الدین کا زخمی دل ہی تیرا کانٹا ہوتا اور تیرے ساتھ لازمی طور پر لگا رہتا)۔

شاعر اپنے خاص شاعرانہ انداز میں بتاتا ہے کہ ہر اچھے اور بیش قیمت پھول کے ساتھ کانٹا ضرور ہوتا ہے اور اس کانٹے کو پھول سے اور پھول کو کانٹے سے جدا اور الگ نہیں کیا جاسکتا۔ گویا دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ اسی تناظر میں محی الدین کی آرزو ہے کہ اے کاش اسی کا مجروح اور زخمی دل اپنے محبوب کے سراپا پھول کے ساتھ ایک کانٹا ہی ہوتا تاکہ ہمیشہ اس کے ساتھ وابستہ رہتا اور اسے کسی صوت میں جدا نہ کیا جاسکتا۔ یوں اسے سدا اپنے محبوب کے ساتھ رہنے کا موقع ملتا۔

## غزل ۸۱

⟨۱⟩

بروں آ شہسوار من تعلل پیش ازیں تا کے ؟

زحد بگذشت مشتاقی تحمل پیش ازیں تا کے ؟

(اے میرے شہسوار میرے سامنے آجا' یہ لیت ولعل کب تک روا رہے گی؟۔ میرا شوق حد سے بڑھ چکا ہے اب اور تحمل اور برداشت کا یارا نہیں ہے)۔

اے میرے شہسوار! اب تو باہر آجا اور میرے سامنے آکر بیٹھ جا۔ تیری بہادری اور

شہسواری یہی ہے کہ اب تو مجھے مزید نہ تڑپا تا رہے۔ تجھے اب میرے سامنے آنے سے کسی قسم کے لیت ولعل اور بہانے حیلے کی ضرورت نہیں ہے' اور آج کل کے وعدے پر ٹالنے ہی سے بات بنے گی۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ میرے شوق کی انتہا ہو چکی ہے۔ اب میرے اندر یہ ہمت اور حوصلہ نہیں ہے کہ میں مزید جدائی اور فرقت برداشت کرسکوں۔ اس لیے اے میری تب و طاقت بڑھانے والے شہسوار مجھے مزید انتظار اور جدائی میں نہ ڈال کہ اب میرا شوق فراواں عروج پر ہے۔

(۲)

تو حال من ہمی دانی و می دانم کہ می دانی
چوں خود را دوری کردی تغافل پیش ازیں تا کے ؟

(اے میرے محبوب! آپ میرے حال کو خوب جانتے ہیں اور اس کا مجھے یقین ہے کہ آپ سب کچھ جانتے ہو۔ لیکن اب آپ نے اپنے آپ کو مجھ سے کیوں دور رکھا ہوا ہے)۔

اے میرے محبوب! میرے دل و جان کے سکون! مجھے یقین ہے اور یہ میرا ایمان ہے کہ جو میرے احوال ہیں' آپ ان سے بہت اچھی طرح سے واقف ہیں۔ میری کوئی حالت اور کیفیت آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے میں حیراں ہوں کہ آپ نے پھر بھی اپنے آپ کو مجھ سے کوسوں دور رکھا ہوا ہے۔ یہ بے اعتنائی اور مغائرت کیوں ہے؟ میرے معاملے میں اس قدر تغافل اور بے توجہی اور بے التفاتی سے کیوں کام لیا جارہا ہے! ہمارے اندر اب مزید بے رخی اور بے نیازی کو برداشت کرنے کا حوصلہ اور ہمت نہیں رہی ہے۔

(۳)

بطرف گلستان یک رہ درآ و قدر گل بشکن
کشیدن درد سر چندیں ز بلبل پیش ازیں تا کے ؟

(اے میرے محبوب حسیں! گلستان میں صرف ایک بار ہی آ جاؤ اور پھول کے زعم حسن کو ملیا میٹ کردو۔ بلبل بے چاری کے دردسر کو ہٹاؤ کہ وہ کب تک پھول کے عشق میں گرفتار رہے گی)۔

اے میرے حسین و جمیل محبوب! گلستان میں رنگا رنگ پھولوں نے اپنے ہی حسن و جمال کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ انہیں اپنے حسن' دلربائی' خوشبوؤں اور رنگ پر بڑا مان ہے۔ وہ اپنے حسن کے فخر و تکبر میں بہت غرور کرتے ہیں۔ میرے محبوب پر جمال! میری درخواست ہے کہ تم صرف ایک بار ہی اس گلستان میں قدم رنجہ فرماؤ۔ اس سے پھولوں کا زعم اور غرور ختم ہو جائے گا اور یوں بے چاری بلبل کہ جو ان پھولوں کے عشق میں مبتلا ہے اور وہ سدا بے صبری کے ساتھ شور کرتی رہتی ہیں اس کی دردسری بھی جاتی رہے گی۔

۵

اگر میل عزا داری بیا و قتل محی کن
بکار ایں چنیں نیکو تامل پیش ازیں تا کے؟

(اے میرے حبیب! اگر تمہیں میری تعزیت اور ماتم کرنے کا شوق اور رغبت ہے تو آجاؤ اور محی الدین کو قتل کر دو۔ اس نیک کام میں مزید تاخیر اور تامل کی کیا ضرور ہے؟)۔

اے میرے محبوب' میری دل و جان کے مالک! اگر تجھے یہ شوق ہے اور تو یہ چاہتا ہے کہ میری عزاداری اور ماتم پرستی کرے تو یہ شوق اور آرزو بھی بڑی آسانی سے پوری کرلو۔ اس شوق کی تسکین و تکمیل کے لیے ادھر آؤ اور خود اپنے ہاتھوں سے محی الدین کو قتل کر دو۔ میں سمجھتا ہوں یہ کہ ایک کار خیر ہے' اس لیے اس کے کرنے میں مزید تاخیر اور تامل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تم اس وقت پر بھی راضی بہ رضائے حق اور صابر و شاکر ہی پاؤ گے۔

# ہماری دیگر کتب

## شرح اسماء الحسنٰی (مع اعمال وفضائل) محمد علی چراغ

اپنی قسم کی یہ ایک مبسوط کتاب' جامع تفسیر اسمائے الٰہی ہر اسم مبارک کی مفصل شرح اور تفسیر وتوضیح دنیاوی مشکلات اور پریشانیوں اور مسائل کے حل کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کیجئے۔

## شرح اسماء النبی ﷺ (مع اعمال وفضائل) محمد علی چراغ

حضور نبی اکرم ﷺ کے اسماء مبارکہ ایک سو ایک حیثیتوں اور جداگانہ فضائل کو شرح اور بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ان اسماء النبی ﷺ کی روشنی میں ایک عام قاری بھی اپنی دنیاوی مشکلات' مسائل اور پریشانیوں کا حل تلاش کرسکتا ہے۔

## شرح ابیاتِ باہُوؒ محمد علی چراغ

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کے ابیات آئین تصوف کا پنجابی زبان میں منظوم آئینہ ہیں۔ ان پنجابی ابیات کا جناب محمد علی چراغ نے نہایت خلوص اور کامل دینی' علمی' ادبی اور صوفیانہ بصیرت کے ساتھ اردو نثر میں ترجمہ اور تشریح کی ہے۔ بلاشبہ یہ شرح ابیاتِ باہوؒ ہر اعتبار سے منفرد اور اہم ہے

## شرح دیوانِ باہُوؒ محمد علی چراغ

حضرت سلطان باہوؒ کا فارسی دیوان بھی ابیات باہوؒ کی طرح دین اسلام اور تصوف کی تعلیمات کا ایک مخزن ہے۔ صوفیانہ فارسی شاعری کی جو متمول ادبی' علمی اور خاص دینی و تبلیغی ریت ہے' یہ دیوانِ باہوؒ اس ریت کا ایک نمائندہ اور مثالی شاہکار ہے۔

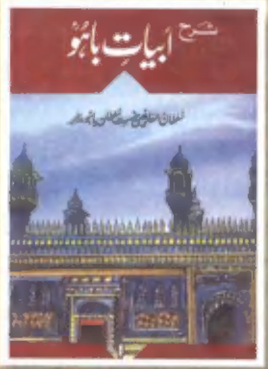


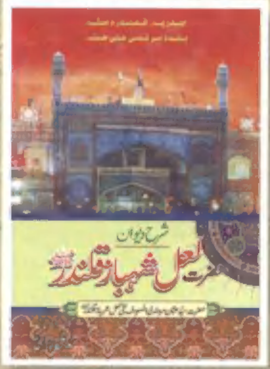


**نذیر سنز پبلشرز**

40 اے اردو بازار لاہور فون: 7123219

پوسٹ بکس نمبر 712

Rs: 250/-